دین و دولت

سید محمود علی

صحت نامہ

آیاتِ قرآنی وغیرہ میں مفصلۂ ذیل اغلاط کی تصحیح کرلی جائے :-

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
ف	۱۵	كُلِّ	كُلٌّ	۱۵۴	۱۳	مِّمَنْ	مِّمَّنْ
۷	۱۶	يُخْلِفُ	يُخْلِفَ	۱۶۴	۱۵	وَلْيَجِدُوْا	وَلْيَجِدُوْا
۹	۱۷	يَقُوْلُ	يَقُوْلَ	۱۶۸	۱۲	تَعْمَلُوْنَ	يَعْمَلُوْنَ
۱۰	۱۷	رُّوْحِ	رَّوْحِ	۱۶۹	۲۱	اٰبَاؤُنَا	اٰبَاءَنَا
۱۱	۵	كُمْ	كَمْ	۱۷۳	۱۲	يَكْتَبُوْنَ	يَكْتُبُوْنَ
۱۰۵	۲۷	تُجْتَنِبُوْا	تَجْتَنِبُوْا	۱۷۴	۱۱	اَنَّهُمْ	اِنَّهُمْ
۱۴۴	۱۰	لِمَنْ	لَمَنْ	۱۷۸	۴	عَنْهُمْ	عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ
〃	۱۸	يُسْتَهْزَءُ	يُسْتَهْزَءُ بِهَا	۱۷۹	۷	فَاتِمُّوْا	فَاَتِمُّوْا
۱۴۹	۲۱	جَهَنَّمَ	جَهَنَّمُ	۱۸۳	۱۳	الْوِثَاقَ	الْوَثَاقَ
۱۵۱	۱ و ۲	لَاتَّبَعُوْكَ	لَاتَّبَعُوْكَ	۱۹۳	۱	كُرَهَ	كَرِهَ
〃	۳	سَيَحْلِفُوْنَ	سَيَحْلِفُوْنَ	۲۰۰	۴	الْفَتْحِ	الْفَتْحُ
〃	۴	اَنَّهُمْ	اِنَّهُمْ	۲۳۸	۱۴	فَاِنَّ	اِنَّ
〃	۱۱	يَغِيظُ	يَغِيْظُ	〃	〃	لِمَنْ	لَمِنْ
۱۵۳	۷	نَصُرُوْا	نَصَرُوْا	۲۳۶	۱۲	اُنَبِّئُكُمْ	نُنَبِّئُكُمْ

وبہ نستعین

دین و دولت

سیّد محمود علی، مولوی فاضل، منشی فاضل

پروفیسر رندھیر کالج، کپور تھلہ

انجمنِ حمایتِ اسلام لاہور

ربیع الآخر ۱۳۵۰ھ مطابق اگست ۱۹۳۱ء

طبع اوّل | تعداد ۱۰۰۰ | قیمت ۸؍

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۤصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (انفال پ۹ ع۱۲)

(ترجمہ)

اے ایمان والو! خدا اور اُس کے رسول کا حکم مانو کہ وہ ایسے اعمال و اشغال کی طرف بلاتے ہیں جو تم کو پائندہ زندگی بخشیں اور جان رکھو کہ دنیا میں انسان اور اُس کے دل کے مابین خدا حائل ہے اور عاقبت میں بھی اُسی کی طرف جانے والے ہو (تو دل کی پیروی کیوں کرتے ہو) پرہیز کرو اس فتنے سے جس کا عذاب آیا کرتا ہے تو صرف ظالموں تک محدود نہیں رہا کرتا (بلکہ تر و خشک سب کو جلا دیتا ہے) جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے +

حالات و تصانیفِ مصنّف

سیّد محمود علی صاحب کے بزرگ بخاری سیّد ہیں۔ آپ کے جدِ اعلیٰ ۹۰۹ھ میں سلطان سکندر لودھی کے زمانے میں دہلی آئے اور آپ کا خاندان غدر ۱۸۵۷ء تک وہیں رہا۔ شہنشاہ اکبرؒ کے وقت میں آپ کے ایک بزرگ کو شاہی منصب بھی ملا، مگر اکثر اجداد گوشہ نشین رہے ہیں۔ غدر میں دلّی اُجڑی، تو آپ کے والد، چچا اور ماموں اپنے عیال کو لے کر جالندھر آ گئے، جہاں کے لوگوں کو اِس خاندان سے دیرینہ عقیدت تھی۔ سیّد صاحب کی ولادت ۱۲۸۳ھ میں یہیں ہوئی۔

آپ نے تعلیم اپنے والدِ ماجد سے، پھر جالندھر کے علماء سے، پھر دہلی میں حاصل کی۔ آخر میں لاہور پہنچے اور اورینٹل کالج لاہور سے ۱۸۹۷ء میں آخری امتحان پاس کیا۔ یہاں سے فارغ ہوتے ہی کپورتھلہ چلے گئے اور ریاست کے سلسلۂ ملازمت میں منسلک ہو گئے۔ آپ رندھیر کالج، کپورتھلہ میں عربی، فارسی اور اُردو کے پروفیسر ہیں اور انتہائی قناعت، سیر چشمی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

آپ پُر نویس نہیں، کیونکہ غور و فکر کے بہت خوگر ہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف کا انعام صرف یہی سمجھا ہے کہ اُن کی اشاعت ہو جائے اور چشمِ خریدار پر احسان رکھنے ہی کو حدِ قناعت قرار دیا ہے۔

آپ نے نوجوانی میں رسالہ "الایمان" لکھا، مولانا شبلی مرحوم کے پاس بھیجا۔ اُنھوں نے پسند کیا، ایک تقریظ بھی لکھ دی، مگر واپس کر دیا۔ ایک مطبع میں بھیجا۔ اُنھوں نے دوسرے دن ایک نقطہ لکھے بغیر واپس کر دیا۔ اِس پر شاہنامۂ فردوسی کی طرح آپ نے ایک منظوم مرثیہ لکھ کر کتاب میں شامل کیا اور اُسے اٹھا کر ڈال دیا۔ عرصے کے بعد ایک دوست نے یہ کتاب دیکھی، مطبع کیل امرت سر میں بھیج دی، اور چھپ گئی۔ حقِ تصنیف کا کوئی سوال نہ تھا۔ شیخ غلام محمد مرحوم مالکِ مطبع سے شناسائی ہو گئی۔ یہی بہت تھا۔ ایک آریہ کے جواب میں "ما حضر" نامی ایک مضمون

لکھا اور اُن کی نذر کیا یہ بھی چھپ گیا "دین و دانش" کی نوبت آئی، تو سیّد صاحب نے لکھا کہ حقِ تصنیف دلوایئے۔ وہ آپ کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ جواب میں لکھا "کتاب کے نفع میں حصہ مقرر کر لیجئے" سیّد صاحب نے کھول کر لکھا کہ سنو روپیہ ندوۃ العلماء کو بھجوا دیجئے اور مجھے اس کی رسید بھیج دیجئے۔ یہ حقِ تصنیف ہے۔ اس پر سودا ہو گیا۔ اِس کے بعد ایک تحریر سیّد صاحب کی نظر سے گزری، جسمیں جمعِ قرآن پر اعتراض تھا۔ اِس کا جواب "رُشد الراشدین" کے نام سے لکھا اور رسالہ صُوفی، پنڈی بہاء الدین کو بھیجا کہ انصاف کے ساتھ اِس کا جو حقِ تصنیف ہو سکتا ہو، وہ کسی قومی کام میں دے دیجئے، کتاب ایک بار چھاپ لیجئے۔ اُنھوں نے کتاب چھاپی۔ سیّد صاحب کے مطلق پچاس[۵۰] نسخے بھی بھیج دیئے۔ مگر حقِ تصنیف کا ذکر نہ کیا۔ تاکید سے پوچھا گیا، تو جواب دیا کہ کارخانہ صوفی سے زیادہ کوئی حقدار نہیں۔ مضمونِ حدیث پر مولوی ثناء اللہ صاحب و مولوی احمد دین صاحب امرت سری کی بحث شائع ہوئی، تو سیّد صاحب نے "اصل الاصول" کے نام سے محاکمہ لکھا، مولوی عبد الحق خاں صاحب بانیٔ مدرسۃ البنات، جالندھر نے اِسے شائع کیا اور کچھ نسخے سیّد صاحب کے حصّے میں آ گئے۔ قصیدۂ بُردہ کا اردو اور فارسی میں منظوم ترجمہ اور قصیدے کی شرح لکھی۔ دہلی کے مطبعِ ہاشمی نے اِسے قبول کیا۔ چھوٹا سا رسالہ تھا، حقِ تالیف کا کوئی ذکر نہ آیا۔

سیّد صاحب نے "دین و دولت" کے جمیع حقوق نہایت فیاضی سے انجمنِ حمایتِ اسلام لاہور کے نام بلا معاوضہ منتقل فرما دیئے ہیں۔ انجمن اس عملی ہمدردی پر آپ کی بے حد ممنون ہے۔ جزاہ اللہ عنا وعن المسلمین خیر الجزاء۔ آمین ✦

ظفر اقبال،
سکرٹری تالیف و طبع کمیٹی،
انجمن حمایتِ اسلام، لاہور

۹۔ ربیع الآخر ۱۳۵۰ھ
۲۴۔ اگست ۱۹۳۱ء

انتساب

میں نے اس تحریر کو اپنے کسی محسن کے نام سے مُعَنوَن کرنا چاہا تو محسنوں کی تعداد کثیر نظر آئی۔ ابنائے جنس میں سے بعض کے ساتھ خون کا تعلق ہے جو ولیت اور بقائے زیست کے بارے میں بڑے بڑے احسان کرتے رہے ہیں بعض کے ساتھ محبت کا تعلق ہے جو قلب کی راحت اور روح کو تسکین دینے کا باعث ہوئے ہیں۔ بعض ہیں جو خرید و فروخت کے معاملات میں بعض کا ہمدردانہ رویّہ جذباتِ امتنان کا محرک ہوا ہے۔ حصولِ معاش کے وسائل میں بالادستوں اور ہمراہیوں کی عنایتیں دل پر پائدار نقش قائم کرتی رہی ہیں۔ احسان سب کا ہوا اور احسان شناس دل کسی کی شکر گزاری میں قاصر رہنے پر رضا مند نہیں لیکن اس عاجز کے اوپر حق تعالیٰ کا یہ بڑا احسان ہے کہ ایسے کسی محسن کا لطف و کرم دستورِ عام سے متجاوز نہیں ہو سکا۔ بزرگ اور قرابت دار کرم کرتے رہے ہیں، محبت سے محبت پیدا ہوتی رہی ہے، خلوص خلوص کی تخم ریزی کرتا رہا ہے، احباب کے الطاف کریمانہ پر جذباتِ نیاز مندانہ کا ظہور ہوتا رہا ہے، اہلِ معاملہ کا نیک سلوک هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ پر گامزن کرتا رہا ہے، رفیقانِ غار کی نوازش اور بالادستوں کی عنایت لوازمِ ہواخواہی اور فرائضِ اطاعت گزاری کی محرک ہوتی رہی ہے اور بہر طور کبھی ادائے فرض میں کوتاہی ہوئی ہے کبھی ضرورت سے زیادہ تلافی کی گئی ہے، مگر جن بزرگوں کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا ہے اور جن کی مخلصانہ سعی و کوشش نے بغیر کسی مادی غرض کے دل و دماغ کو طراوت بخشی ہے اُنکے بارِ احسان سے سبکدوش اور لوازمِ شکر گزاری سے عہدہ برآ ہونا حیطۂ امکان سے خارج ہے۔

یادش بخیر عمرِ گزشتہ کے اوائل ایام میں کسی کو کام میں مصروف دیکھکر نقل اتارنے کی طفلانہ عادت تھی۔ ہمراہی فنِ طب کی تحصیل میں مصروف ہوئے۔ مبارک وقت تھا کہ بغیر عزمِ راسخ کے اُنکی تقلید کا خیال آیا اور ایک کامل الفن بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دو چار دن کی آمد و رفت میں وہ نبض شناسِ فطرت مہربان ہو گیا۔ فرمایا حصولِ فن میں کیا دھرا ہے تحصیلِ علم کی کوشش کرو صحتِ جسمانی کا اہتمام کرتے ہو تو حفظانِ روحانی سے غافل نہ رہو۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ بھی لو اور جہاں سے جو کچھ ملے لینے کی کوشش کرو۔

مجھے اِس کا احساس نہ تھا۔ سرپرستوں کو اِس طرف خیال نہ تھا۔ اُس خضرِ راہ نے کان پکڑ کر خود ہی رستے پہ لگا لیا۔ خود کتاب مہیا کی۔ چند روز درس دیا۔ پھر ساتھ لے جا کر ایک اور بزرگ کے سپرد کر دیا۔ میں کھیل سمجھکر اچھلتا کودتا گیا تھا۔ ذرا گاڑیوں میں جوتا گیا تو بہت سٹ پٹایا۔ مگر طبیعت میں سرکشی کا مادہ نہ تھا۔ اُدھر اُستادوں میں ایک پدرِ مہربان سے زیادہ شفیق دوسرا جابر بادشاہ سے زیادہ بارعب دیکھا۔ کجروی نہ کر سکا۔ شفقت کی کشش تعلیم کے بارے میں کمزور لیکن تربیت کے لئے اکسیر تھی۔ فن کو بے دلی سے جاری رکھا مگر دل گرویدہ ایسا ہوا کہ ہم عمر رفقا کی نسبت اُس پیرِ کہن سال کی صحبت میں زیادہ لطف آنے لگا اور فرصت کا وقت اسی در کی جبہہ سائی میں بسر ہونے لگا۔ دانا، زندہ دل اور خوش اخلاق بزرگوں کی محفل تھی دنیا کے نشیب و فراز پر رائے زنی ہوتی تھی۔ مسائلِ حاضرہ پہ تنقید ہوتی تھی، پاکبازوں کے تذکرے ہوتے تھے، صفائے باطن کے عقدے کھلتے تھے، شعر و سخن کے چرچے ہوتے تھے۔ بقدرِ مناسب مذاق تھا بحدِ ضرورت سنجیدگی تھی۔ اللہ اللہ ایسی دلکش اور پاک محفل پھر دیکھنے میں نہیں آئی۔ مجھ پر سب کا پدرانہ لطف و کرم تھا۔ دوستانہ بے تکلفی تھی اور حد سے بڑھی ہوئی خوش اخلاقی تھی کہ میرا نام لینا گناہ سمجھتے تھے۔ صاحبزادہ کہکر خطاب کرتے تھے۔ میرے نقائص کا ذکر زبان پر نہ لاتے تھے۔ باہم ایسی گفتگو کرتے تھے کہ میں دل میں اپنے نقائص پر نادم ہوتا تھا اور باز آنے کی ترغیب پاتا تھا۔

دوسرے بزرگوار کے نزدیک محبت کا کوئی لفظ زبان سے نکالنا جرم تھا۔ ہمیشہ شیر کی آنکھوں سے دیکھا۔ لوہے کے ہاتھوں سے میری کلائی کو تھاما اور روزانہ دو دو پہر تک نہ خود کمر کو تکیہ سے لگایا نہ میری کمر کو سست ہونے دیا۔ اپنا وسیع کتب خانہ چھان مارا جہاں سے اور کتاب مل سکی مہیا کی اور جو سبق بنا مقصود ہوا اُسکے تمام موافق اور مخالف معلومات کا مطالعہ کیا اور ایک سبق میں اُس مضمون کی تمام موجودہ کتابوں سے شناسا کر دیا۔ مجھے اگرچہ سب کچھ یاد نہ رہا مگر اندازہ ہو گیا کہ مضمون کسقدر وسعت رکھتا ہے اور اسبارے میں کیا کچھ کہا جا سکتا ہے۔ جو کچھ بچپن کی وجہ سے فراموش ہو گیا اُسکا نقش بھی دماغ کے کسی مخفی پردے پر موجود رہا اور جب کبھی سامنے آیا نظر کو مانوس معلوم ہوا اور سمجھ میں آ گیا۔ وقت کی مضمون وار تقسیم نہ تھی، جماعت کی پابندی نہ تھی، کوئی ایسا طریق عمل نہ تھا جسکو آجکل طرزِ تعلیم کہتے ہیں۔ ایک شاگرد تھا اور ایک

اُستاد۔ یہ پرندہ اپنے تئیں قید سمجھتا تھا۔ وہ صیاد اُسکی جان لینے کی بجائے اپنی روح اِدھر منتقل کرتا تھا اور تمام طرز ہائے تعلیم کی بجائے اُسمیں ایک خلوص تھا، فیض رسانی کا ولولہ تھا، نورافشانی کا عشق تھا۔ گویا دل کا وہ آئینہ جس میں علم کا آفتاب جلوہ گر تھا تاریک آئینے کے سامنے متوازی نصب کر دیا گیا تھا۔ شعاعیں پیہم منتقل ہوتی تھیں ظلمت کو دور کرتی تھیں "من تو شدم تو من شدی" کا نقشہ جاتی تھیں اور من دیگرم تو دیگری کا نشان نہ چھوڑتی تھیں۔

دس سال کامل ایسی زحمت کشی اور عرق ریزی کی گئی کہ اسکے بعد اور رہنماؤں کی قیادت میں مختلف مراحل طے کرنے کا اتفاق ہوا مگر طبیعت منزل شناس ہو گئی تھی کبھی راہ وچاہ کی دریافت میں دشواری پیش نہیں آئی۔ نیز میرے دونوں پاک باز مربیوں کی توجہ خاص نے زندگی کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دیا اور طبیعت میں وہ ذوق اور میلان پیدا کر دیا جس پر عمل پیرا ہونے سے ہمیشہ قاصر رہا ہوں لیکن اُسی روش پہ رہ سپار ہونے کی تمنا رکھتا ہوں۔ مدۃ العمر میں ہزاروں مختلف ترغیبوں سے دوچار ہونے کا اتفاق ہوا ہے سب کو ایک نظر دیکھ لیا ہے اور "برو ایں دام بر مرغِ دگر نہ" کہکر اعراض کیا ہے اور قلب میں سرور اور اطمینان محسوس ہوا ہے کہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کا صحیح رستہ پیشِ نظر ہے پس ماندگی پائے راہ روی کا قصور ہے۔

ایسا احسان مجھ پر اور کسی فردِ بشر کا نہیں۔ پس میں اس ناچیز تحریر کو غائر ترین جذباتِ امتنان کے ساتھ اپنے خضرِ راہ جناب حکیم محمد عالمگیر صاحب علیہ الرحمۃ اور اپنے رہنمائے کامل حضرت **مولانا عبدالکریم** صاحب قدس سرہٗ کے نام ہائے نامی سے مزین کرتا ہوں اور پیکِ تخیل کو عالمِ ارواح میں پہنچا کر ہر دو نفوسِ زکیہ کی خدمت میں اس حقیر نذرانے کے لئے شرفِ قبول کا ملتجی ہوتا ہوں۔ وہ ہر دو بزرگوار جسمانی دنیا کا تعلق قطع کر چکے ہیں اور عنقریب یہ عاجز بھی اُسی راہ پر گامزن ہونے کو ہے۔ تمنا ہے کہ جب تک صفحۂ قرطاس پر یہ تحریر موجود رہے میرے ہر دو مخدوموں کے اسمائے گرامی زیبِ عنوان ہوں کہ انہی آستانوں کی جاروب کشی نے ان الفاظ و معانی سے روشناس کیا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ۔

فہرستِ مضامین

ابواب	عنوان	صفحہ
	مقدمہ	ک تا ق
۱	عروج وزوال	۱
۲	اقوامِ عالم پر نظر	۱۱
۳	تنزل کا منظر	۴۲
۴	اسلامی اقتدار کی عمر	۵۴
۵	زمانۂ اقبال کے حوادث	۶۳
۶	سلسلۂ حوادث اور اس کے عواقب و نتائج	۷۹
۷	مسلمان افراد کی موجودہ حالت	۸۶
۸	مسلمان حکومتوں کی حالت	۱۰۷
۹	ترقی کے امکانات	۱۱۶
۱۰	اسلامیوں کی ترقی کا واحد ذریعہ	۱۴۰
۱۱	حصول اقتدار کا عملی تجربہ	۱۸۶
۱۲	بیرونِ عرب کی یورشیں اور ان کے اسباب	۲۱۷
۱۳	اسلامیوں کی خودکشی	۲۵۱

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی ھُوَ اَحَقُّ مَن ذُکِرَ وَاَنصَرُ مَنِ ابتُغِیَ وَاَجوَدُ مَن سُئِلَ وَاَوسَعُ مَن اَعطٰی حُسنَ المَاٰبِ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُولِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ھُوَ اَکرَمُ النَّاسِ اَرُومَۃً وَّاَشرَفُھُم جُرثُومَۃً وَّ اَطھَرُھُم قَلبًا وَّاَبیَنُھُم بِفَصلِ الخِطَابِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحبِہٖ الَّذِینَ ھُم خَیرُ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ وَاَفضَلُ تَذَکُّرًا مِّن اُولِی الاَلبَابِ

بت پرستی ہو کہ عناصر پرستی۔ ستارہ پرستی ہو یا خدا پرستی تمام شکلوں میں مذہب کی بنیاد ایک مختار کل اور لایزال ہستی کے اعتقاد پر ہے یا اس یقین پر کہ انسان اس دنیا سے علیحدہ ہو کر بھی قائم و دائم رہے گا۔ اِن دونوں میں سے ایک عقیدے کو دور کر دیا جائے تو مذہب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اگر ایسی ہستی موجود نہ ہو جو اس دنیا پر اور اسکے علاوہ تمام عوالم پر ہمیشہ کے لیے حکمراں ہے، تو انسان کو لوازم عبودیت پر کمربستہ رہنے اور منازل عرفان کو طے کرنے کی بھی ضرورت باقی نہیں رہتی اور اگر کوئی بالاتر ہستی موجود ہو لیکن انسان مرنے کے بعد فنا ہو کر تمام قیود سے آزاد ہو جاتا ہو تو اسے انہی چند روزہ لوازم زیست کی ضرورت ہی جو مذہب سے بیگانہ رہ کر بھی مہیا ہو سکتے ہیں اور ہر نیک و بد کو کم و بیش میسر آتے رہتے ہیں۔ مذہب پر کاربند رہنے کی ضرورت اسی لیے ہے کہ فطرت انسانی کو اپنے لازوال ہونے کا اور اس ناپائدار زندگی کے بعد ابدالآباد تک قائم رہنے کا یقین سے اور اسکو کسی طرح بتا یا گیا ہے کہ جو حکمراں اب موجود ہے وہی آیندہ بھی موجود رہے گا بلکہ اب پس پردہ ہے اور بالواسطہ حکومت کرتا ہے آیندہ سب کو اُسکی ذات خاص سے تعلق

ہوگا۔اب دنیا کے اندر انقلاب پیدا کرنے کا مدار آفتاب پر رکھا گیا ہے۔ اِسکی حرارت اور روشنی موجودات ارضی کے ہر گونہ حالات پر تصرف رکھتی ہے اور انسان آفتاب کے قوانین سے جس قدر زیادہ واقفیت پیدا کرتا ہے اُسی قدر زیادہ کامیاب ہوتا ہے۔آیندہ اس آفتاب کا واسطہ نہ رہیگا اور جس طرح زمین اپنی اندرونی حرارت سے محروم ہوگئی ہے آفتاب بھی ایک دن اپنی تمام قوت سے محروم ہوجائے گا۔ اور جس طرح زمین کے سرد اور منجمد ہوجانے کے بعد آفتاب کی تاثیر سے اِسکی موجودات نے گوناگون ترقی کی ہے اِسی طرح آفتاب کے سرد اور منجمد ہوجانے کے بعد اگر کوئی اور بڑا آفتاب موجود ہوگا تو اُسکی حرارت اور روشنی سے دنیا از سر نو پیدا ہوگی اور پیدائش اور زیادہ ترقی کرے گی۔ اِس طرح کا سلسلہ خواہ ہزاروں آفتابوں کا فرض کیا جائے اُنکی تعداد ضرور محدود ہوگی۔اور سب کے سرد اور منجمد ہوجانیکے بعد نور وحدت جو ان سب کا سرچشمہ ہے بلاواسطہ اور براہ راست جلوہ گر ہوگا اور ایسی دنیا کو موجود کرے گا جو کسی آنکھ نے دیکھی ہے نہ کسی کان نے سُنی ہے نہ کسی کے خیال میں سما سکتی ہے۔

اِس دنیا میں انسان کی اور ہر مخلوق کی زندگی محدود اور مختصر ہے کیونکہ آفتاب کو خود محدود اور مختصر قوت دی گئی ہے۔اُس عالم میں نور وحدت اپنی لامتناہی قوتوں کے ساتھ بلاواسطہ جلوہ گر ہوگا تو ہر مخلوق کو ابدی اور سرمدی زیست عطا کرے گا۔اِس وقت نور وحدت کی چند شعاعیں ہیں جو محدود آفتاب اور سیارگان کے اندر سے منعکس ہوکر گوناگون مخلوق پیدا کرتی ہیں جس وقت وہ براہ راست جلوہ گر ہوگا تو یہ شعاعیں بھی بلاواسطہ سرگرم عمل رہیں گی۔اور اِس کا وہ لامتناہی نور بھی بتمامہ ظہور کرے گا جو ان مختصر آئینوں میں سما نہیں سکا پس اُس وقت یہ تمام مخلوق بھی دوبارہ موجود ہوگی جو موجودہ شعاعوں سے پیدا ہوسکتی ہے اور نہ معلوم دیگر غیر محدود شعاعوں سے کیسی ہستیاں عالم وجود میں آئیں گی اور کیسے بڑے بڑے جہان اسکی لامحدود قدرت کا تماشا دکھانے کے لیئے ظہور پذیر ہونگے۔ اِس دنیا میں لوازم راحت مہیا کرنے کے لیے آفتاب کے اعمال و خواص دریافت کرنے اور اُنکے مطابق سرگرم عمل رہنے کی ضرورت ہی اور اِس بارے میں

جس شخص کی فطرت قوانین عالم کو دریافت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے وہی معلومات تک رسائی پانے اور اُن سے کام لینے کی قابلیت پیدا کرتا ہے اور جو شخص فطرۃً نادان ہوتا ہے اُسکو معلومات مہیا کرنے میں کامیابی کم ہوتی ہے یا بالکل نہیں ہوتی اور اسی نسبت سے رنج و راحت کا حصہ لیتا ہے۔ عالم آخرت میں راحت انہی کو میسر ہوگی جو اُس ذات واحد کی معرفت پیدا کرینگے اور اپنی ہر گونہ سعی و کوشش میں اُسکے اوصاف جلال و جمال کی متابعت کو مدعا قرار دینگے اور یہاں سے وہ فطرت بنا کر لے جائیں گے جو آنجہانی قوانین کو سمجھنے کے قابل ہو۔ یہی غرض ہو جسکے لیئے مذہب کو رہنما بناتے اور فرائض مذہب کے مطابق ذات باری سے لَو لگانے کی ضرورت ہی۔

فطرت انسانی ابتدائے آفرینش سے ہر زمانے اور ہر ملک میں مذہب کے نام پر فدا اور مختلف شکلوں سے اِس جذبے کو تسکین دینے کی کوششوں میں مصروف ہے اور باوجود ہزاروں باہمی اختلافوں کے کسی کامل و اکمل ہستی کے وجود پر اور اپنی ناپائدار ہستی کے ابدی قیام پر اس قدر اصرار کرتی رہی ہے تو یہی وجہ ہے کہ کسی مخفی آواز نے اسکے روحانی کان کو اس ترانے کی لذت سے آشنا کر دیا ہے جسے فراموش نہیں کر سکتی اور کسی نادیدہ ہاتھ نے ایک حُسن کی تصویر قلب کے سب سے عمیق تہ خانے میں آویزاں کر دی ہے جسکو دل سے نکال نہیں سکتی۔ دوسروں کو سمجھانا اور اس غرض کے لیئے سرگرم عمل کرنا بڑی بات ہے۔ اکثر حالات میں فطرت خود اسکو سمجھنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ اور حسِ جو ہر گرانمایہ کی تلاش ہے اکثر اُسکے دھوکے ہیں کئی طرح کے خذف پاروں کو اپنا مطلوب قرار دینے پر مُصر کرتی دکھائی دی ہے۔ عقل نے اس حقیقت کو آجتک نہیں سمجھا بلکہ جن لوگوں کی عقل کا جادو زیادہ کارگر ہوا ہے وہ فطرت کی اِس بندش سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ روح میں جو قوت الہامیہ ودیعت ہے اِس کو بھی وقتاً فوقتاً ہزارہا سال تک برسرکار آنے کا موقع دیا گیا ہے تو مذہب کی حقیقت اور مذہب کی ضرورت کو فہم انسانی کے قریب لانے کے لائق واضح اور روشن الفاظ مہیا ہو سکے ہیں۔ اور وحی کے سب سے آخری ظہور میں وہ تمام مقدمات جمع ہوئے ہیں جنکو ترتیب دینے سے مذہب کا مدعا سمجھا گیا ہے۔ مثلاً:

۱۔ فرمایا گیا ہے کہ جس آفتاب کو تم اِس دنیا کے لیئے روشنی کا سرچشمہ سمجھے ہوئے ہو اور جس کی حرارت کے خرچ ہونے اور جسکے سکڑتے جانے کی وجہ سے تم تمام نظام شمسی کے مجتمع ہونے اور ایک برفانی گولا بننے کا گمان رکھتے ہو اور جس حالت تک پہنچنے کے لیئے لاکھوں سال کا عرصہ فرض کرتے ہو حقیقت میں وہ آفتاب نور کا سرچشمہ ہی نہیں ہے۔ وہ کوئی اور نور ہے جسکی روشنی نظام شمسی کی قندیل میں جھلکتی ہے اور آفتاب کے آئینے سے منعکس ہوتی ہے۔ وہ نور اُس ذات سے ظہور کرتا ہے جو شرق و مغرب کی قیود سے پاک ہے اور جسکی قدرت ایسا روغن ہے جو خود بخود روشنی دیتا ہے اور اسکو روشن کرنیکے لیئے کسی آگ کی ضرورت نہیں۔ یعنی آفتاب خواہ ریڈیم سے بنا ہو جسکی روشنی کبھی ختم نہیں ہوتی یا اُسکے اندر کوئی نور ہو جو آہستہ آہستہ خرچ ہوتا ہے۔ حقیقت میں یہ سب قوتیں ہیچ ہیں اور اصل میں اس آفتابی نور کے اوپر ایک اور نور ہے۔ وہ جب تک اِس آفتاب پر عکس ڈالے گا یہ منور رہیگا۔ اُن شعاعوں کا رُخ بدلنے کی دیر ہے اِس آئینے میں ظلمت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ ارشاد ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ (نور پ ۱۸ ع ۵)

اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک قندیل کی ہے جسمیں چراغ ہو چراغ ایک آئینہ میں ہو، آئینہ گویا چمکتا ہوا ستارہ ہے جو روشنی لیتا ہے ایسے مبارک زیتون کے درخت سے جو شرق و غرب سے تعلق نہیں رکھتا اور اُس کا روغن بغیر آگ پاس لانے کے روشن رہتا ہے۔ وہ نور کے اوپر نور ہے۔

۲۔ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کی شہادت خود نظام عالم میں موجود ہے۔ زمین گیس کی حالت میں اور سیالی شکل میں کسی مخلوق کو پیدا کرنے کے قابل نہ تھی وہ منجمد ہو کر سرد ہوگئی۔ اسکے اس انقلاب کو دیکھنے والا کوئی موجود ہوتا تو اس میں حرکت کے بعد سکون

پیدا ہو جانے سے خیال کرتا کہ اب یہ مُردہ ہو گئی مگر حقیقت میں یہی حالت اسکے اندر زندگی کا طوفان پیدا کرنے کو تھی۔ چنانچہ باہر سے حرارت اور روشنی آنے لگی اور زمین کے اندر معدنیات اور اُسکے اوپر نباتات اور حیوانات کی آبادی پھیلنے لگی۔ اسی پر قیاس کرو اور دیکھو کہ جب آفتاب سرد ہو جائیگا تو کیا کہیں اور سے حرارت اور نور کا فیضان نیکر آبادی کی قابلیت پیدا نہ کرے گا؟ قرآن کریم میں دنیا کی ابتدائی حالت بتائی گئی ہے کہ اُس نے گیس کی حالت سے بتدریج ترقی کی ہے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ جس طرح پہلے پیدائش کا سلسلہ جاری ہوا ہے آیندہ کیوں نہیں ہو سکتا۔ ارشاد ہے:

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ	کہدو کیا تم کفر کرتے ہو ایسی ذات سے جس نے زمین کو دو
فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ذٰلِكَ	دن میں (یعنی دو انقلابوں میں) پیدا کیا تم اُسکا شریک مانتے
رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ	ہو وہ تمام عوالم کا پروردگار ہے۔ پھر اُسنے زمین کے اوپر پہاڑ
فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا	بنائے۔ ان میں برکت دی اور ان میں غذائیں مہیا کیں
فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝	یہ سب کچھ (ابتدا سے اس وقت تک چار انقلابوں میں درست
ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ	ہو گیا۔ پوچھنے والے سمجھ لیں۔ پھر اُسنے آسمان کی طرف توجہ
فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ	مبذول کی وہ دخان کی شکل میں تھا آسمان اور زمین کو کہا کہ
قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ۝ (حٰم السجدہ پ ۲۴ ع)	خوش ہو یا ناخوش تم کو آنا ہوگا دونوں بولے ہم خوشی سے حاضر ہیں
اَوَ لَمْ یَرَوْا كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ	کیا انھوں نے نہیں دیکھا خدا مخلوق کو پیدا کرنے کا آغاز کیونکر کرتا
یُعِیْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ قُلْ	ہے۔ (اسیطرح) پھر دوبارہ کریگا یہ خدا کیلیے آسان ہے۔ کہدو کہ
سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ بَدَاَ	دنیا میں سفر کرو اور تحقیق پیدا کرو کہ پیدائش کا آغاز کیونکر
الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ	ہوا ہے۔ پھر خدا دوسری پیدائش کا سرانجام کرے گا
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (عنکبوت پ ۲۰ ع)	خدا میں سب قدرت ہے۔
یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ	یاد کرو جس دن ہم آسمان کو تہہ کرینگے جیسے رقعے لفافے میں
كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ وَعْدًا	لپیٹ لیے جاتے ہیں جیسا ہم نے پیدائش کا آغاز کیا ویسا ہی

عَلَیۡنَا ؕ اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیۡنَ ۝ (انبیاء پ ۱۷ ع ۷) پھر کرینگے یہ ہمارا وعدہ ہے۔ ہم کرنے والے ہیں۔

۳۔ کہا گیا ہے کہ آفتاب کا صرف یہی کام نہیں کہ وہ مرکز میں اپنے محور پر گردش کرتا رہے اور نظام شمسی اسکے گرد چکر کھایا کرے۔ یہ حالت ہمیشہ رہنے والی نہیں کوئی انقلاب ہے جو آفتاب پر طاری ہو رہا ہے اور کوئی انجام ہے وہ جس کی طرف جا رہا ہے۔ اُس غالب اور علیم خدا نے اسکا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے وہاں تک پہنچکر اسکی حکومت ختم ہو جائے گی اور نہ صرف وہ بلکہ تمام سیارے اُس سے بڑے ہوں یا چھوٹے ایک وقت پر بے نور اور بے اثر ہو جائینگے۔ ارشاد ہے:

وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّہَا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ۝ (یٰس پ ۲۳ ع ۲) آفتاب اپنے ایک انجام کی طرف جا رہا ہے۔ یہ غالب اور حکیم خدا کا اندازہ ہے۔

اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ۝ وَ اِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ ۝ (تکویر پ ۳۰) یاد کرو جب کہ آفتاب لپیٹ لیا جائے گا اور سیارے بے نور ہو جائیں گے۔

۴۔ ارشاد ہے کہ قدرت خداوندی سے نا آشنا رہنے کا نتیجہ تھا کہ تم آفتاب و سیارگان کو صاحب اثر مانتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ انکے سرد اور منجمد ہو جانے کے بعد پیدائش کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ مگر نہیں۔ بیشک ایک وقت پر یہ سب عظیم الشان کُرے پست کر دیئے جائینگے اُنکی مخلوق فنا ہو جائے گی لیکن پھر انقلاب ہوگا اور زمین اور دیگر قابل آبادی اجرام کو نور سرمدی براہ راست منور کرے گا۔ اُس وقت اِس عرصے کی بھی ضرورت نہ رہے گی جو آفتاب کے اثر کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ اب ہر چیز بتدریج مکمل ہوتی ہے۔ بتدریج فنا ہوتی ہے نور کامل جلوہ گر ہوگا تو جس طرح بگل پھونکنے سے ہزاروں کا لشکر دفعۃً میدان جنگ میں صفیں باندھ لیتا ہے اور دوسری آواز پر فوراً منتشر ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح کے کسی تخریبی اشارے سے سب کچھ فنا اور تعمیری جلوے سے سب کچھ دوبارہ موجود ہو جائے گا۔ ہر چیز دفعۃً مکمل ہوگی اور تمام ارواح و نفوس استعداد کے مطابق نیک بد نتائج کا حصہ لیں گے۔ سنو:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖ ٭ۖ وَالۡاَرۡضُ لوگوں نے جیسا چاہیئے خدا کو پہچانا نہیں۔ حالانکہ

جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِآىْءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (زمر پ۲۴ ع)

زمین تمام قیامت کے دن اس کے قبضے میں ہوگی اور آسمان لپٹے ہوئے اُس کے ہاتھ میں ہوں گے۔ لوگ جن کو اُس کا شریک مانتے ہیں۔ وہ ان سب سے بلند اور پاک ہے۔ نرسنگا پھونکا جائے گا سب آسمان اور زمین والے گر کر فنا ہو جائینگے۔ مگر جن کو خدا بچانا چاہے (بچ بھی جائینگے) دوبارہ پھونکا جائیگا تو سب استادہ ہو کر دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے چمکے گی۔ دفتر پیش کیے جائینگے انبیاء اور دیگر شہادت دینے والے بلائے جائینگے اور سب کا یہی فیصلہ ہوگا۔ کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

یہ نتائج قانون ارتقا کے بالکل مطابق ہیں اور جس دنیا کو فانی کہنے کی عادت ہو وہ حقیقت میں فنا کبھی نہیں ہوتی۔ شکلیں بدلتی ہوئی ادنےٰ سے اعلےٰ حالت اختیار کرتی جاتی ہے یہی آجتک ہوتا رہا ہے۔ یہی قانون آیندہ جاری رہتا نظر آتا ہے۔ یہاں کی کوئی چیز اپنے اندر کسی طرح کی قوت یا اثر نہیں رکھتی۔ انکو انکی اپنی حالت پر چھوڑا جائے تو ایک دم کے لیئے قائم نہیں رہ سکتیں۔ اسلیئے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ کہنا بھی صحیح ہے لیکن یہ بھی صحیح ہو کہ جس نور نے پہلے زمین کے اندر سے منعکس ہو کر اسے دخان یعنی گیس کی شکل دی اور اسکے سرد ہو جانے پر جس نور نے آفتاب کو دخان کا کرہ بنا کر زمین کے تمام حالات میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا وہ نور سرمدی اور لم یزلی ہے اور كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ کا وصف رکھتا ہے معلوم نہیں وہ زمین اور اسکے بعد آفتاب کے اندر جلوہ گر ہونے کے علاوہ اور کتنے ان سے بڑے بڑے مظاہر میں ظہور کرتا آیا ہے اور کرتا رہیگا اور کسی وقت اپنے ظہور کو ترقی دیتا ہوا پورے جلال کے ساتھ بلا واسطہ جمال دکھائے گا۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بارش کا ایک قطرہ چند ذرّوں کو نم پہنچا کر گولی بنا دیتا ہے۔ دو قطرے

نسبتہً زیادہ رقبہ میں پھیل کر ذرّات کو اور شکل دیتے ہیں۔ چند قطرے ایک جگہ گرتے ہیں تو اور صورت پیدا کرتے ہیں۔ تیز بارش اور کیفیت دکھاتی ہے۔ سیلاب کا اثر سب سے ممتاز ہوتا ہے۔ اسیطرح اُس نورِ سرمدی کی جو شعاعیں زمین کے اندر منعکس ہوئی تھیں وہ اور شان رکھتی تھیں جو آفتاب کے اندر منعکس ہو رہی ہیں وہ اور شان رکھتی ہیں اور جو ان سے بڑے مظاہر میں منعکس ہونگی وہ اور شان دکھائینگی اور جب پورے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہوگا تو تمام شانیں نمایاں کریگا۔ ایک وقت کی نمائش میں مخلوق کی جو شکل ہے وہ دوسرے وقت میں نہیں ہو سکتی۔ ہر قسم کی اور ہر وقت کی مخلوق دوبارہ جبھی ظہور کریگی کہ اُسکی سب شانیں بیکدم جلوہ گر ہونگی۔ وہی وقت حیات بعد الموت کا ہے وہی وقت ابدی زیست حاصل کرنے کا ہے اور اسی وقت کیلئے **مذہب کی ضرورت** ہے۔

بیشک ہم سب کو اُسکے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ اپنی اپنی قوت و استعداد کے مطابق اُس کے جلال یا جمال کا پرتو دیکھنا ہے اور پھر اسی قانون ارتقا کے رو سے جو دنیا کا تجربہ ہے اور لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ کے مطابق جو مذہب کا فرمان ہے سعادت اور شقاوت کا جو حصہ ملنے والا ہے اسمیں ابد الآباد تک ترقی کرتے جانا ہے۔ اسی واقعے کا الہام ہے جو انسانی فطرت کو ہوا ہے اور اسی حالت کو درست کرنے کا اہتمام ہے جو مذہب نے کیا ہے۔ فطرت غلطیاں کرتی رہی ہے اور مذہب کے اندر آمیزش اور کوتاہیاں ہوتی آئی ہیں۔ صحیح رستہ وہ ہے جسپر گامزن ہو کر انسان دار آخرت میں ابدی راحت حاصل کرے اور صحیح تعلیم وہی ہے جس میں نور سرمدی کی معرفت اور اُس ذات واحد کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی ہدایت ہو۔ اُسکی صفات جلال و جمال کو پیش نظر رکھیں اور اُسکی خوشنودی حاصل کرنے کو مدعا قرار دلیا تو آخرت کا ابدی سرور حاصل کرنے کے سوا دوسرا نتیجہ یہ بھی ضرور مرتب ہوتا ہے کہ انسان دنیا میں امن و راحت کو ترقی دینے اور شر و فساد کو نابود کرنے کی سعی میں مصروف رہ کر وہ کامیابی حاصل کرتا ہے جو محض مادی وسائل پر انحصار رکھنے والوں کو حیرت میں ڈالتی ہے اور نیز قلبی اطمینان اور روحانی تسکین کی اُس نعمت سے بہرہ ور ہوتا ہے جو اہل دنیا کو کبھی میسر نہیں ہو سکتی۔

آنجہانی نتائج کا تجربہ اِس دنیا میں ممکن نہیں۔ مذہبی تحقیق میں محض دنیوی آثار و اثمار پر انحصار

کرنا پڑتا ہے۔ میں نے اس تحریر میں واقعات عالم کے مقابلے سے یہ دریافت کرنا چاہا ہے کہ اسلامی تعلیم اور اُسکے عملدرآمد نے دنیا کو ایسے نتائج سے لطف اندوز کرنے میں کہاں تک کامیابی حاصل کی ہے اور مذہب کی اس شاخ نے حق و باطل کی کشمکش میں صفحات عالم پر کیسے نقوش ثبت کیئے ہیں۔ آیندہ کے لیئے اس سے کیا توقعات وابستہ ہوسکتی ہیں اور اسلامیوں کی اپنی رفتار کس طرف ہے۔

اس تحریر میں دفاتر تاریخ کے مختلف صفحات سے وہی واقعات اقتباس کیئے گئے ہیں جو بالاتفاق مسلّم ہیں اور جن سے باوّل نظر واضح نتائج اخذ ہوسکتے ہیں۔ اس موضوع خاص پر کوئی تحریر نظر سے گزری نہیں۔ حل مطالب میں محض اپنی بصیرت پر انحصار کرنے سے اغلاط میں مبتلا ہونے کا احتمال غالب ہے۔ تاہم بقدر ہمت ادائے خاص سے نکتہ سرا ہونے کی جرائت کی گئی ہے۔ دیکھئے صلائے عام کی آواز یارانِ نکتہ داں تک پہنچتی ہے یا نہیں۔

الراقم خاکسار

محمود علی　　　　۱۲- فروری سنہ ۱۹۳۱ء

رندھیر کالج، کپورتھلہ

(پنجاب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ

باب اوّل

عروج وزوال

اسلامیوں کا عروج وزوال۔ عروج وزوال کا اثر۔ اغیار کا فیصلہ اور طرز عمل۔ عروج وزوال کی عالمگیری۔ عروج وزوال کی میعاد۔ میعاد کی تحقیق۔ میعاد کی تحقیق مذہبی۔ انقلاب درایام۔ تعمیری انقلاب تخریبی انقلاب۔ اندرونی انقلاب۔ فوری انقلاب۔ تدریجی انقلاب۔ دورویہ انقلاب۔ بہتر انقلاب۔ انقلاب اور فنا۔

اسلامیوں کا عروج وزوال اسلام اپنی مکمل اور انتہائی شکل میں اسلام کے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رہنمائی میں دنیا کے اندر آیا اور حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پھیلا ہے تو اُس نے خلق خدا کے دلوں پر تصرف کرنے کے علاوہ دنیا کے ظاہری عظمت و اقتدار کا بھی وہ نقشہ دکھایا ہے کہ اُس وقت دنیا کی جو دو سب سے بڑی سلطنتیں خطۂ عرب کے قرب جوار میں دور تک پھیلی ہوئی تھیں باوجود اپنی بے انتہا قدرت و جبروت کے اور باوجود ہر طرح کے فوجی اور مالی تفوق کے اسلامیوں کے سامنے جو فاقہ کش بے سروسامان اور قواعد ملک رانی و کشور کشائی سے بالکل نابلد تھے نہ ٹھہر سکیں اور جفاکشانِ عرب نے اُن دونوں کو نیچا دکھانے کے بعد آگے قدم بڑھایا۔ چین کے سوا ایشیا کے تمام رقبے پر

اور افریقا اور یورپ کے بہت سے سرسبز خطوں پر پھیل گئے اور بہت ہی قلیل عرصے میں
ایسی عظیم الشان سلطنت کے مالک بن گئے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہ کرسکتی تھی۔
سیاسی برتری اور دنیوی عظمت و شان کا یہ نقشہ جمانے کے بعد اسلامیوں نے پیچھے ہٹنا
شروع کیا تو رفتہ رفتہ نوبت یہانتک پہنچ گئی کہ اب دنیا میں ان کی ہستی شمار میں آنے
کے لائق نہیں رہی اور جہاں جہاں ان کی اپنی حکومت کا نشان باقی ہے وہاں بھی وہ اپنے
تمام کاروبار میں اغیار کے دست نگر ہیں اور اپنی عزت کو اپنے گھر میں بھی قائم نہیں رکھ سکتے۔

عروج و زوال کا اثر

یہ انقلاب اگرچہ مذہبی نقطہ نظر سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور
مسلمان اگر مسلمان ہوں تو دنیوی وجاہت کے زائل ہونے پر بھی وہ روحانی انوار و برکات
سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں اور اپنے مذہب کی پاکیزہ ہدایات پر کاربند ہو کر شاہی و بے نوائی
دونوں حالتوں میں پاک زندگی اور پاکیزہ اخلاق سے دنیا میں سرخروئی اور عقبیٰ میں فلاح و
نجات حاصل کرسکتے ہیں۔ مگر قباحت یہ ہے کہ ایک تو دنیوی جاہ و جلال ہی ایسا دلپسند اور
جاذب کہ ظاہر بین نظریں اُسی کو سب سے بڑا ثمرہ اور ہر طرح کی کوشش کا سب سے اعلیٰ نتیجہ
سمجھ لیتی ہیں اور جو قوم اس نعمت سے بہرہ مند ہو اُسی کی تقلید اور پیروی کو اپنی ہر طرح کی
فلاح و بہبود کا ذریعہ جانتی ہیں۔ دوسرے ظاہری حیثیت میں تاثیر بھی قدرت نے ایسی ودیعت
کی ہے کہ اگرچہ اس کا انجام ہمیشہ ہی حسرتناک ہوتا ہے۔ اور ایسا شخص اور ایسا گروہ بالآخر
غرور کے نشے میں مست ہو کر کئی طرح کی بے اعتدالیوں کا مرتکب ہونے لگتا ہے اور مآل کار
سے بے پروا ہو کر ایسی سینہ زوری اور شورہ پشتی اختیار کرلیتا ہے کہ اُس کا نتیجہ تباہی
اور بربادی کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ مگر سردست اور کچھ عرصے کے لیے حیثیت کے بلند ہونے
سے انسان کا حوصلہ بھی بلند ہو جاتا ہے اور عقل میں تیزی اور ارادے میں پختگی ایسی پیدا ہوتی
ہے کہ جسطرف نظر اُٹھاتا ہے کامیابی کو دست بستہ حاضر پاتا ہے اور اُسکے قوت و اقتدار
میں وہ پختگی اور استقلال نظر آنے لگتا ہے کہ نہ صرف اُسے بلکہ دیکھنے والوں کو بھی یقین

ہوجاتا ہے کہ اس حالت میں زوال اور اس بلند پروازی میں انحطاط پیدا ہونے کا کوئی احتمال نہیں۔ اور دوسری جانب جس فریق کو یہ لذت چکھنے کے بعد ادبار اور بدحالی سے سابقہ پڑتا ہے اُسکے عقل و شعور اور تمام قوائے جسمانی و روحانی پر ایسا صدمہ ہوتا ہے کہ دانائی رکھتے ہوئے نادانوں سے بدتر اور علم رکھتے ہوئے جاہلوں سے پست اور ذلیل ہوجاتا ہے اور جو کام کر سکتا ہے اور جس کمال کو حاصل کرنے کی قدرت رکھتا ہے اُسکی طرف بھی قدم نہیں اُٹھا سکتا اور عاجز و درماندہ ہوکر تمام اوضاع و اطوار میں گمراہ، اخلاق میں کمینہ اور اوصاف میں رذیل اور ذلیل ہوجاتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل مسلمان انقلاب کے اسی دور سے گزر رہے ہیں وہ جب ملک گیری و کشورکشائی کا نشان لیکر اُٹھے تھے تو اُنکی عظمت و جبروت کو دیکھکر دنیا کے طاقتور بادشاہ تھرّا گئے تھے۔ اُنکے آئینِ حکمرانی کو دیکھکر مہذّب قومیں اُنکے زیرِ حکومت آنے کی مشتاق ہوگئی تھیں اور ساتھ ہی علوم و فنون کی سرپرستی اور عقل و شعور کی فراوانی نے ان تمام اقوام کو جو آج دنیا میں استادی کا نقارہ بجا رہی ہیں مسلمانوں کا شاگرد بنا دیا تھا۔ مگر اب کیا کیفیت ہے؟ وہ سب باتیں خوابِ خیال ہوگئیں جو کل تک زبردست تھے وہ آج زبردست ہیں اور جو اسلامی برکات کا راگ گاتے تھے وہ آج اُسکی عیب جوئی میں مصروف ہیں اور جو لوگ مسلمانوں کی شاگردی پر فخر کرتے تھے مسلمان آج اُنکے حلقۂ درس میں داخل ہونے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے اور جو لوگ اس حالت کا احساس رکھتے ہیں وہ نہ صرف مسلمانوں کی سیاسی عظمت پر ماتم کرتے ہیں بلکہ اُنکی اخلاقی اور روحانی ہر طرح کی پستی اور بدحالی کا رونا روتے ہیں اور حالی مرحوم کی زبان میں کہتے ہیں ؎

وہ مسلمانوں کی سرابازی میں سبقت کیا ہوئی — وہ حجازی غیرت اور ملکی حمیّت کیا ہوئی

دین و دولت علم و دانش ہم میں کچھ باقی نہیں
حق نے پوری کی تھی جو ہمپر وہ نعمت کیا ہوئی

اغیار کا فیصلہ اور طرزِ عمل مسلمان اپنی پست حالی کے مرقع پر نظر ڈالتے ہیں اور کفِ افسوس ملنے کے سوا چارہ نہیں دیکھتے اغیار مسلمانوں کی حالت پر رقیبانہ رشک و حسد کا اظہار کرتے ہیں تو اُنکے زخموں پر نمک پاشی کر کے اور تڑپا دیتے ہیں۔ وہ سناتے یہ ہیں کہ اسلامی تعلیم ہی کسی پائدار عظمت و اقتدار کو پیدا کرنے کے قابل نہ تھی اور مسلمان محض اتفاق سے برتری کے اس درجے تک پہنچ گئے تھے جسپر قائم رہنا اُنکی طاقت سے باہر تھا۔ اسلیئے اُن کو قعرِ مذلت میں گرنا پڑا۔ زبان سے یہ کہتے ہیں مگر اُن کی عملی حالت ثابت کرتی ہے کہ وہ اب بھی مسلمانوں کے بیدار ہونے سے خائف ہیں اور جانتے ہیں کہ جس وقت اِس شیر نے کروٹ لی دُنیا میں تہلکہ مچا دے گا اور اسی واسطے وہ اپنی تمام جسمانی اور دماغی طاقتوں سے مسلمانوں کو بیدست و پا کرنے اور اُنکی غفلت اور سہل انگاری کے زمانے کو طول دینے میں مصروف رہتے ہیں۔ اہل حکومت اپنی سیاسی چالوں سے اور اہل مذہب تبلیغی کوششوں سے مسلمانوں کے اعضاء و جوارح کو قطع کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔

عروج و زوال کی عالمگیری اس نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ سے دنیا میں تمام اقوام کو سابقہ پڑتا رہا ہے اور جو لوگ آج برسرِ اقتدار ہیں اور اقتدار کے ساتھ علم و حکمت اور عقل و دانش سے بھی بہرہ ور ہیں وہ بھی دعوٰے نہیں کر سکتے کہ ہم زوال اور فنا کے لیئے پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ سب جانتے ہیں کہ اقتدار کے بعد دیر میں یا جلد نخوت و غرور اور اُس کے ساتھ کاہلی اور عیش پسندی ضرور پیدا ہوتی ہے اور اس حالت کے بعد زوال اور فنا کا وقت آپہنچتا ہے اور پھر اگر کوئی قوم زندہ رہتی ہے اور اُسکی قومیت فنا نہیں ہوتی تو دوبارہ دیر میں یا جلد بلندی اور عروج کی طرف جانے کا موقع بھی میسر آجاتا ہے۔ یہ ایک دولابی چکر ہے جس میں زندہ رہنے والی قومیں ہمیشہ مبتلا رہتی ہیں اور پستی اور بلندی کا جھولا جھولتی ہیں۔ البتہ جو قوم زندگی کی نعمت سے محروم ہو جاتی ہے اور اپنی قومیت زائل کر دیتی ہے اُسکو زوال کے بعد عروج کی طرف جانے کا موقع میسر نہیں آسکتا یہ قاعدہ

تمام دنیا پر حاوی اور آسمانی سیاروں سے لیکر زمین کی ادنیٰ نباتات تک ہر چیز کو صعود و ہبوط، بہار و خزاں، جوانی و پیری اور زندگی و موت کی قید میں پابند رکھا گیا ہے

عروج و زوال کی میعاد اب دیکھنا یہ ہے کہ سیاروں کے صعود و ہبوط کے لیئے وقت مقرر ہے، نباتات کی بہار و خزاں کے لیئے وقت مقرر ہے۔ ان اوقات میں کمی اور زیادتی کبھی نہیں ہوتی۔ مگر جوانی اور بڑھاپے کے مرض میں مبتلا رہنے والوں کے لیئے جو وقت مقرر ہے اسمیں کمی ہو سکتی ہے یعنی وقت سے پہلے جوانی اور بڑھاپے کا زمانہ آسکتا اور ختم ہو سکتا ہے لیکن جو آخری میعاد مختلف چیزوں کی جوانی اور بڑھاپے کیلیئے اور عمر کے واسطے مقرر کی گئی ہے۔ اسکے اندر زیادتی کا موقع بالعموم نہیں دیا جاتا تو کیا اقوام کو ترقی یا تنزل کی ایک رفتار پر قائم رہنے کیلیئے قدرت نے وقت عطا نہ کیا ہوگا؟ اور اگر انکے لیئے بھی وقت مقرر کیا گیا ہے تو کیا سیارگان سماوی اور نباتات ارضی کی طرح ایک معین میعاد ترقی اور تنزل کی دیگئی ہے جس میں تفاوت ہرگز نہ ہو یا دیگر متبدل مخلوق کی طرح ان کی میعاد میں اختلاف کی گنجایش رکھی گئی ہے۔

میعاد کی تحقیق میں اپنی اس تحریر کو اس سوال کا مورّخانہ جواب تلاش کرنے کیلیئے وقف کرتا ہوں اور دیکھنا چاہتا ہوں کہ مختلف اقوام عالم کو ترقی اور تنزل کیلیئے کسقدر وقت ملتا رہا ہے اور انکے مقابلے میں اسلامیوں کو کسقدر عرصے تک ترقی میسر آئی ہے اور اس عرصے کو دیکھکر انکی ترقی کو باقاعدہ سمجھنا چاہیئے یا عارضی اور اب جبکہ تنزل کی حالت میں مبتلا ہیں تو آیا اسلامی قومیت میں وہ علامات پائی جاتی ہیں یا نہیں جو دیگر اقوام کو تنزل کی حالت سے دوبارہ ترقی کی طرف لیجانے کا باعث ہوتی ہیں؟ اور اگر ایسی علامات موجود ہیں تو کیا ان سے کسی فوری انقلاب کی امید ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تاریخ سے ان تمام سوالوں کا جواب معلوم کرنے کے بعد ہم اندازہ کر سکیں گے کہ اغیار ہماری گزشتہ ترقی کو عارضی کہنے اور ہماری موجودہ حالت سے خائف رہنے میں کہاں تک حق بجانب ہیں۔

مگران سوالات کا تاریخی جواب معلوم کرنے سے پہلے دیکھنا چاہتا ہوں کہ مذہب نے ترقی اور تنزل کے لیئے وقت اور میعاد کا کوئی ذکر کیا ہے یا نہیں؟

میعاد کی مذہبی تحقیق | قرآن کریم کے اندر عبرت پیدا کرنے کیلیئے انقلابوں کا ذکر کثرت سے ہوا ہے اور مختلف اقوام عالم کی ترقی اور تنزل کے حالات سے آنے والوں کو متنبہ کیا گیا ہے اور صرف اقعات پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ چھوٹے اور بڑے تمام انقلابوں کی جو میعاد مقرر ہے اس سے بھی اطلاع دیگئی ہے۔

۱۔ انقلاب اور ایام | قرآن کریم میں انقلاب کے واسطے ایام یا ایام اللہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ — ان انقلابوں کو ہم لوگوں میں چکر دیتے رہتے ہیں۔

(آل عمران پ۴ ع ۱۴)

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ (یونس پ۱۱ ع ۱۰) — وہ نہیں انتظار کرتے مگر انہی جیسے انقلابوں کا جو پہلے گزر چکے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰامِ اللّٰهِ (ابراہیم پ۱۳ ع ۱) — ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے نشانات دیکر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے روشنی کی طرف لاؤ۔ اور انقلابوں سے آگاہ کرو۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ (جاثیہ پ۲۵ ع ۲) — ایمان والوں سے کہدو کہ درگزر کریں ان لوگوں سے جو انقلابات عالم سے عبرت نہیں لیتے۔

۲۔ تعمیری انقلاب | جو انقلاب دنیا کو موجودہ شکل تک لانے اور آبادی کی صورت پیدا کرنے کیلیئے ابتدائے آفرینش سے بروئے کار آتے رہے ہیں۔ ان میں ایک حالت سے دوسری حالت اسقدر طویل عرصے میں پیدا ہوئی ہے جو انسانی اندازے اور قیاس سے باہر ہے اُسکے ان انقلابوں کا ذکر بالاجمال کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ وہ چھ انقلاب ہیں

جن سے اجرام علوی و سفلی کی بناوٹ مکمل ہوئی ہے۔ ارشاد ہے:۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (وَمَا بَيْنَهُمَا) فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ (اعراف، یونس، ہود، حدید، فرقان، سجدہ، ق)

حق تعالےٰ نے زمین و آسمان اور اُن کی درمیانی مخلوق کو چھ انقلابوں میں مکمل کیا ہے۔

۳۔ تخریبی انقلاب | وہ وقت جس میں بنے ہوئے کارخانوں کو بگاڑا جاتا ہے اور قیامت جیسے انقلاب پیدا کیے جاتے ہیں اُنکی میعاد پچاس ہزار سال بتائی گئی ہے ارشاد ہے:۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (معارج پ۲۹ ع ۱)

(قیامت کے دن) فرشتوں کا اور روح کا عروج خدا کی طرف ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

۴۔ اندرونی انقلاب | آبادی اور بربادی کو ممتاز کرنے والے بڑے بڑے انقلابوں کے علاوہ جو واقعات ہر مخلوق کیلئے اپنی شکل قائم رکھتے ہوئے پیش آتے ہیں اور جن سے وہ کبھی ضعف اور کبھی قوت اور کبھی ترقی اور کبھی تنزل کی کیفیتیں ظاہر کرتی رہتی ہے تمام موجودات کی مختلف حالتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسی شکلوں کا زیادہ سے زیادہ قیام فرمایا گیا ہے کہ ہزار سال تک ہوتا ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (حج پ۱۷ ع ۱۲)

وہ تم سے عذاب کی جلدی کرتے ہیں حالانکہ خدا اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا مگر بات یہ ہے کہ خدا کا دن تمہارے حساب سے ایک ہزار سال کا ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (سجدہ پ۲۱ ع ۱)

وہ آسمان اور زمین کا انتظام کرتا ہے پھر تمام انتظام ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے حساب سے ہزار سال ہو اسی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

دنیا کی دخانی حالت میں جب زمین اور دیگر سیارے ایک دوسرے سے جدا ہوئے ہونگے تو اُن کا دخانی شکل سے سیّال شکل میں اور سیلان سے منجمد حالت میں تبدیل ہونا ممکن ہے کہ پیدائش کے بڑے بڑے انقلابوں میں شمار کیا گیا ہو اور ایک حالت کے بعد دوسری حالت کروڑہا سال کے اندر پیدا ہو سکی ہو۔ زمین کے منجمد ہو جانے کے بعد اُسکے طبقات کا ایک دوسرے سے ممتاز ہونا، زمین میں دفن ہونے والی چیزوں کا پتھر کی شکل اختیار کرنا، ایک طرح کی روئیدگی کے بعد دوسری قسم کی روئیدگی کا نمودار ہونا یا حیوانات کی ایک نوع کے بعد دوسری نوع کا پیدا ہونا بھی ہم یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ کسقدر وقت لیتا ہوگا۔ نہ اپنی مختصر زندگی کے اندر انسان کو ایسے ابتدائی حالات کا زمانہ مشخص کرنے کی ضرورت ہی۔ البتہ دنیا کو موجودہ شکل میں لانے کے بعد جیساکہ مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے تدبیر عالم اور انتظام نظام بنی آدم کے اندر ایک حکم کے بعد دوسرے حکم کا نافذ ہونا اور ایک حالت کے بعد اُسکے اچھے یا بُرے نتیجے کا مرتب ہونا جس کو اصطلاح مذہب میں جزا و سزا کہتے ہیں اسکی نسبت فرمایا گیا ہے کہ ہمیشہ جلدی کی امید نہ رکھو۔ خدا کا دن ہزار سال کا ہے

۵۔ فوری انقلاب اِن الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ انقلاب حالت کی یہ انتہائی میعاد ہے ورنہ کبھی اِس سے پہلے اور خدائی دن کے کسی ایک حصے میں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات کسی حادثے اور کسی فعل کو اس قدر جلد تکمیل دیتے ہیں کہ نتیجہ فوراً مرتب ہو جاتا ہے۔ ایسے موقعوں کی نسبت ارشاد ہے:۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (نور پ ۱۸ ع ۵)	کفر کرنے والوں کے اعمال ریگ تواں کی مانند ہیں جو کسی جنگل میں ہو اور پیاسا اُسے پانی سمجھے۔ پاس آئے تو کچھ نہ پائے مگر خدا کا حکم وہاں موجود ہو اور اُس کا حساب اُسکے پتے ڈالے اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔
وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ	وہی خدا ہے جس نے تم کو زمین پر اپنا جانشین بنایا اور بعض

بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ (انعام پ ۸ ع ۲۰)

کے درجے بعض سے بلند کئے تاکہ جو کچھ تم کو عطا ہوا ہے اُس میں تم کو آزمایا جائے۔ بیشک تمھارا رب جلد عذاب دینے والا بھی ہے اور معاف کرنے والا مہربان بھی ہے۔

۶۔ تدریجی انقلاب کبھی حالت کا نتیجہ اور عمل کا ثمرہ نیک و بد سب کیلئے تھوڑی یا بہت مہلت کے بعد پیدا کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہے :-

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۞ (اعراف پ ۹ ع ۲۳)

جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج ایسا پکڑتے ہیں کہ ان کو معلوم نہیں ہونے پاتا ہماری چال زبردست ہے۔

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ (قلم پ ۲۹ ع ۲)

اِس ہدایت کے جھٹلانے والوں کا معاملہ ہم پر چھوڑدو ہم انکو آہستہ آہستہ ایسا پکڑتے جائینگے کہ اُنھیں معلوم بھی نہ ہوسکیگا

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۞ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۞ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ (آل عمران پ ۴ ع ۲۰)

کفار جو ممالک پر حکومت جتاتے پھرتے ہیں انکی کامیابی سے دھوکا نہ کھاؤ۔ چند روزہ لطف ہے پھر دوزخ ہے اور وہ ۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۞ (پارہ ۲ بقرہ ع ۲۶)

کیا تم سمجھے ہو کہ بہشت لیلوگے اور گزشتہ اقوام کی سی تکلیفیں نہ اُٹھاؤگے؟ انکو اندیشے پیش آئے۔ نقصان پیش آئے اور مصیبتوں نے زلزلے ڈالے ۔ حتیٰ کہ رسول اور اُسکے مومن ساتھی بلبلا اُٹھے کہ خدا کی طرف سے مدد کب آئے گی۔ (ہم نے کہا) لو، ایسی استقامت کے بعد مدد قریب ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا

تم سے پہلے بھی انبیاء کو جھوٹا کہا گیا انھوں نے اس تردید پر صبر کیا۔ انکو اذیتیں دی گئیں۔ حتیٰ کہ ہماری امداد اُن تک پہنچی

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ (انعام پ۷ ع۴) خدا کا قانون بدلتا نہیں۔

دردِ بیہ انقلاب | کبھی بدکاروں کو اُن کے اعمال پر کسی طرح کی تکلیف دیجاتی ہے مگر وہ باز نہیں آتے تو حالات خوشگوار بنا دیے جاتے ہیں اور انکے لیئے ہر گونہ راحت کا سامان مہیّا کر دیا جاتا ہے۔ پھر ناگہانی مصیبت ڈال کر فنا کر دیا جاتا ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝ (انعام پ۷ ع۵)

ہم نے تم سے پہلے بعض اقوام کی طرف ہدایت بھیجی اور نافرمانی کی وجہ سے انکو اندیشوں اور آفتوں میں پکڑ لیا تاکہ عاجزی کریں۔ اُنھوں نے بلاؤں کو دیکھ کر کیوں عاجزی نہ کی اُنکے دل سخت ہو گئے تھے اور شیطان نے انکے اعمال کو اُن کی نظر میں خوب صورت بنا دیا تھا۔ پس جب وہ ہماری عبرتوں کو بھول گئے تو ہم نے اُن پر ہر طرح کے عیش کا دروازہ کھول دیا۔ حتّٰی کہ جب وہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کا لطف اٹھا کر خوش ہو گئے تو ہم نے دفعتًہ پکڑ لیا پھر اُنکے لیے کوئی امید باقی نہ رہی۔

بہتر انقلاب | نکوکاروں کے لیۓ رنج و آلام کی کیسی ہی شدّت ہو تباہی اور بربادی کا کوئی اندیشہ نہیں۔ انکو مایوس ہونے سے روکا گیا ہے اور تکلیف کی عمر خواہ کیسی ہی طویل ہو آخر میں صداقت پر کامیابی کی نوید دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف پ۱۳ ع۱۰)

خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو خدا کی رحمت سے کفّار کے سوا کوئی ناامید نہیں ہوتا۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (اٰل عمران پ۴ ع۱۴)

نہ سستی کرو نہ غمگین ہو۔ تم ہی بلندی حاصل کروگے بشرطیکہ مومن رہو۔

انقلاب اور فنا | جو قوم ہلاک کردی جاتی ہے خواہ اُسکے افراد زندہ رہیں۔ اُسکے لیئے عروج کا موقع نہیں۔ ارشاد ہے:

وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ○ (انبیا پ ۱۷ ع ۷)
جس بستی کو ہم نے ہلاک کردیا اسکے لیئے زیست حرام کردی وہ واپس نہ آئیں گے۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ○ (یٰس پ ۲۳ ع ۲)
کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ جن اقوام کو ان سے پہلے ہلاک کیا گیا ہے وہ واپس نہیں آئے۔

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ (ص پ ۲۳ ع ۱)
ہم نے ان سے پہلے کئی قومیں ہلاک کی ہیں پس وہ پکارتی پھریں کوئی جائے پناہ نہ ملی۔

باب دوم

اقوام عالم پر نظر

اصول اور واقعات کی تطبیق۔ مصر کی قدامت۔ مصر کی قدیم تاریخ۔ مصر کا مذہبی انقلاب۔ مصر کی اسلامی تاریخ۔ اسلامی حکومت کا اثر۔ مصر پر اہل یورپ کا نفوذ۔ مصری عروج و زوال کا اندازہ۔ مصری قومیت۔ چین کی قدیم تاریخ۔ چینی عروج و زوال کا اندازہ۔ تاریخ ایران۔ تاریخ ہند۔ تاریخ یونان۔ یونانی عروج و زوال کا اندازہ۔ تاریخ روم۔ رومی عروج و زوال کا اندازہ۔ تاریخ فنیقیہ۔ تاریخ بابل و نینوا۔ بے وطن قومیں۔ تاریخ بنی اسرائیل۔ تاریخ گاتھ۔ تاریخ قوم ہن۔ ترکوں کی تاریخ۔ مغلوں کی تاریخ +

اصول اور واقعات کی تطبیق | یہ تمام اصول جو قرآن کریم سے اخذ کیئے لیئے ہیں اور جنکے مطابق بتایا گیا ہے کہ حالات کبھی جلد بدلتے ہیں اور کبھی دیر میں اور جو دیر میں بدلتے ہیں اُنکے لیئے ہزار سال کی جو آخری میعاد مقرر کیگئی ہے واقعات عالم سے اسکی تصدیق کی جاتی ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ دنیا کی مختلف اقوام کو ایک حالت پر قائم رہنے کے لیئے کس کس قدر

مہلت دی گئی ہے۔

سرزمین مصر

مصر کی قدامت جن ممالک کے حالات آجتک معلوم ہوسکے ہیں ان میں مصر کا تمدن سب سے قدیم ہے اور اس کا تاریخی زمانہ سب سے زیادہ طویل۔ جس وقت سے اس ملک کے حالات معلوم ہوسکے ہیں اسکا اندازہ مسٹر میرٹ سنہ ۵۰۰۴ ق م اور پروفیسر لیپسس سنہ ۳۸۹۲ ق م قرار دیتے ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ اُس وقت سے پہلے کم از کم چار ہزار سال عہد خوشحالی اور روشن خیالی کے گزرے ہونگے جنکے بعد مصر کی تہذیب اُس درجے تک پہنچ سکی ہے جو معلوم زمانے کی ابتدا میں تھا۔ مذکورہ بالا دونوں اندازوں میں سے پروفیسر لیپسس کا اندازہ قرین قیاس سمجھا گیا ہے اور اسی پر اعتماد کیا گیا ہے تو کہا گیا ہے کہ سنہ ۳۴۰ ق م میں مصر کی اپنی قومی خود مختار سلطنت اور فراعنہ مصر کی شاہنشاہی تین ہزار سال کے بعد ختم ہوئی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس مبالغہ میں حقیقت واقعیہ کہانتک ہو اور تین ہزار سال کے عرصے میں مصر کو کس قدر انقلابوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

مصر کی قدیم تاریخ وہ چار ہزار سال جو تاریخی زمانے سے پہلے خوشحالی اور روشن خیالی کے فرض کئے گئے ہیں چونکہ اُن کا حال کچھ بھی معلوم نہیں اسلئے اس وقت کے انقلابوں کا بھی کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا۔ تاریخی زمانے میں فرعونی حکومت کے آخر تک تیس۳۰ خاندان حکمراں ہوئے ہیں۔ ان میں سے پہلے دس۱۰ خاندانوں کی حکومت تمام ملک مصر پر قائم نہیں ہوئی۔ پہلے مختلف علاقوں کے مختلف فرمانروا تھے۔ پھر مصر بالائی اور زیریں دو۲ حصوں میں تقسیم ہوا اور دونوں میں جدا جدا حکومتیں قائم ہوئیں جو ہمیشہ باہم برسر پیکار رہیں۔ کبھی دونوں کا ایک بادشاہ ہوا ہے جب بھی باہمی افتراق اور مخالفت کا یہ اثر رہا ہے کہ دونوں حصوں کے لئے وزیر علیحدہ، خزانہ علیحدہ اور تمام انتظام الگ الگ

رہا ہے۔ گیارھواں اور بارھواں خاندان بترتیب سنہ ۲۳۲۲ ق م اور سنہ ۲۳۰۰ ق م میں حکومت شروع کرتا ہے تو اقبال کی یاوری جسکو تمام مصر پر فرمانروائی بخشتی ہے۔ اُسوقت کی خوشحالی اور برتری کی بہت سی یادگاریں قائم ہیں اور مصر کو برتری دکھانے اور دیگر ممالک سے اپنی سیادت منوانے کے موقعے پہلی بار انہی دو خاندانوں کی حکومت میں حاصل ہوئے ہیں۔ مگر بارھواں خاندان سنہ ۲۳۱۲ ق م میں ختم ہوتا ہے تو مورخ جوسفس کے اندازے سے ملک پانچ سو گیارہ سال کے لئے اغیار کے قبضے میں چلا جاتا ہے اور دنیاروں کی شہادت ثابت کرتی ہے کہ یہ عرصہ چار سو سال کا ہے جو سنہ ۱۷۰۰ ق م پر ختم ہوا۔ اس عرصے میں ایشیا کی طرف سے یکے بعد دیگرے چند خاندان حملہ آور ہوکر حکومت کرتے رہے جنکا پہلا پیشہ گلہ بانی تھا۔ اسلئے یہ بادشاہ گڈریئے بادشاہ کہلاتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام انہی بادشاہوں میں سے ایک کے زمانے میں تھے جسکا نام اسرائیلی روایتوں میں ریان اور مورخین کے خیال میں اپافس ہے۔ مصر کا یہ دستور کہ بادشاہ کے علاوہ وزیروں اور گورنروں کا عہدہ بھی موروثی منصب ہوتا تھا۔ سنہ ۲۹۸۰ ق م سے چلا آتا ہے اُس وقت ایک آفتاب پرست بادشاہ زوسر نام فرمانروا تھا۔ اس قانون کے رو سے حضرت یوسف علیہ السلام اپنے پالنے والے عزیز مصر کے جانشین مانے گئے اور وزیر ہوکر عزیز مصر کہلائے۔

سنہ ۱۵۸۰ ق م یا سنہ ۱۶۰۰ ق م میں پھر ایک مصری خاندان کو عروج ہوا۔ یہ شمار میں اٹھارواں خاندان ہے۔ اسوقت سے مصر کو شاہنشاہی نصیب ہوتی ہے اور ہر قسم کی برتری کا دروازہ کھلتا ہے۔ توتنخ آمون اس خاندان کے آخری بادشاہوں میں ہے جسکا مقبرہ زمانہ حال میں کھودا گیا ہے۔ اور بیشمار عجائبات برآمد ہوئے ہیں۔ یہ خاندان قدیم دنیا میں سب سے زیادہ ثروت اور فوجی قوت رکھتا تھا۔ اس خاندان کے بعد یکے بعد دیگرے تین مصری خاندان بڑی عظمت وشان سے حکومت اور کشور کشائی کرتے رہے ہیں۔ عیسیٰ جنکی فتوحات کا

سیلاب ہندوستان کو بھی ڈبو چکا ہے انیسویں خاندان میں تھا۔ سنہ ۹۶۱ قم میں بامیوال خاندان فرمانروا ہوا جو لیبیا والوں کا تھا مگر یہ لوگ مذہب اور تمام طور و طریق میں مصری بن گئے تھے۔ پھر سنہ ۷۰۰ ق م میں ایتھی اوپیا والے مسلط ہو گئے۔ سنہ ۶۷۰ ق م میں اسیریا والوں نے مصر کو تہ و بالا کیا۔ سنہ ۶۶۳ ق م میں بیرونی حکومت سے نجات ملی تو پھر ملکی حکومت اور اسکی کشورکشائی کا آغاز ہوا۔ سنہ ۶۱۲ ق م میں مصریوں نے نینوا پر تصرف کیا مگر سنہ ۶۰۵ ق م میں بخت نصر نے جو اسوقت شہزادہ تھا اپنے باپ کے حکم سے یورش کی اور فرعون مصر کو شکست دے کر خون کے دریا بہائے۔ اس بے دردہ بادشاہ کے قتل کرنے کا ڈھنگ بھی نرالا تھا قیدیوں کی کھال نشتروں سے چیر کر زخموں کے بیل بوٹے بنائے جاتے تھے اور انہی کو گھر اکر تے کرتے دل و جگر تک پہنچایا جاتا تھا۔ اس بلا سے نجات ملی تو سنہ ۵۲۵ ق م میں کیخسرو شاہ ایران کے بیٹے ارجاسپ نے مصر کو فتح کیا اور فرعونی حکومت کی قوت و عظمت کو ہمیشہ کیلئے فنا کر دیا۔ اس حملے کے بعد بھی مصریوں کے تین خاندان یکے بعد دیگرے ایرانیوں کا مقابلہ کرتے رہے مگر اس زمانے میں جسقدر مدافعت کیگئی ہے اسمیں یونانیوں کی اور دیگر بیرونی اقوام کی مدد تھی مصری قوم میں مقابلے کی تاب نہ رہی تھی۔ آخر سنہ ۳۴۳ ق م میں دارائے ایران نے اس باقی ماندہ قوت کو بھی فنا کیا اور فراعنہ مصر کا نام صفحہ ہستی سے مٹایا۔ پھر سکندر اعظم نے ایران کو دبایا تو سنہ ۳۳۲ ق م میں مصر پر بھی تصرف کیا۔ سکندر کے بعد مصر پر مقدونوی حکومت تین سو پانچ (۳۰۵) سال رہی ہے مگر سو سال کے بعد کمزور ایسی ہو گئی تھی کہ سنہ ۲۰۰ ق م میں روما والوں سے مدد لینی پڑی۔ زبردست سے مدد مانگنا ہمیشہ زوال کا باعث ہوتا ہے۔ روما کی جمہوری سلطنت نے ہر طرف چھاونیاں ڈالکر مقدونوی حکومت کو اپنی سیادت میں لے لیا اور سنہ ۳۰ ق م میں مصر کو براہ راست روما کا ایک صوبہ بنا دیا۔

مصر کا مذہبی انقلاب عیسوی مذہب کے مصر میں داخل ہونے کا زمانہ تحقیق نہیں۔ یہ معلوم ہے کہ سنہ ۱۹۴ء میں مصر کے اندر عیسائیوں پر بہت مظالم توڑے گئے اور یہ بھی ثابت

ہوتا ہے کہ عیسائیت مصر میں اگرچہ بہت ہی جلد ہر دلعزیز ہو گئی ہے اور پھر جلد ہی عیسائیوں کا یونانی فرقہ، اسکندریہ کا فرقہ اور دیگر مصری عیسائیوں کا فرقہ پیدا ہو گیا ہے اور مصری قدیم مذہب ایسا کمزور ہو گیا ہے کہ اسکے مندر گرجوں میں تبدیل ہونے لگے ہیں۔ رومائی جابرانہ حکومت وحشی اقوام کے پیہم حملے اور مصری قوم کے اندر سے قومی احساس اور جنگ آورانہ جذبہ کا فنا ہونا اور آخری زمانے میں رومیوں اور ایرانیوں کے معرکہ ہائے جنگ کا مصر تک پہنچنا جس قدر مصریوں کو کمزور اور مصیبتوں میں مبتلا کرنے کا باعث ہوا ہے اس سے زیادہ مسیحی فرقوں کی کثرت اور انکے باہم گروہ وحشیانہ جنگ و پیکار نے مصریوں کو پریشان کیا ہے حتے کہ جب ۶۳۹ء میں مصر پر مسلمان حملہ آور ہوئے ہیں تو مصری عیسائیوں نے انکو خوش آمدید کہا ہے اور انکے مددگار ہو کر مصر کو رومیوں کی ظالم حکومت سے نجات دلائی ہے۔

مصر کی اسلامی تاریخ ۸۶۸ء میں احمد بن طولون مصر کا گورنر برائے نام خلافت کے ماتحت اور حقیقت میں خود مختار فرمانروا ہوا اور دمشق حمص حلب وغیرہ بیرونی بلاد کو تصرف میں لایا۔ ۹۰۵ء میں اسکا خاندان معدوم ہوا اور اٹھائیس سال خلافت کے ماتحت رہ کر ۹۳۳ء میں مصر پھر ابوبکر محمد اخشیدی کے ماتحت خود مختاری کا مزا لینے لگا اور شام کا ملک اسکا صوبہ بنا۔ ۹۶۹ء میں چوتھے فاطمی خلیفہ المعز لدین اللہ کی حکومت ہوئی۔ شہر قاہرہ اور جامع ازہر اسی بادشاہ کی یادگار ہیں اس خاندان کا آخری بادشاہ العاضد لدین اللہ تھا۔ ۱۱۶۹ء میں صلاح الدین ایوبی اسکا وزیر ہوا اور چار سال کے بعد العاضد کے مرنے پر خود مختار بادشاہ بنا۔ ایوبی خاندان کا آخری بادشاہ ملک الصالح ۱۲۴۹ء میں فوت ہوا اور اسکا ترکی غلام ایبک ملک الاشرف کے نام سے غلاموں کے پہلے خاندان کا بانی بنا۔ یہ خاندان ۱۳۸۲ء میں ختم ہوا اور ملک الظاہر سیف الدین ابو سعید برقوق کے وقت سے غلامان سرکیشیا حکمران ہوئے ۱۵۱۷ء میں سلیم سلطان روم نے خاندان غلامان کو زیر کیا اور مصر سے مسلمان خود مختار

بادشاہوں کی حکومت معدوم ہوئی۔

اسلامی حکومت کا اثر مصر مسلمانوں کے قبضے میں آیا ہے تو دو سو سال تک گورنروں کے ماتحت رہا۔ ادھر خلافت میں پیہم انقلاب آتے رہے مصر کی حالت کچھ زیادہ درست نہیں ہو سکی۔ پھر بھی طولونی اور اخشیدی خاندان کے عہد میں جو گورنروں کا زمانہ شمار ہوتا ہے بقول مورخین یورپ "مصر کو مسلمانوں کی روشن خیالی سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملنے لگا۔" فاطمی خلفاء کے زمانے میں گزشتہ خوشحالی بڑی حد تک واپس آگئی۔ ایوبی خاندان کے ماتحت بھی سے بڑی فوجی شان و شوکت اور کشور کشائی کی عظمت جو حاصل ہو سکتی تھی ہوئی اور ہر دو خاندان غلاماں کے ماتحت جسقدر مدارس اور کتب خانے اور مختلف قسم کی شاندار عمارتیں مصر میں تیار ہوئی ہیں اور جیسے جیسے علماء و فضلاء اس سرزمین سے اُٹھے ہیں ظاہر کرتے ہیں کہ ملک خوش حالی اور خوش انتظامی کے اعلیٰ درجے تک پہنچ گیا تھا اور جنگ آوری اور فتح نصیبی میں بھی مملوک خاندان کے بعض بادشاہ خود سلطان صلاح الدین پر فوقیت رکھتے تھے۔

مصر پر اہلِ یورپ کا نفوذ سلاطین عثمانیہ کے عہد میں مصر کے تمام عہدے خاندان غلاماں کے ہاتھ میں رہے اور انھوں نے اور دو سو سال تک حکومت کا لطف اُٹھایا اور بداقبالی کا جو خاصہ ہے وہ بھی ظاہر کیا یعنی آپس میں فساد کرتے رہے اور کمزور ہوتے گئے۔ ادھر عثمانی سلطنت پر بھی زوال آتا گیا۔ روس کی جنگ سے جو ۱۷۷۴ء میں ختم ہوئی ہے عثمانی سلطنت بہت ہی کمزور ہو گئی تھی۔ مصر کی طرف توجہ نہ کر سکتی تھی نپولین کو موقع ہاتھ آیا اور اس نے ۱۷۹۸ء میں مصر پر حملہ کر دیا تین سال تک متصرف رہا۔ ۱۸۰۱ء میں انگریزوں ترکوں اور غلاموں کی متحدہ فوج نے فرانس والوں کو مصر سے نکالا۔ محمد علی پاشا البانیہ کا رہنے والا فرانس والوں کی جنگ میں ایک ماتحت افسر ہوکر اور البانی دستے کو لیکر مصر میں آیا تھا وہ مصر میں رہا اور غلاموں کے باہمی طویل فتنہ و

فساد کے بعد سنہ ۱۸۰۶ء میں مصر کا گورنر قرار پایا۔ محمد علی نے غلاموں کی قوت کو نہایت بے رحمی سے پامال کیا۔ اُنکے رئیسوں کو دعوت کے بہانے سے بلایا اور فوج کو حملہ کرنے کا حکم دیا ۴۷۰ کی تعداد تھی جن میں سے چند جان بچاکر بھاگ سکے۔ نیز محمد علی نے وہابی قوت کو دبانے کے لیئے کئی بار عرب پر حملہ کیا اور عبدالوہاب اور اُسکے جانشین عبداللہ کو زیر کیا۔ نیز شام پہ حملہ آور ہوکر فتح پائی اور اس مہم میں سلطان روم سے بگاڑ ہوا تو اسکے بیٹے ابراہیم پاشا نے ترکی فوج سے جو رشید پاشا وزیر اعظم کی قیادت میں تھی مقابلہ کیا اور فتحیاب ہوکر قسطنطنیہ کی طرف بڑھا۔ قسطنطنیہ خشکی اور تری کے رستے سے چھ منزل کے فاصلے پر رہ گیا تھا اور رستے میں کوئی ترکی فوج حائل نہ تھی۔ ان دنوں میں عثمانی سلطنت ایسی کمزور ہو چکی تھی کہ اُس کو اپنے موروثی دشمن روس سے مدد لینی پڑی تو صلح ہوئی اور ایک معین خراج کی شرط پہ ملک شام محمد علی کے تصرف میں رہا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۸۳۳ء کا ہے۔ سنہ ۱۸۴۱ء میں انگریزوں نے مداخلت کی اور شام کا علاقہ ترکی کو واپس دلایا۔ محمد علی نے ادھر سے مایوس ہوکر اپنی ہمت مصر کے انتظام میں مصروف کی اور ایسا امن قائم کیا کہ اُس زمانے میں مغربی یورپ سے باہر صرف مصر ہی دنیا کا ایسا خطہ تھا جسکے تمام اطراف میں سیاح نہایت اطمینان کے ساتھ سفر کرسکتا ہو۔ محمد علی کا لائق بیٹا ابراہیم جو سلطان روم کی منظوری سے اسکا جانشین قرار پایا تھا اُسکے سامنے مرگیا محمد علی کے بعد دو تین جانشین نالائق ثابت ہوئے پھر تیسرا جانشین اسمٰعیل پاشا جو محمد علی کا بیٹا تھا ایسا روشن خیال اور مدبر خدیو نکلا کہ ٹرکی نے اسکی عزت افزائی کی اور قریب قریب خود مختار کردیا۔ سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظمیٰ میں اس خاندان کا باختیار خدیو عباس حلمی پاشا تھا جو ترکوں کا طرفدار ہوگیا اور انگریزوں نے اسکو معزول کرکے مصر کو اپنی سیادت میں لے لیا۔ آجکل انگریزوں کی نگرانی میں ایک خدیو حکمراں ہے اور مصری قوم آزادی کے لیئے پیچ و تاب کھارہی ہے۔

مصری عروج و زوال کا اندازہ | یہ تمام تاریخ مصر کا خلاصہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے

کہ تاریخی زمانے کے ابتدائی ڈیڑھ ہزار سال گوناگون انقلابوں کی نذر ہوتے رہتے ہیں کبھی ایک حصے کو غلبہ حاصل ہوتا ہے کبھی دوسرے کو اور جو حصہ مغلوب ہوتا ہے وہ گوناگوں مصائب میں مبتلا رہتا ہے کبھی گرد و نواح کی وحشی قومیں تمام ملک کو تہ و بالا کر دیتی ہیں اور کبھی بھلے دن آتے ہیں تو کسی ایک بالادست کے ماتحت سب حصے امن کا لطف بھی حاصل کر لیتے ہیں گیارھویں خاندان کے وقت سے مصر تین سو سال کیلئے اقبالمندی کے جھولے میں جھول کر پھر پانسو یا چار سو سال کے لئے اغیار کا شکار بن جاتا ہے اٹھارھویں اور مابعد کے خاندانوں کے خوش نصیب فرمانروا فتحیابی کے نشان اُڑاتے ہوئے دور تک پھیل جاتے ہیں تو ساڑھے چھ سو سال تک اغیار کو مصر کی طرف دیکھنے نہیں دیتے اور لیبیا والوں کی حکومت کو جو مصری اطوار و حالات کے خوگیر ہوگئے تھے اگر مصر کی قومی حکومت میں شامل کیا جائے تو اِس دفعہ قومی حکومت آٹھ سو سال کی عمر پاتی ہے پھر ان کا ستارہ غروب ہوتا ہے تو ڈیڑھ سو سال کے بعد ایتھی اوپیا اور اسیریا والوں سے مخلصی پاکر ایک سو اڑتیس سال تک آرام کا سانس لیتے ہیں مگر اس اثنا میں بھی ایک دفعہ بخت نصر کے ہاتھ سے سخت ترین مصیبت جھیلنی پڑتی ہے سنہ ۵۲۵ ق م میں ایرانیوں کا سیلاب ایسا آتا ہے کہ اگرچہ سنہ ۳۳۲ ق م تک یعنی دو سو سال کامل مصری برابر ہاتھ پاؤں مارتے رہے مگر اقبال نے یاوری نہ کی اور اُس وقت سے آج کے دن تک مصر مصریوں کا نہ بن سکا بلکہ کچھ عرصے کے بعد وہ قدح ہی ٹوٹ گیا اور وہ ساقی ہی نہ رہا یعنی مصریوں کا مذہب نابود ہوگیا۔ قومی احساس معدوم ہوگیا اور فرعونی حکومت کا فخر ہی جاتا رہا۔

مصری قومیت

آجکل عیسائی ہوں یا مسلمان مذہبی گرفت سب پر ڈھیلی پڑ گئی ہے تو قومیت کی آواز مختلف ممالک سے بلند ہونے بھی لگی ہے مگر وہ زمانہ ایسا نہ تھا اُس وقت ایک ہی مذہب کے دو فرقے ہو جاتے تھے تو قومیت کے پاس و لحاظ سے بیگانہ ہو کر ایک دوسرے کا خون بہانے لگتے تھے۔ بُت پرست مصری عیسائی اور پھر مسلمان ہوگئے تو خود مندروں کو گرا کر گرجے اور گرجوں کی مسجدیں بنانے لگے۔ اِس حال میں فراعنہ مصر کی عظمت شان کیا یاد رہ سکتی تھی

اور اُسکو واپس لانے کا جذبہ کیونکر پیدا ہو سکتا تھا اور جب کوئی قوم مُردہ ہو جائے تو چاہے لاکھ برس گزر جائیں وہ زندہ نہیں ہو سکتی۔ مگر ہاں مصر کا ملک موجود ہے اور وہ آجتک خدائی قانون کے مطابق مختصر مدتوں میں انقلاب کی منزلیں طے کیئے جاتا ہے۔ اس نے دو سو سال تک ایرانیوں کی وحشیانہ حکومت میں طرح طرح کے مظالم برداشت کیئے پھر انقلاب ہوا تو یونانیوں نے کچھ مدت آرام سے رکھا۔ اُنکے مذہب کی عزت کی اور خود اکثر حالات میں مصری بن گئے۔ جلد ہی رومانوالے آدھمکے یہ لوگ ماتحت ممالک کا خون چوسنے کے سوا کچھ نہ جانتے تھے اور تمام دنیا کے زر و مال سے اپنے ملک اور بالخصوص اپنے دار الخلافہ کو بھرنا چاہتے تھے اُنکے وقت میں ٹیکسوں کی بھرمار نے امیر غریب سب کا کچومر نکال دیا۔ اسی اثنا میں ایک انقلاب اَور ہوا کہ ملک عیسائی ہو کر مختلف مذہبی فرقوں میں بٹ گیا۔ حکومت مال و دولت مانگتی تھی تو مختلف فرقے ایک دوسرے کی جان لیتے تھے۔ ان تمام مظالم کا انسداد پانسو سال کے بعد مسلمانوں نے کیا۔ ٹیکس کی معین مقدار دیکر فوجی خدمت سے آزاد ہوئے اور ہر فرقے پر اُسی کے مقتدا حکومت کرنے لگے۔ مسلمان گورنروں کی حکومت میں اگرچہ طولونی اور اخشیدی زمانہ بھی با برکت تھا مگر دو سو سال کے بعد مصر کو خود مختار حکومت میسر آئی تو ساڑھے پانسو سال تک مصر والے فرعونی عظمت و شان کو یاد کرتے بھی تو نہ کر سکتے ☆ عثمانی ترک متصرف ہوئے تو تین سو سال کے قریب پھر مصر والوں پر مصیبت رہی۔ کچھ تو اسلیئے کہ سلطنت غیر تھی اور باہر کر

☆ ہاں مگر یاد رہے کہ یہ مسلمانوں کا عہد ہے جس کی تاریخ ایک ایک دن کے حالات قلمبند کرتی رہی ہو اور کوئی راحت ہو کوئی رنج ہو ہر واقعہ صاف صاف تحریر میں آچکا ہے۔ ہر کوئی دم کی نظر سے گذرتا ہے۔ اُدھر فرعونی بادشاہوں کی تاریخ صرف اسیقدر معلوم ہو سکی ہے جو میناروں اور مختلف عمارتوں پر کندہ ہے۔ دیکھنے والا اسوقت کے حالات میں صرف یہی معلوم کر سکتا ہے کہ فلاں خاندان با اقبال تھا فتحیاب تھا اور فلاں وقت میں زوال آیا۔ مگر مسلمانوں کے وقت میں اقبالمندی کی جو فتحیابی کی تفصیلیں اور اُنکے ذرہ ذرہ نشیب فراز نظر آتے ہیں۔ ادبار کے وقت میں جو مصیبتیں آتی ہیں اور جس قدر خونریزیوں یا عیاریوں کے ساتھ اقبال والے ادبار والوں کو فنا کرتے ہیں سب کا نقشہ پیش نظر آجاتا ہے اور دیکھنے والا بے پروائی سے دیکھے تو کہہ سکتا ہے کہ جس قدر بلائیں اور آفتیں بعد کے زمانوں میں آتی رہی ہیں قدیم زمانوں میں ان کا نشان نہ تھا حالانکہ یہ غلط ہے حالات یکساں طور پر رہتے ہیں اور آفتیں ہمیشہ آتی رہتی ہیں لیکن قدیم زمانوں میں مفصل لکھنے والے نہ تھے۔

حکومت کرتی تھی اور بیشتر اسلیئے کہ ملک کے صاحب اثر افراد کمینہ بن گئے تھے اور خود غرضیوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹) لوگوں کو اطلاع نہ ہوتی آیندہ زمانوں میں ایک صدی میں بیسیوں لکھنے والے اپنے وقت کے چشم دید حالات قلمبند کرتے رہے ہیں۔ کتاب کے چند صفحوں پر جو تھوڑی دیر میں دیکھے جاتے ہیں سالہا سال کے حالات صف بستہ نظر آتے ہیں دیکھنے والا ایک جلے میں امن کا ذکر دوسرے میں خوں ریزی کا بار بار دیکھتا ہے اور اسکے دل پر امن سے زیادہ خونریزی کا ذکر اثر کرتا ہے تو زمانے کو انہی حالات سے معمور سمجھ لیتا ہے۔ ورنہ زمانہ فرعونی ہو یا سلطانی ممکن نہیں کہ ایک خاندان میں بہت عرصے تک ایک ہی قسم کے روشن خیال اور قابل افراد پیدا ہوتے رہیں اور جب لائقوں کے بعد نالائق پیدا ہونے لگتے ہیں تو ممکن نہیں کہ اُن کے وقت میں پہلا سا امن انتظام بحال رہے اور جب انتظام میں خلل آجائے تو ممکن نہیں کہ شریر اور بدباطن افراد فساد نہ پھیلائیں اور ممکن نہیں کہ جو قابل افراد اُس ملک میں یا اسکے گرد و نواح میں ہوں اس حالت کو دیکھکر اپنے اثر اور رسوخ سے کام نہ لیں اور جب قابل افراد اپنا تسلط جمانے کے لیئے اُٹھیں تو ممکن نہیں کہ صاحبان اقتدار چاہے کیسے ہی نالائق ہوں اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیئے ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں اور اس طرح پر بدامنی کے زمانے میں شریروں کے ہاتھ سے اور مقابلے کے وقت حملہ آوروں کے ہاتھ سے ممکن نہیں کہ خونریزی اور قتل و غارت کا بازار گرم نہ ہو اور انقلاب کی وجہ سے اہل ملک زیر و زبر نہ ہوں۔ یونہی ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا یہ قانون قدرت ہی جس کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

البتہ شخصی حکومتوں کی نسبت جمہوری نظام میں کسیقدر پائداری زیادہ ہے کیونکہ انتخاب سے قابل دل و دماغ میسر آتے رہتے ہیں۔ مگر ایک تو جمہوری انتظام تہذیب کے خاص درجے میں پہنچکر سرسبز ہوتا ہے جبکہ قوم میں قابل افراد کی کثرت ہو اور عوام الناس میں قابل افراد کو منتخب کرنے کی صلاحیت ہو یہ کیفیت نہ ہو تو جمہوری انتظام بھی قباحتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ اور بالآخر نظام بدلنا پڑتا ہے۔ ایران میں کئی طرح کی کوششیں ہوئیں آخر رضا شاہ کی شاہی پر انحصار کرنا پڑا۔ البانیا ایک عرصے تک جمہوری نظام قائم رکھنے کے بعد لوا ئے شاہی کے نیچے آیا۔ قدیم زمانے میں روما والوں نے بھی جمہوریت کا تجربہ کیا اور نباہ نہ سکے۔ ہمارا اسلامی نظام حکومت خود جمہوریت اور شاہنشاہی کا جامع تھا۔ ایک با اختیار حاکم کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے مگر اسکو موروثی منصب نہیں بنایا گیا اور حکم دیا گیا ہے کہ وہ مشورے کے ساتھ کام کرے لیکن اگر کبھی اسکی بصیرت کوئی خاص راستہ دیکھ پائے تو پھر خدا پر توکل کرے۔ شاہی اختیارات کو کام میں لائے اور اپنی رائے کے مطابق کر گذرے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس اختیار کی بنا پر باوجود اختلاف رائے کے اہل ارتداد سے جنگ کرنے کی ٹھان لی اور تجربے نے ثابت کیا کہ انہی کی رائے صحیح تھی (وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ط۔ مشورہ کرو مگر جب پختہ ارادہ ہو جائے تو توکل بخدا کر گذرو) یہ نرمی اور گرمی کا سمویا ہوا انتظام بھی ایک ہی مبارک نسل میں کامیاب ہوا۔ آیندہ نسلیں چونکہ اہلیت نہ رکھتی تھیں نظام خود بخود بدل کر کچھ کا کچھ ہو گیا۔ اب جو زمانے میں ہر طرف جمہوری نظام نظر آتا ہے یہ بھی جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش ہے قوموں کی زندگی میں ایک صدی اور دو صدی کا عرصہ کوئی وزن نہیں رکھتا اور نہیں کہا جاتا کہ اپنے حسن انتظام پر اترانے والے کل کونسی کروٹ لیں گے۔ دوسری قباحت یہ بھی ہے کہ جمہوری انتظام محض اپنی قوم کے لیئے برکت ہوتا ہے۔ ایسے نظام والے دیگر ممالک پر قبضہ رکھتے ہیں تو مطلق العنان بادشاہوں سے زیادہ خوفناک ہوتے ہیں۔ مطلق العنان بادشاہ ایک نسل یا دو نسلوں کے بعد کمزور اور فنا بھی ہو سکتا ہے۔ اہل جمہوریت قابل سے قابل افراد مہیا کرتے رہتے ہیں اور ماتحتوں کا خون چوستے رہتے ہیں۔

سے اہل ملک اور اپنے آپ کو تباہ کر رہے تھے۔ محمد علی پاشا کے وقت سے حالات بدلے اگرچہ یہ حاکم اور اسکے جانشین بھی بہت اعلیٰ اوصاف نہ رکھتے تھے اور اُدھر اہل یورپ نے اپنی اغراض کے لیئے مصر پر دانت تیز کرنے شروع کر دئے تھے مگر تاہم کچھ عرصے کے بعد ملک میں امن قائم ہو گیا اور لوگ آرام کا سانس لینے لگے۔ اور خوش حالی ہی کی علامت ہے کہ مصر والوں کی نظر وسیع اور ارادے بلند ہو گئے ہیں اور ملک و قوم کی خدمت میں جاں نثاری کی مثالیں قائم کرنے لگے ہیں اور عنوان نظر آتے ہیں کہ پھر کوئی انقلاب رونما ہوگا۔

چین

چین کی تاریخ مصر کے بعد قدامت کے اندر چین کا درجہ ہے جسکے تاریخی واقعات سنہ ۲۳۵۶ ق م سے شروع ہوتے ہیں۔ یہ یاؤ خاندان کا زمانہ ہے اسکے بعد شن اور لُو اور ڈی اور کئی اور ناقابل ذکر بادشاہ فرمانروائی کرتے ہیں۔ سنہ ۱۷۶۶ ق م میں شنگ خاندان کا پہلا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے۔ یہ خاندان بھی نالائق ثابت ہوتا ہے تو چاؤ خاندان کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) نوعِ انسانی اخلاق کے اس درجے تک خدا جانے کب پہنچے گی کہ خویش و بیگانہ سب کے ساتھ مساوات کا سلوک رکھے اور موقع پاکر خود غرضی سے کسی کا حق نہ دبائے۔

غرض انتظام جمہوری ہو یا شخصی دنیا ایک حالت پر کبھی قائم نہیں رہ سکتی اور دیر میں یا جلد لیاقت کے بعد نالائقی امن کے بعد فساد اور راحت کے بعد رنج کا دور ضرور آتا ہے اور انتظام کی خوبی قانون قدرت کو نہیں بدل سکتی۔ بلکہ خوبیوں والے جب بدی کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں تو دانائی اور قابلیت کا سارا بھرم کھول دیتے ہیں اور تباہی و بربادی کے وہ تماشے دکھاتے ہیں جن سے جہالت اور بربریت بھی شرمندہ ہو۔ ہمارا ہی زمانہ ہے جس میں آئین حکومت اور قوانین ملک رانی کی برتری پر فخر کیا جاتا ہے اور ہمارا ہی زمانہ ہے جبکہ چوٹی کی مہذب اقوام نے سنہ ۱۹۱۴ء میں ایک ذراسی بات پر اپنے دیرینہ کینوں اور عداوتوں کو زندہ کیا تو سمندروں میں آگ لگا دی۔ آسمان سے شعلے برسائے۔ فضا کو زہریلی ہوا سے بھر دیا۔ بہشت کا نمونہ دکھانے والے ممالک کو دوزخ بنا دیا اور قصوروار کے ساتھ بے قصور اور انسان کے ساتھ چرند و پرند سب کو بھون ڈالا اور نہ صرف ان ملکوں میں جہاں جنگ کا بازار گرم تھا بلکہ جو جو ممالک ان خداوندان تہذیب کے زیر حکومت تھے اُن میں ہر طرف بیواؤں کی فریادیں سنی جاتی تھیں یتیموں کے افسردہ چہرے دیکھنے میں آتے تھے۔ تہذیب کے علمبرداروں نے چار سال متواتر ہلاکت آفرینی کا وہ منظر دکھایا جو دنیا نے وحشی اقوام کے ہاتھ سے کبھی نہیں دیکھا تھا اور پھر بغیر کسی بہتر نتیجے کے اسکو اُسوقت ختم کیا جبکہ سب تھک کر چور ہو گئے تباہی آئی تو غریبوں پر۔ غلام بنایا گیا تو کمزوروں کو۔ زبردست اپنی اپنی جگہ سے ہلے نہیں بلکہ آیندہ اور بھی زیادہ خوفناک

نوبت آئی ہے۔ اس خاندان کا زمانہ خانہ جنگیوں کی کثرت کے سبب اور اسلیئے شہرت رکھتا ہے کہ اس خاندان کے بادشاہ مُوہ ونگ کے زمانے اور ۹۳۶ ق م میں پہلی بار تاتاریوں کا حملہ ہوا جنھیں پسپا کر دیا گیا مگر آیندہ کے لئے یہ قوم چین کے واسطے دائمی خطرے کا باعث بن گئی۔ چین کا مشہور بانی مذہب کانفیوشس اسی سلطنت کے اندر ۵۵۱ ق م میں پیدا اور ۴۷۹ ق م میں فوت ہوا۔ اس رہنما کو اپنی زندگی میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ ۲۵۵ ق م میں چاؤ خاندان ختم ہوتا ہے اور چاؤ سنگ ونگ تصرف کرتا ہے۔ اس خاندان میں چی ہوآنگ ٹی ۲۴۶ ق م میں تخت پر بیٹھتا ہے۔ چین کی اقبالمندی کا زمانہ اسی وقت سے شروع ہوتا ہے۔ یہ پہلا بادشاہ ہے جو تمام ملک چین کا شہنشاہ مانا گیا ہے۔ چین کی مشہور دیوار جو تاتاری حملوں کو روکنے کے لیے بنائی گئی ہے اور جو پندرہ سو میل تک خشکی اور تری میں یکساں پختگی کے ساتھ بنتی چلی گئی ہے اسی بادشاہ کی یادگار ہے۔ یہ دیوار ۲۱۴ ق م میں شروع ہوئی اور اس بادشاہ کی وفات کے بعد تکمیل کو پہنچی۔ فتنہ و فساد سے دیر تک کوئی ملک محفوظ نہیں رہتا اور بالخصوص چین میں کمتر خاندان ہیں جو دو صدی سے زیادہ قائم رہے ہوں۔ اس بادشاہ کے مرنے پر بھی بغاوت ہوئی جس میں اُسکا تمام خاندان قتل کر دیا گیا مگر ملک ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو چکا تھا۔ ہَین خاندان جو اسکے بعد فرمانروا ہوا ہے اسکے ایک بادشاہ ووٹی نے ۱۲۱ ق م میں تاتاریوں کو کامل شکست دیکر انکے ملک پر تصرف کیا۔ اسوقت سے ۹۳ء تک اگرچہ خاندان بدلتے رہے مگر تاتاریوں سے متواتر جنگ ہوتی رہی اور اُنکو پورے طور پر ذلیل کیا گیا۔ مشرقی ہَین خاندان کے ایک بادشاہ سنگ ٹی کے زمانے اور ۶۵ء میں بدھ مذہب ہندوستان سے چین میں پہنچا۔ ۱۷۱ء میں چین کی مشہور وبا آئی جو گیارہ سال تک ملک کو تباہ کرتی رہی ساتھ ہی فتنہ و فساد کی آگ بھڑکتی رہی۔ ملک تین حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ۲۶۵ء میں پھر ایک بادشاہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) جنگ کے لئے پرپرزے سنبھال رہے ہیں۔ بیرحمی و سفاکی کے یہ نمونے دکھانے کے بعد اس زمانہ کی برکات پر قصیدہ خوانی ہوتی ہے تو اُن لوگوں کی تعریف کیوں ہو جو کسی نالائق یا ظالم بادشاہ کو زیر کرنے کے لئے ایک محدود حلقے میں چندروز کے لیے خونریزی کرتے تھے اور انتظام کو بہتر بنا دیتے تھے۔

ہوا۔ ۴۱۹ء میں لُٹن خاندان فرمانروا ہوا اور سو سال تک حکومت کرتا رہا۔ مگر ملک میں ابتری پھیلی رہی۔ شمالی حصّے میں چار خاندان یکے بعد دیگرے فرمانروا ہوئے جن میں دو چینی تھے اور دو بیرونی۔ جنوبی حصّے پر پانچ خالص چینی خاندان حکومت کرتے رہے۔ ۵۸۹ء میں سوئی خاندان کے ماتحت ملک پر ایک بادشاہ فرمانروا ہوا۔ ۶۱۸ء میں ٹنگ خاندان کا پہلا بادشاہ ٹی سنگ ایسا طاقتور ہوا ہے جس نے تمام سنٹرل ایشیا پر چین کا رسوخ قائم کیا اور بیرونی ممالک پر حکومت کی۔ اسکے دربار میں فارس۔ نیپال۔ بہار اور روم کے سفیر مبارکباد کو آئے۔ یہ خاندان علم پروری میں بھی شہرت رکھتا ہے اور طاقت میں بھی۔ ۹۰۷ء میں اسکا خاتمہ ہوا اور چینی حکومت کو زوال آیا۔ ترپن سال کے عرصے میں پانچ خاندان حکمراں ہوئے اور ملک کئی حصوں میں تقسیم ہوگیا اور ابتری نے یہانتک طول پکڑا کہ اس سے فائدہ اٹھا کر ۱۲۱۲ء میں چنگیز خان نے تمام ملک چین پر تصرف کرلیا۔ مغلوں کی حکومت ڈیڑھ سو سال رہی اور ۱۳۶۸ء میں ختم ہوئی۔ پھر چینی نسل کے منیگ خاندان کی بنیاد پڑی اور چُومین چنگ بادشاہ ہوا جس نے تاتار میں جاکر مغلوں کو شکست دی اور اسکے دربار میں بیرونی طاقتوں کے سفرا حاضر ہوئے۔ ۱۶۴۴ء میں تاتار کا منچو خاندان قابض ہوا۔ ۱۸۵۲ء میں پھر ٹین وانگ بادشاہ سے چینی خاندان کا آغاز ہوا۔ ۱۸۶۴ء میں پرانا شاہی خاندان دوبارہ متصرف ہوا جس نے انیسویں صدی کے اخیر پر مجبور ہوکر اپنے شاہی فرمان سے ملک کو جمہوری حقوق عطا کیے اور چین نے موجودہ صورت اختیار کی جس میں ابتری بھی ہے، آزادی بھی۔

چینی عروج و زوال کا اندازہ | چینی تاریخ کا یہ خاکہ دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ترقی اور تنزل کے مدارج جلد جلد بدلتے رہے ہیں تاہم ۲۴۶ ق م سے چین کا شاہنشاہی دور شروع ہوتا ہے اور درمیانی ہرج مرج کو نظر انداز کیا جائے تو یہ زمانہ ۹۰۷ء یعنی ساڑھے گیارہ سو سال تک قائم رہتا ہے اور ابتری کو جو ۴۱۹ء سے دو سو سال تک قائم رہی ہے شمار کیا جائے تو ترقی کا

پہلا زمانہ چھ سو پینسٹھ[۶۶۵] سال اور دوسرا تین سو سال کا طول اختیار کرتا ہی اور چنگیز خانیوں کو نکالنے کے بعد دوبارہ عروج حاصل ہوتا ہے تو پھر بھی تین[۳۰۰] سو سال ملتے ہیں اور دو سو سال کے لیۓ دوبارہ تاتاریوں کی حکومت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اِس عرصے کے بعد پچاس[۵۰] سال تک کمزور سلطنت ہی اور پھر جمہوریت۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

ایران

تاریخ ایران دنیا میں ایران کو بھی اپنی قدامت پر فخر ہے اور اس نے ایک طویل زمانے سے جس کا تاریخی ثبوت موجود نہیں اپنی شاہنشاہی کا ایک مسلسل فسانہ تصنیف کر رکھا ہی اور بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے تمام دنیا پر حکومت کی اور انسانوں کے علاوہ جن و پری اور چرند و پرند سے خدمت لی۔ سیکڑوں سال کی عمریں پائیں اور ایک ایک بادشاہ نے صدیوں تک حکومت کی۔ ان قصوں کو انہی کے طرۂ افتخار کے لیۓ موزوں سمجھ کر تاریخی زمانے پر انحصار رکھا جاۓ تو معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی سلطنت نے کیخسرو کے زمانے میں عروج پایا ہے۔ یہ بادشاہ ۵۵۸ء ق م میں تخت نشین ہوتا ہے بیرونی ممالک کو تسخیر کرتا ہے اور اس کا یا اقبال خاندان سوا دو سو[۲۲۵] سال بعد سکندر کے ہاتھ سے برباد ہوتا ہے۔ گیارہ سال کے بعد ۳۲۳ء ق م میں سکندر مرتا ہے تو اٹھانوے[۹۸] سال تک نہ جم کر یونانی حکومت کرتے ہیں نہ ایرانیوں میں جان پڑتی ہے۔ ۲۵۰ء ق م میں پارتھیا یعنی خراسان کی طرف سے ایک خانہ بدوش قبیلہ حملہ آور ہوتا ہی اور ایران پر حکومت کرنے لگتا ہے۔ اس خاندان کا حال صرف چینی سیاحوں کے سفرناموں سے معلوم ہوا ہے ورنہ ایرانی اور یونانی مورخ اس عرصے کو طوائف الملوک کا زمانہ کہکر خاموش ہو جاتے ہیں۔ پارتھیا والوں نے بادشاہوں کی سرزمین یعنی علاقہ فارس میں سکونت اختیار نہیں کی ورنہ اور سب طرح سے اور بالخصوص مذہب کے معاملے میں وہ پورے ایرانی بن گئے تھے۔ اس خاندان کو یا طوائف الملوکی کو ۲۲۶ء میں اُردشیر بابکاں نے دور کیا اور خالص ایرانی نسل کی شاہنشاہی کو دوبارہ

فروغ دیا۔ اس سلسلے میں یزدجرد اول جیسے ظالم نوشیرواں جیسے عادل۔ بہرام گور جیسے جفاکش اور قباد جیسے عیاش ہر قسم کے بادشاہ گزرے۔ جب تک قدرت کو منظور تھا کیانیوں اور ساسانیوں کا اقبال یاور رہا۔ فنا کا وقت آیا تو اس قدر عظیم الشان سلطنت جس کا مدمقابل روما والوں کے سوا دنیا میں کوئی نہ ہو سکتا تھا قادسیہ کے میدان میں ۶۳۶ء میں مسلمانوں کے ہاتھ سے ایسی گری کہ پھر نہ سنبھل سکی۔

ایران میں یہ کمال ہو کہ اگرچہ اس نے کشت و خون کے منظر بہت دیکھے ہیں اور اکثر بھائیوں کے ہاتھ سے بھائی ذبح ہوتے رہے ہیں مگر خاندان کو بدلنے کی مصیبت نہیں اٹھائی قدیم ترین فسانوں میں ایک ضحاک کا نام آتا ہے جس کو عربی النسل کہتے ہیں یا دارا کی شکست سے پانسو اکسٹھ (۵۶۱) سال تک یونانی اور پارتھیا والے حکومت کرتے رہے ہیں اسکے علاوہ پہلے بادشاہ کیومرث سے لیکر جس کا زمانہ معلوم نہیں کیخسرو کے وقت تک اور کیخسرو کے وقت سے سکندر کی فتحیابی تک دوسو پچیس (۲۲۵) سال اور آردشیر کے وقت سے جنگ قادسیہ تک چارسو نو (۴۰۹) سال ایک ہی خاندان ہی جو برابر حکمراں چلا آیا ہے۔ یا کم از کم ایرانی روایتوں نے ان تمام بادشاہوں کو ایک سلسلے میں منسلک کر چھوڑا ہے حقیقت کچھ بھی ہو ایرانیوں کو اپنے شاہی خاندان سے شغف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یا تو وہ اسی شخص کے آگے سر جھکاتے ہیں جو شاہان سلف کی نسل سے ہو یا کبھی کسی اور خاندان کا آدمی تخت نشین ہو گیا ہے تو اُس نے لوگوں کو اطاعت پر آمادہ کرنے کے لیئے اپنے تئیں قدیم خاندان سے منسوب کر لیا ہے۔ بہرکیف ایران کی قومی شاہنشاہی پہلی دفعہ دوسو پچیس (۲۲۵) سال اور دوسری بار چارسو نو (۴۰۹) سال یا پارتھیا والوں کو بوجہ آتش پرست اور ہمجنس ہونے کے ایرانی فرض کیا جائے تو دوسری بار آٹھ سو اکسٹھ (۸۶۱) سال قائم رہی ہے۔

ہند

تاریخ ہند قدامت میں ہمارا ہندوستان بھی کسی سے کم نہیں مگر ہیاں واقع الوقت

تاریخ لکھنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ نہ مصر والوں کی طرح کثرت سے یادگاریں قائم کیں جن کی تحریروں کو اور وضع قطع کو دیکھکر تاریخ مرتب ہو سکے۔ یہاں یادگاروں کا سلسلہ یا تاریخی حالات کا چرچا مہاتما بدھ کے وقت سے شروع ہوتا ہے جن کی پیدائش ۵۶۳ سنہ ق م اور وفات ۴۸۳ سنہ ق م میں ہے۔ بلکہ مہاتما بدھ نے بھی اپنی زندگی میں کوئی کامیابی اور شہرت حاصل نہیں کی۔ آنکے ہمعصر سوامی مہاویر جی جین مت کے بانی جو ۵۲۶ سنہ ق م میں فوت ہوئے ہیں اُنکی وفات پر اُن کے ماننے والوں کی تعداد پانچ لاکھ بتائی جاتی ہے اور نندا خاندان کے نو راجاؤں نے ۴۱۳ سنہ ق م تا ۳۲۲ سنہ ق م اس مذہب کی سرپرستی کی ہے۔ مہاتما بدھ کو اس زمانے کے بعد اور انکی وفات سے دو سو سال گذر جانے پر مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ سکندر ۳۲۶ سنہ ق م میں ہندوستان پر حملہ آور ہوا ہے۔ دو سال کے بعد چند صوبے جو اسکے ماتحت تھے مقدونوی حکومت سے آزاد ہو گئے۔ یونانی قلعہ نشین تباہ کر دیئے گئے اور موریا خاندان کی قیادت میں آریا قوت نے بڑے عرصے تک شمال مشرقی حملہ آوروں کو ہندوستان میں نہیں آنے دیا۔ مسٹر اے۔ بی۔ ڈال اپنی تاریخ ہند میں لکھتے ہیں کہ سکندر کے حملے نے ہندوستانی تہذیب پر اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑا۔ جب یونان اپنا سیاسی اثر کھو بیٹھا تو ہند میں آریا تہذیب ترقی کرتی رہی اور ہزار سال تک اس نے زوال کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہونے دی۔ یہ اقبال کا زمانہ ۳۲۱ سنہ ق م سے شروع ہوتا ہے جبکہ موریا خاندان کا پہلا راجہ چندر گپتا تخت نشین ہوا یہ تمام ہندوستان کا واحد راجہ مانا جاتا ہے۔ اشوکا اسی خاندان میں گذرا ہے جس نے آریا اور غیر آریا کی تمیز اُٹھاکر سلطنت ہند قائم کی اور بدھ مذہب کو فروغ دیا۔ راجہ اشوکا ۲۲۶ سنہ ق م میں انتقال کرتا ہے اور موریا خاندان ۱۸۳ سنہ ق م میں سنگا خاندان کے لیئے جگہ خالی کرتا ہے۔ سنگا خاندان بھی بدھ کا پیرو تھا مگر برہمنی رسوم سے تعصب نہ رکھتا تھا۔ اسکے بعد باختر اور خراسان کی طرف سے ایک قوم کے حملے ہوتے ہیں جنکو ترکی کہتے ہیں۔ انکے تسلط کا زمانہ معلوم نہیں مگر کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں پر بھی بدھ مذہب کا اثر تھا اسلیئے ان کے آنے سے ملکی تہذیب میں کوئی تفاوت پیدا

نہیں ہوا اور آریا قوت کی ہزار سالہ ترقی میں اس قوم کے آنے سے جو رخنہ پڑا ہے اسکو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ سنہ ۲۲۰ء سے سنہ ۳۲۰ء تک کا زمانہ غیر معروف ہے۔ کشان اور اندھرا خاندان کی مختلف چھوٹی چھوٹی سلطنتیں بن گئی تھیں اور شاہنشاہی عظمت نابود ہو گئی تھی جسکو پھر گپتا خاندان نے زندہ کیا اور راجہ چندر گپتا دوئم سنہ ۳۸۰ء میں فرمانروا ہوا اسکے وقت میں برہمنی عظمت نے عود کیا۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ ہرشا وردھن سنہ ۶۴۶ء میں گذرا ہے اسکے بعد زوال آیا اور سنہ ۷۱۲ء میں محمد بن قاسمؒ نے سندھ پر قبضہ کیا۔ سنہ ۳۲۱ ق م سے سنہ ۶۰۶ء تک نو سو ستائیس سال ہوتے ہیں۔ اس عرصے میں ترکی قوم کے تسلط کا زمانہ جس کا طول معلوم نہیں اور سنہ ۲۲۰ء سے سنہ ۳۲۰ء تک طوائف الملوکی کا زمانہ ادبار کا وقت ہے جس کو ہزار سالہ ترقی میں سے منہا کیا جائے تو ترقی کا زمانہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

یونان

یونان کی خود مختاری

یہ ملک علم و حکمت میں ایک جہان کا استاد مانا جاتا ہے اور اسکے فیلسوفوں نے خیالی طور پر آئین ملک رانی اور سیاسیات پر بھی خوب طبع آزمائی کی ہے مگر عملی طور پر یہ لوگ ملک داری کے لیے بہت ناکارہ ثابت ہوئے ہیں۔ دوسروں پر تفوق حاصل کرنا ایک طرف اپنی ملکی طاقت کو بھی کبھی ایک مرکز پر جمع نہیں کر سکے۔ بلکہ شاید روشنی طبع ہی انکے لیے بلا ثابت ہوئی ہے کہ ہر شخص کو نہیں تو ہر بستی کو اپنے ذاتی حقوق کا شعور پیدا ہو گیا اور دوسروں کے آگے جھکنا گوارا نہ ہو سکا۔ چنانچہ انکے ہاں ہمیشہ شہر شہر کی ریاست جدا رہی ہے۔ پہلے پہل سلطنت کا ڈھانچا سپارٹا والوں نے تیار کیا ہے جو سنہ ۵۵۰ ق م سے سنہ ۳۷۱ ق م تک اپنے ملحقہ رمینیا[?] پر مسلط رہے اور سنہ ۵۶۰ ق م میں اہل تیجی[?] نے انکی فوقیت تسلیم کی۔ یونانیوں کی کچھ بستیاں ایشیائے کوچک میں بھی تھیں جنکو کیخسرو نے تسخیر کر لیا تھا۔ سنہ ۵۰۲ ق م میں ان بستیوں نے بغاوت کی اور سنہ ۵۰۲ ق م سے سنہ ۴۷۹ ق م تک ایرانیوں[?] کے حملے ہوتے رہے

یہ وقت ہے جبکہ یونانی ریاستوں نے باوجود باہمی اختلافات کے متحدہ مقابلہ کیا اور ایرانیوں کو غالب نہ آنے دیا۔ ۴۸۰ قم سے ۴۳۰ قم تک ایتھنز والوں کی فوقیت رہی اور اُن کی شاہنشاہی کو مانا گیا۔ مگر ۴۳۱ قم سے ریاستوں میں باہمی جنگ شروع ہوگئی جس میں ۴۰۴ قم سے ۳۶۲ قم تک سپارٹا اور پھر تھیبس والوں کی فوقیت تسلیم ہوئی۔ خالص قومی حکومت جس طرح کی بھی تھی یونانیوں کو اُسی وقت تک میسر آئی ہے۔ پھر کبھی اتنی بھی خودمختاری نصیب ہوئی۔

یونان کی ماتحتی

۳۵۹ قم سے ۳۲۳ قم تک فیلقوس اور پھر سکندر تمام یونان پر غالب رہے وہ مقدونیہ کے بادشاہ اور یونان کے لیڈر یا جرنیل کہلاتے تھے۔ ۱۴۶ قم تک تمام یونانی ریاستوں نے باستثنائے سپارٹا اپنا وقت ماتحتی میں بسر کیا ہے اور ان یونانی جرنیلوں کے ماتحت رہے ہیں جو مقدونیہ، ایشیائے کوچک، مصر اور شام پر حکومت کرتے تھے۔ ان میں سے کبھی کسی نے یونان کو دبا لیا ہے اور کبھی کسی نے۔ اور چونکہ یہ تمام حکام باہمدگر برسرپیکار رہتے تھے اسلیئے کبھی کبھی تھوڑے عرصے کے لیئے یونانی ریاستیں خود مختاری کا لطف بھی اُٹھا لیتی تھیں۔ مگر ان آقاؤں کا دباؤ یونانیوں پر ایسا سخت تھا کہ ۱۴۶ قم میں جب رومیوں نے قبضہ کیا تو یونانی اُنکے آنے سے خوش ہوئے۔ رومیوں کی عادت تھی کہ وہ پہلے پہلے دباؤ کم ڈالا کرتے تھے۔ نیز وہ تہذیب میں یونانیوں سے پست تھے اسلیئے اُنکی عزت بھی کرتے تھے۔ مگر آخر ایک صدی کے اندر اُنکے تمام ظالمانہ مطالبات بروئے کار آگئے۔ اُدھر یونانیوں کی اخلاقی حالت گرتی گئی عیاشی بڑھتی گئی آبادی کم ہوتی گئی حتیٰ کہ ۲۵۱ء میں گاتھ قوم نے حملہ کیا۔ یہ ضرب ایسی لگی کہ یونانیوں کی آنکھیں کھل گئیں اور خوابیدہ جذبات شرافت بیدار ہوگئے۔ ادھر تیسری صدی عیسوی کے آخری ایام میں عیسائیت نے رواج پایا تو اُنکے اخلاق کو سدھارنے میں بہت مدد دی۔ مگر یہ ہمت پیدا نہ ہوئی کہ مکمل آزادی حاصل کریں۔ حاکم وقت نرم ہوا تو خوشامد سے یا اصرار سے تھوڑے بہت حقوق حاصل کرتے رہے۔ زبردست بادشاہوں کے ہاتھ سے اور گاتھ اور ہن قوم کے حملوں سے پھر بھی مصیبتیں اُٹھاتے رہے۔ یہ کیفیت ۳۲۳ء سے ۱۴۶۱ء تک رہی

سنہ ۶۱۰ء سے سنہ ۱۰۵۷ء تک حاکم باقبال اور زبردست تھے وحشی قوم کے حملوں سے امن رہا مگر زیادہ راحت بھی میسر نہیں آئی۔ سنہ ۱۰۵۷ء سے سنہ ۱۲۰۴ء تک رومیوں کی مشرقی سلطنت کو جس کا دارالخلافہ قسطنطنیہ تھا تنزل رہا۔ قسطنطنیہ پر اطالویوں نے قبضہ کر لیا۔ سنہ ۱۲۶۱ء سے یونانیوں کا غلبہ ہوا اور قسطنطنیہ اطالویوں سے چھینا گیا۔ سنہ ۱۴۵۳ء میں ترکوں نے تصرف کیا اور اطالویوں اور یونانیوں کی حکومت ختم ہوئی۔ سنہ ۱۸۲۰ء میں یونان کے اندر ترکوں کے خلاف سازش ہوئی اور جابجا ترک آبادیوں اور چھاونیوں پر حملے ہونے لگے۔ جن کی نسبت مؤرخین لکھتے ہیں کہ آزادی کے لیئے بھی کشت و خون اور جرائم کا ارتکاب اسیقدر ہوا جسقدر کسی ظالم بادشاہ کے حملے سے ہوتا ہے۔ سنہ ۱۸۲۷ء میں انگلستان فرانس اور روس کے متفقہ بیڑے نے ترکوں کا بیڑا تباہ کیا اور یونان آزاد ہوا مگر پھر بھی ایک عرصے تک یونانیوں کو اپنا قومی بادشاہ میسر نہیں آیا اب کسی خاص قوم کا دباؤ نہ رہا تو یورپ والوں کی متفقہ رائے یونان پر حکومت کرنے لگی اور ایک عرصے تک ممالک یورپ کا کوئی نہ کوئی شہزادہ یونان کا بادشاہ بنتا رہا۔ اب آخر میں وہاں کے وزیر وینزی لوس نے جمہوری ڈھانچ کھڑا کر دیا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ یونان کا تنزل ختم ہوا اور قومی حکومت میسّر آئی۔

یونانی عروج و زوال کا اندازہ اِس خلاصے سے یونان کی حکومت اور ماتحتی کے مختلف دور اور ہر ایک دور کا عرصہ معلوم ہو سکتا ہے یعنی ۹۹۳ سال قومی حکومت ۲۱۳ سال مقدونیہ والوں کی حکومت جو انکے قریبی ہمسائے اور رسم و رواج اور مذہب کے لحاظ سے متحد تھے۔ ۴۶۹ سال روما والوں کی حکومت۔ ۷۴۳ سال مشرقی سلطنت کی حکومت۔ ۵۷ سال رومانیوں کی حکومت اور ۲۴۹ سال یونان کی اپنی ریاست جس کا فرمانروا برائے نام شہنشاہ اور قیصر قسطنطنیہ کہلاتا تھا ۳۷۴ سال ترکوں کی حکومت اور سنّو سال کے قریب متفقہ یورپ کی حکومت اور فی زمانہ جمہوریت

رومۃ الکبریٰ

روم کی تاریخ اس مشہور سلطنت کو زمانے کے طول میں، مقبوضات کی وسعت میں اور قوانین ملک رانی کی خوبی میں دنیا کے اندر خاص امتیاز حاصل ہے۔ ۷۵۳ ق م میں شہر روم کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور اسی وقت سے اس سلطنت کی بنیاد پڑتی ہے۔ بڑے عرصے میں یہ شہر پھیلتا ہوا سات پہاڑیوں پر آباد ہوتا ہے گرداگرد فصیل کھینچی جاتی ہے۔ یہاں والوں کی ابتدائی روایات حسب معمول تاریخی ثبوت سے خالی ہیں۔ تاہم مؤرخانہ تجسس اور تفتیش سے اس شہر میں لاطینی قوم کے پہلے بادشاہ صرف آٹھ شمار میں آئے ہیں جن کا زمانہ معین نہیں ہو سکتا۔ پھر ساتویں اور چھٹی صدی قبل مسیح میں اُس قوم کا تسلط رہتا ہے جس کو اٹرسکن کہتے ہیں۔ اس کا آخری بادشاہ ٹارکن متکبر ہوا ہے جس سے ناراض ہو کر اہل شہر حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور بادشاہ کو جلاوطن کر دیتے ہیں۔ یہ ۵۰۹ ق م کا واقعہ ہے۔ اس وقت سے اہل روما کی خود مختار اور بالاستقلال حکومت کا آغاز ہے۔ یہ لوگ اپنے مذہبی مقتدا کو بادشاہ کا خطاب دیتے ہیں مگر مذہبی معاملات کے سوا سب اختیارات قومی مجلس کے ہاتھ میں رکھتے ہیں تمام عظمت و اقتدار جو سلطنت کو حاصل ہوتا ہے اسی جمہوری انتظام کا رہین منت ہے۔ چنانچہ اپنے ملک پر روما کا تسلط جمانے کے بعد باہر نکلتے ہیں تو ۱۴۶ ق م تک مغرب میں گال یعنی فرانس اور ہسپانیہ سے گزرتے ہوئے افریقہ کے اندر کارتھیج اور مصر تک پہنچ جاتے ہیں اور مشرق میں یونان سے ہوتے ہوئے ایشیائے کوچک اور شام اور عراق پر تسلط کرتے ہیں مگر تمام اقوام عالم کے خلاف سلطنت کو اپنے ملک کے بجائے ہمیشہ اپنے شہر کی طرف منسوب کرتے اور روما نوی سلطنت کے نام سے شہرت دیتے ہیں۔

روما نوی شاہنشاہی اس وقت معراج کمال تک پہنچنے کے بعد کمال کے ناگوار نتائج بھی نمایاں ہونے لگتے ہیں اور قوم میں جو لوگ صاحب اثر ہیں ان میں دولت کی فراوانی سے آرام طلبی خود غرضی اور غربا کی حالت سے بے پروائی پیدا ہوتی ہے۔ اور قومی مجلس میں ایسے لوگوں کا غلبہ ہو جاتا ہے تو انتظام میں خرابی آنے لگتی ہے۔ عوام الناس میں بے چینی پیدا ہوتی ہے اور جمہوریت اور

مساوات عام کی روح غائب ہوجاتی ہے۔ اس زمانے میں گراچس۔ سُلاّ۔ مسرو۔ کراسس پاپے اور سیزر جیسے لیڈر جو مدبر بھی تھے قوم کے خیر خواہ بھی تھے اور اپنا ذاتی اقتدار بھی چاہتے تھے اپنے اپنے وقت پر عوام الناس کی حمایت کرتے ہوئے اور اُنکی ہمدردی سے قوت پاتے ہوئے ایسے زبردست ہوتے گئے کہ قومی مجلس کے اختیار سے نکل گئے یا اسے اپنے ماتحت کرلیا یا اُسکو شکست دے کر خود حکومت کرنے لگے۔ چنانچہ سنہ ۴۹ ق م میں سیزر نے جو ایک صوبے کا گورنر تھا مجلس کے احکام سے ناراض ہوکر روم پر حملہ کیا تو ارکان مجلس شہر چھوڑ گئے اور سیزر تن تنہا تمام ممالک پر حکومت کرنے لگا۔ اس نے ایسی قابلیت سے کام چلایا کہ ملک جمہوریت کی بجائے شاہی کو پسند کرنے لگا اگرچہ سیزر نے اور اسکے دو ایک جانشینوں نے شاہی لقب اختیار نہیں کیا مگر عملی طور پر جمہوریت مٹ گئی اور سنہ ۲۷ ق م سے جبکہ سیزر کا برادر زادہ اکٹے وی اَن فرمانروا ہوا ہے روم میں شاہنشاہی کا آغاز سمجھا جاتا ہے اِس سردار نے اپنے لئے پرنسپس یعنی صدر مجلس کا لقب پسند کیا مگر آئندہ سب علانیہ امپراطور یعنی شاہنشاہ کہلانے لگے یہ انتظام دو۲ سو سال کے قریب خوبصورتی سے قائم رہا۔

کمزوری اور بے انتظامی

سنہ ۱۶۴ء سے زوال کی علامات نظر آنے لگیں۔ ہر طرف بلکہ مرکز میں بھی قتل و غارت کا بازار گرم ہوا مشرق اور مغرب میں کئی ممالک باغی ہوکر خود مختار بن گئے سنہ ۲۱۱ء سے سنہ ۲۸۴ء تک بیس شاہنشاہ دعوے دار ہوئے اور ایک دوسرے کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اتنی بڑی سلطنت کا انتظام ایک شخص کے بس کا نہ تھا اسلئے سنہ ۲۸۴ء میں نظام بدلا گیا اور شہنشاہ کے ماتحت جس کو اگسٹی کہتے تھے سیزر کے نام سے دو۲ فرمانروا مقرر ہونے لگے جن پر کام کو تقسیم کیا گیا انتظام درست ہوگیا۔ باغی ممالک زیر کئے گئے۔ قسطنطین اعظم کے وقت تک (سنہ ۳۳۷ء) جس نے روما کی بجائے قسطنطنیہ کو دار الخلافہ بنایا اور سلطنت کا مذہب عیسائی قرار دیا یہ انتظام قائم رہا۔ پھر خرابی پیدا ہوئی اور سنہ ۳۶۴ء میں سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ مشرقی حصّے کا مرکز قسطنطنیہ اور مغربی حصّے کا روم قرار پایا۔ اُس وقت سے روم کی سلطنت آدھی رہ گئی۔ مشرقی حصّے کا حال یونان کے ذکر میں بیان ہو چکا۔ مغربی حصہ یعنی

روما کی سلطنت نصف پر قابض رہ کر بھی اپنے مقبوضات کو سنبھال نہ سکی اور دیر تک قائم نہ رہی اس کا زوال ۳۹۵ء سے شروع ہوتا ہے۔ بادشاہ کمزور ہوگئے تھے۔ تمام صوبے عملاً خود مختار تھے۔ وحشی قومیں وزی گاتھ۔ وینڈل اور ہن متواتر حملے کر رہی تھیں۔ اور غارت گری آتش زنی اور خونریزی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتی تھیں۔ بلکہ آخر میں انہی اقوام کا ایسا تسلط ہوگیا تھا کہ شاہی خاندان میں سے جس کو چاہتے تھے تخت پر بٹھا دیتے تھے اور جب چاہتے تھے معزول کردیتے تھے۔ ۴۵۳ء سے بیس سال کے عرصہ میں نو بادشاہ تخت نشین اور معزول ہوئے اور ۴۷۶ء میں آڈوسر نامی ایک وحشی سردار نے جس کی قومیت مورخین تحقیق نہیں کرسکے ہیں روما کی شاہنشاہی کو ختم کیا اور دربار قسطنطنیہ کو باضابطہ اطلاع دی کہ روما کی سلطنت صفحہ ہستی پر موجود نہیں ہے۔

روما کی عروج و زوال کا اندازہ

اس حساب سے اہل روما کی قومی سلطنت جمہوریت اور شخصی حکومت کی شکل میں ۵۰۹ ق م سے ۳۹۵ء تک نو سو چار سال کی عمر پاتی ہے اور زوال کا زمانہ شامل کیا جائے جس میں بادشاہ کے نام سے بادشاہ گر سرداروں کی حکومت تھی تو ۴۷۶ء تک نو سو پچاسی [۹۸۵] سال ہوتے ہیں۔

فنیقیہ

فنیقیہ کی حالت

یہ علاقہ سمندر سے متصل ملک شام کے ساحل پر واقع ہے اور فنیقی قوم کنعانی نسل کی ایک شاخ ہے جو جناب مسیح علیہ السلام سے پچیس [۲۵] سو سال پہلے اس علاقے میں آباد ہوئی۔ یہ لوگ ملک گیری اور کشور کشائی میں ایسے مشہور نہیں ہیں اُنکی ناموری یہ تھی کہ قدیم زمانے میں دور دراز ممالک کو تجارتی تعلقات کے ساتھ باہم مربوط رکھتے تھے اور اپنے وطن کے علاوہ اور ملکوں میں تجارتی کوٹھیاں کھولتے اور اپنی آبادیاں قائم کرتے جاتے تھے۔ افریقہ میں کارتھیج جو بعد میں مشہور سلطنت ہوگئی تھی اور ہسپانیہ میں گاڈیرہ اسی قوم کی بستیاں تھیں سسلی

مالٹا۔ اور یورپ و افریقہ کے اور ساحلوں پر بھی آمدورفت رکھتے تھے اور کسی زمانے میں یونان کے ساحلوں پر بھی جاتے رہے ہیں یونانی جہازوں کی اور یونانی شہروں کی بناوٹ فنیقی جہازوں اور شہروں سے مشابہت رکھتی ہے۔ یونانیوں کا بنک سسٹم بھی فنیقیہ سے لیا گیا ہے، روپیہ کا لین دین جہاز اور اسباب جہاز کی ضمانت پر کرتے تھے یا پردیس میں کسی کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کرتے تھے تو ایک مٹی کا برتن توڑ کر اسکا ایک ایک ٹکڑا دونوں اپنے پاس رکھ لیتے تھے آئندہ کبھی پیغام بھیجنا ہوتا تو یاددہانی کے لیئے وہ ٹکڑا ساتھ بھیجتے تھے۔ یہ دستور بھی یونانی اور فنیقی دونوں قوموں میں مشترک ہے۔ تجارت کے علاوہ موتی اور بلور صاف کرنے کی صنعت خوب جانتے تھے جو ہمیشہ انکی خوشحالی کا باعث رہی مسلمانوں کے زمانے میں شکرسازی کا کام بھی کرنے لگے تھے اور زیادہ متمول ہوگئے تھے۔ ترکوں کے زمانے میں ملکِ شام میں بدانتظامی رہنے لگی تو یہ قوم بھی خستہ حال ہوکر گمنام ہوگئی۔

فنیقیہ کی تاریخ حکومت انکے ہر شہر اور بستی کی جدا تھی۔ مگر ضرورت کے وقت پہلے سدون اور پھر صور کے بادشاہ کو اپنا قائد بنا لیتے تھے یورپ اور افریقہ کی آبادیاں بھی اپنے وطن سے یہی تعلق رکھتی تھیں۔ اور جہازرانی میں ماہر ہونے کی وجہ سے ایک دوسری کو بہت جلد امداد پہنچاتی تھیں۔ انکی حکومت بھی دیگر ممالک کی طرح خود مختار نہ تھی، ان کے ہر ایک فرماں روا اور صدر کے تاجدار کو مقررہ حدود و اختیارات کے اندر رہنا پڑتا تھا اور مذہبی رہنماؤں کو بھی انتظام میں دخل تھا۔ تجارتی قوم ہونے کی وجہ سے ملک گیری کی ہوس نہ رکھتے تھے۔ ان کے اپنے وطن میں تاریخی زمانے میں سب سے پہلا بادشاہ ہیروم ہے جس نے ۹۸۰ق م سے ۹۴۲ق م تک حکومت کی ہے۔ یہ شخص حضرت سلیمان کا ہمعصر اور انکا دوست ہے ۵۸۵ق م میں بخت نصر حملہ آور ہوا جس نے اپنی طرف سے ایک شخص کو بادشاہ مقرر کیا۔ وہ شخص ۵۶۴ق م تک فرمانروا رہا۔ پھر اسی جمہوری شکل میں قومی حکومت قائم ہوگئی۔ ۵۳۸ق م میں فارس والوں نے تصرف کیا۔ ۳۴۵ق م میں ایرانی حکومت سے آزاد ہونے کی کوشش کی گئی اور کچھ عرصے کیلئے

فنیقی خود مختاری بحال ہوگئی۔ سنہ ۳۳۲ قم میں سکندر اعظم ان کے دارالخلافہ صور پر قابض ہوا تو فنیقیوں کی قومی عظمت اور خود مختاری برباد ہوگئی۔ صور پر قابض ہونا بھی ایسی اولوالعزم تجارت پیشہ قوم کے لئے بڑی تباہی کا باعث نہوتا مگر سکندر نے یہ غضب کیا کہ مصر کے ساحل پر شہر اسکندریہ آباد کردیا جو تمام ممالک گردوپیش کی تجارت کا مرکز بن گیا یہ حیثیت اس سے پہلے صور کو حاصل تھی۔ سکندریہ کے آباد ہونے سے اہل فنیقیہ نہ صرف حکومت سے بلکہ اپنی معیشت کے بہت بڑے ذریعے سے بھی محروم ہوگئے۔ یہ غنیمت تھا کہ وہ تجارت کے علاوہ موتی اور بلور صاف کرنے کی صنعت بھی جانتے تھے جس کے سہارے زندگی بسر کرتے رہے آخر میں شکر سازی بھی کرنے لگے تھے تو اور زیادہ خوشحال ہوگئے تھے۔ سنہ ۱۵۱۶ء میں سلطان سلیم نے شام کو تسخیر کیا تو اس قوم کی جداگانہ ہستی فنا ہوگئی۔ اس سلطنت کو تاریخی زمانے میں پہلی بار ۴۰۶ دوبارہ ۲۹ اور سہ بارہ ۱۳ سال کی عمر ملی۔

بابل و نینوا

تاریخی حالات ان ممالک کو سکندر نے فتح کیا ہے تو یہاں ایک لال بجھکڑ پیدا ہوا، جس نے یونانیوں کے سامنے اپنی مشیخت جتانے کے لئے اپنے ملک کی ایک تاریخ تصنیف کی۔ وہ لکھتا ہے کہ بابل میں کالدیہ کے رہنے والے ۸۶ بادشاہوں نے ۳۴۰۸۰ سال حکومت کی اور کلدانیوں سمیت کل آٹھ خاندان حکمراں گذرے ہیں جن کا زمانہ ۳۵۶۲۰ سال ہوتا ہے اور انکے بعد نویں خاندان نے ۱۲۲ سال حکومت کی۔ مورخین اس بیان کو قابل وثوق نہیں سمجھتے۔ اسی طرح کی ایک روایت ہے کہ سنہ ۲۲۸۶ ق م میں ساکنان ایلم نے کالدیہ کو فتح کیا جن کا سلسلہ دیر تک قائم رہا اور انکے بعض بادشاہوں نے بیرونی ممالک سے خراج وصول کیا دوسرا سلسلہ ساکنان کاسی کا ہے۔ انھوں نے بابل کو دارالخلافہ بنایا اور شام فلسطین اور مصر پر تصرف کیا۔ ان لوگوں کو مصر سے اٹھارویں خاندان کے بادشاہوں نے نکالا ہے۔ اسیریا کی

سلطنت نے جس کا دار الخلافہ نینوا ہے۔ اسکے بعد ترقی کی ہے۔ ورنہ پہلے بابل اور نینوا برابر کی ٹکر تھے اور آپس میں رشتہ داری بھی رکھتے تھے۔ چودھویں صدی قبل مسیح میں اسیریا کے بادشاہ نے بابل پر تصرف کیا۔ اس وقت سے نینوا کی تباہی تک اسیریا کی سلطنت سب سے بڑی قوت رہی ہے۔ یہ سب روایات تاریخی ثبوت نہیں رکھتیں۔ تاریخ کا قابل وثوق مواد نویں صدی قبل مسیح سے ملتا ہی اس وقت کا بادشاہ طغلات فلسر ہے جس نے بابل اور گرد و نواح کی بہت سی اقوام پر تصرف کیا۔ اس خاندان کے کئی اور بادشاہ نہایت زبردست گزرے ہیں۔ ان میں سے ریمان نراری ایک بادشاہ ہے (۱۱۰۸ قم تا ۱۰۸۲ قم) جس نے شاہ بابل کی اطاعت پر قناعت نہیں کی بلکہ اس علاقے کو اپنا صوبہ بنا لیا۔ یہ خاندان ۷۴۵ قم تک قائم رہا ہے دوسرا خاندان اس سے بھی زیادہ زبردست گزرا ہے۔ اس خاندان کے ایک بادشاہ سرغون نے (۷۲۰ قم تا ۷۲۲ قم) مصر کو مع فلسطین کے شکست دی اور آئندہ مصر اور اسیریا میں عرصہ تک برابر کا مقابلہ رہا۔ مگر اسی بادشاہ کے زمانے میں بابل کے اندر ایک کلدانی بادشاہ بارہ سال تک خود مختار رہا اور سرغون کے بیٹے سینا شریب کے زمانے میں بھی بابل کے کلدانی بار بار آزادی کی کوشش کرتے رہے مگر کامیاب نہ ہوئے۔ اس کا بیٹا ایسرہادن (بالدال المہملہ) ۶۸۱ قم میں تخت نشین ہوا جس نے مصر کو تہ و بالا کیا اور ۹۸۰ میل صحرا عبور کر کے عرب پر حملہ آور ہوا۔ اسکے اور اسکے بیٹے اشور بنی فال کے زمانے میں نینوا دنیا کا سب سے بڑا دولتمند اور زبردست شہر تھا۔ مگر اشور بنی فال کے آخر زمانے میں سلطنت کمزور ہو گئی اسکے بھائی نے بغاوت کی اور بہت تباہی پھیلائی جس سے دل شکستہ ہو کر یہ بادشاہ ۶۲۵ قم میں مرا اور اس کے جانشینوں کے زمانے میں بابل کا گورنر نابو فال سر خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ بخت نصر اس باغی سردار کا بیٹا ہے جسکے زمانے میں بابل تمام دنیا میں فرد تھا۔ اس نے نینوا کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا اور وہاں کے آخری بادشاہ سار اکس کو مروا ڈالا۔ بخت نصر ۵۶۱ قم میں مرا اور ۵۵۵ قم میں اس کا خاندان ختم ہوا۔ نابونا ہید سے دوسرے خاندان کی بنیاد پڑی مگر اس بادشاہ کی

زندگی میں کیخسرو شاہ ایران حملہ آور ہوا۔ بڑی کوششوں کے باوجود نابونا ہید نے شکست کھائی اور بابل و نینوا کی سلطنت ختم ہوئی۔

اندازہ | اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ تاریخی زمانے سے پہلے بابل کو جس قدر اقتدار حاصل رہا ہو گا نہ اسکی نسبت کوئی وثوق ہے نہ اس کا زمانہ معین ہو سکتا ہے۔ البتہ اسقدر مسلّم ہے کہ بابل کا تمدن نینوا سے قدیم تر ہے اور چودھویں صدی قبل مسیح سے جو نینوا کی فوقیت تسلیم کی گئی ہے اگر صحیح ہے تو اسکا اقتدار قریبًا ہزار سال کے بعد ۶۲۵ قم میں ختم ہوتا ہے اور بابل نے دوبارہ عروج پا کر تمام دنیا سے برتری حاصل کی تو نوّے برس کے اندر ہی اندر دوسروں کے لئے جگہ خالی کر گیا۔

بے وطن قومیں

یہاں تک ان اقوام کا ذکر تھا جن کی قوت اور اقتدار نے انکے وطن کو بھی عظمت و برتری کی معراج تک پہنچایا اور دنیا میں مشہور کیا۔ اب ان اقوام کے حالات لکھے جاتے ہیں جو دُرِ یتیم کی طرح وطن سے نکلکر برتری کے آسمان پر چمکیں اور ممالکِ غیر میں قدم جما کر نیکی یا بدی میں مشہور ہوئیں۔

بنی اسرائیل

تاریخ | اس عظیم الشان قوم نے اپنی زندگی انوارِ الٰہیہ کے مشاہدے اور وسائلِ قُربِ ربانی کی اشاعت سے شروع کی ہے۔ مگر جلد ہی گردشِ افلاک نے ان کو مصر میں پہنچا کر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا وہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روحانی قوت سے فرعونیوں کی جسمانی عظمت و جبروت پر غالب آکر نجات پائی تو دیکھا کہ عرصۂ دراز کی قید و بند نے اعضاء و جوارح کو بیکار کر چھوڑا ہے اور دل و دماغ میں اولوالعزمی کا کوئی جذبہ باقی نہیں رہنے دیا۔

رہنے کے لیئے ٹھکانا تلاش کرنے کی ضرورت تھی اور مقابلہ تھا زبردست لوگوں سے باوجود موسیٰ علیہ السلام جیسے قائدِ اعظم کے جن کی اعجازی قوتوں کا بارہا تجربہ کر چکے تھے غلامی بُری بلا ہے اُس نے خیالات کو ایسا پست کر دیا تھا کہ ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ کر جنگل میں بیٹھ گئے اور آگے بڑھنے سے انکار کیا۔ چالیس سال کامل اسی جنگل میں بسر کیئے۔ قدرت مہربان تھی معیشت کا سامان میسّر آتا رہا۔ موجودہ جمعیۃ کے آدمی اپنے اپنے وقت پر موت کے گھاٹ اترتے گئے۔ دوسری نسل پیدا ہو کر بڑھتی رہی۔ غلامی میں بسر کرنے والے تمام افراد فنا ہو چکے۔ نئی پود صحرائی صعوبتوں سے بھری ہوئی فضا میں آزادی کا سانس لیکر بڑی ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام کے جانشین حضرت یوشع کی قیادت میں آگے بڑھنے کا حوصلہ کیا۔ بڑھے تو فتحیابی کے نشان اُڑاتے ہوئے تمام دشمنوں پر غالب آئے۔ اور ۱۲۰۰ ق م میں ملک کنعان پر متصرف ہو کر تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے۔ چھ سو سال تک روحانی اور جسمانی دونوں طرح کی برتری سے بہرہ یاب رہے۔ قدرت ربانی کے جلوے دکھانیوالے پیغمبر اور وسائل قدرت سے کام لینے والے بادشاہ پیدا ہوتے رہے مگر آخر قانونِ قدرت غالب آیا۔ عظمت و اقتدار کے بادل چھٹ گئے پستی و ادبار کی گھٹا چھا گئی۔ ۵۸۶ ق م میں بابل کی طرف سے بخت نصر کی آندھی اُٹھی۔ اس نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور تمام قوم کو زنجیروں سے جکڑ کر جانوروں کی طرح ہانکتا ہوا لے گیا۔ بنی اسرائیل چالیس سال جنگل میں پریشان پھرتے رہے تھے اس دفعہ نو سال زیادہ بابل والوں کی قید میں رہے۔ ۵۳۸ ق م میں کیخسرو نے بابل فتح کیا تو انکو اپنے وطن جانے اور ہیکل بنانے کی اجازت دی۔ اِس دفعہ شاہی اختیارات گو میسر نہ آئے مگر اندرونی خود مختاری کا حصہ مل گیا اور اپنے مذہبی مقتدا کے ماتحت زندگی بسر کرنے لگے۔ ۳۳۲ ق م میں سکندر غالب آیا ہے تو یہی انتظام رہا۔ ۶۳ ق م میں روما والوں نے تصرف کیا تو رومی گورنر بھیجے لگے۔ اندرونی اختیارات بھی سلب کر لئے۔ یہ نیم خود مختاری کا زمانہ ۴۷۵ سال رہا۔

گاتھ

تاریخ اور اندازہ

جہانتک تاریخی ثبوت کا تعلق ہے یہ قوم پہلی بار تیسری صدی مسیحی میں زیریں حصہ دریائے ڈینیوب کے شمال میں نمودار ہوئی ہے۔ رومی بادشاہ فلپ کے عہد میں (سنہ ۲۴۴ء تا سنہ ۲۴۸ء) یہ لوگ دریائے ڈینیوب کو عبور کرتے اور کچھ علاقہ برباد کرتے ہیں سنہ ۲۵۱ء میں شہنشاہ ڈی سی اس لئے جنگ کرتا ہے۔ اُس وقت سے سنہ ۲۶۱ء تک برابر مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا پر حملے کرتے رہتے ہیں اور اسی اثنا میں مشرقی سلطنت میں کہیں کہیں قیام پذیر بھی ہوتے جاتے ہیں۔ شہنشاہ جسٹی نی ان کے عہد میں بطور ایک دوست سلطنت کے رومن امپائر کے ساتھ اتحاد کرتے ہیں۔ سنہ ۲۲۹ء میں پھر دشمنی پر اُتر آتے ہیں اور سخت شکست کھاتے ہیں۔ پھر شکستیں بھی کھاتے رہتے ہیں اور ایک وقت میں اُنکی سلطنت کو تسلیم بھی کر لیا گیا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسی اثنا میں یہ قوم دو حصوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ جن کو مشرقی اور مغربی کہنے لگے ہیں۔ سنہ ۳۶۵ء میں مغربی گاتھ کے حملوں کا ذکر ہے اور اسی زمانے میں اس قوم کے اندر عیسائیت پھیلنے لگی ہے تو عیسائی اور غیر عیسائی گروہ آپس میں بھی فساد کرنے لگے ہیں۔ پھر ہن قوم حملہ آور ہوتی ہے تو مشرقی گاتھ کے بڑے حصے کو اپنے ماتحت کر لیتی ہے۔ مغربی گاتھ مشرقی سلطنت میں داخل ہو کر کبھی دشمنی اور کبھی اتحاد کا نقشہ جماتے رہتے ہیں۔ سنہ ۳۷۸ء میں ایڈریانوپل کے مقام پر مشرقی سلطنت سے سخت مقابلہ کیا ہے جس میں رومانوی شہنشاہ مارا گیا اور اسکے جانشین تھیوڈی سی اس نے گاتھ سے صلح کی۔ تھیوڈی سی اس نے سنہ ۳۹۵ء میں وفات پائی تو مغربی گاتھ کا اور رومانیوں کا اتحاد ٹوٹ گیا اور گاتھ کے اندر قومی خود مختاری کی روح تازہ ہو گئی۔ یونان پر حملہ کیا اور تباہ کر ڈالا۔ شہر رومہ پر تین بار حملہ آور ہوئے اور آخری دفعہ اُسکو برباد کر دیا۔ سنہ ۴۸۸ء تک رومانیوں سے جنگ اور کبھی صلح ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ یہ قوم علاقہ گال اور ہسپانیہ پر پھیل گئی اور وہاں مستقل

سلطنت قائم کرلی۔ ۴۵۳ء میں ہُن قوم کا مشہور بادشاہ اٹیلا فوت ہوا تو مشرقی گاتھ بھی آزاد ہوگئے۔ اور مشرقی سلطنت کے ساتھ کبھی جنگ اور کبھی صلح کرتے رہے حتیٰ کہ ان میں ایک زبردست بادشاہ پیدا ہوا جس کا نام تھیوڈورک ہے۔ اس نے مشرقی شہنشاہ کا طرفدار ہوکر اطالیہ پر حملہ کیا رومانوی شہنشاہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور ایطالیہ اور سسلی پر قابض ہوگیا اِدھر مغربی گاتھ کا بادشاہ مرا تو تھیوڈورک اطالیہ کے ساتھ گال اور ہسپانیہ کے بڑے حصے پر بھی متصرف ہوا۔ یہ زمانہ اس قوم کا سب سے زیادہ باعظمت ہے یہ سلطنت بھی بہت وسیع رکھتے تھے۔ اور تہذیب میں بھی ایسی ترقی کر گئے تھے کہ وحشی پن کی کوئی علامت باقی نہ رہنے دی تھی۔ تھیوڈورک ۵۲۶ء میں مرتا ہے تو مشرقی اور مغربی گاتھ پھر علیحدہ ہوجاتے ہیں اور شہنشاہ جسٹی نی ان (۵۲۷ء تا ۵۶۵ء) ایطالیہ کو اپنے تصرف میں لیتا ہے تو مشرقی گاتھ کا نام دنیا سے ناپید ہوجاتا ہے۔ مغربی گاتھ کی سلطنت زیادہ پائدار رہی مگر کمزور ہوتی گئی اور مشرقی سلطنت اُسکے علاقے پر غالب آتی گئی۔ بیچ میں کسی کسی وقت اِس قوم کو فروغ بھی ہوا اور ساتویں صدی کے نصف تک زندہ رہی۔ آخر رفتہ رفتہ ہسپانیہ کی قوم میں مل جل گئی۔ گاتھ زبان بھی معدوم ہوگئی ۷۱۱ء میں ہسپانیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو نقشہ ہی بدل گیا۔ اِس حساب سے گاتھ قوم کی ایک شاخ تین سو سال اور دوسری ساڑھے چار سو سال عمر پاتی ہے۔

ہُن

تاریخ اور اندازہ — تیسری صدی قبل مسیح کے آخر میں ایک قوم کا نشان ملتا ہے جس نے دیوارِ چین سے لیکر بحیرۂ قزوین تک سلطنت قائم کی تھی۔ مورخین کا خیال ہے کہ یہی لوگ بعد میں پراگندہ ہوکر ہُن کے نام سے مختلف اوقات میں ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ اُس وقت کے بعد سے گمنام ہوکر پھر یہ لوگ ۳۷۲ء میں یورپ کے اندر نمودار ہوتے ہیں۔ ۴۳۲ء میں اُن کا ایک بادشاہ رُوآس ایسا طاقتور ہوگیا تھا کہ سلطنت روما نے اسکو رومانوی جرنیل کا منصب دیا اور ۳۰۰۰ پونڈ

سالانہ پنشن مقرر کی۔ سنہ ۴۳۳ء میں رُوآس مرا ہے تو اٹیلا اور بلیڈا اُسکے دو برادرزادے بادشاہ ہوئے اور رومی سلطنت نے ان کی پنشن دُگنی کردی۔ سنہ ۴۴۵ء میں اٹیلا قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا اسکی پنشن ۲۱۰۰ ہم تک پہنچی اور بھاری تاوان دیا گیا۔ اٹیلا سنہ ۴۵۳ء میں فوت ہوا تو ممالک ماتحت نے آزاد ہونے کی کوشش کی اور ایک جنگ میں تیس ہزار ہن مع اٹیلا کے بڑے بیٹے کے مارے گئے اور قوم کمزور ہو کر دو حصوں میں سلطنت منقسم ہو گئی۔ پھر بھی سنہ ۴۵۸ء سے سنہ ۵۵۵ء تک دونوں شاخیں مشرقی سلطنت کے لئے بربادی کا باعث بنی رہیں مگر رفتہ رفتہ نابود ہو گئیں۔ سنہ ۶۳۲ء میں ایک دفعہ پھر کُرت نام سردار کے ماتحت اُنکی غارت گری کا ذکر آتا ہے۔ پھر کوئی نشان نہیں ملتا۔ غرض تیسری صدی قبل مسیح سے اس قوم کی جو سلطنت ہوگی اسکی تفصیل معلوم نہیں۔ دوبارہ نمودار ہو کر تمام زمانہ جو دنیا میں تباہی پھیلانے کے لئے اِس نے پایا کل ڈھائی سو سال ہے۔

تُرک

تاتاری قوم ہے۔ وطن میں خانہ بدوشی اور گلہ بانی کرتے تھے۔ کسی شکل کا شاہی انتظام اور رسم و رواج کی بنیاد پر کسی قسم کے قاعدے قانون کی پابندی بھی رکھتے تھے۔ وطن سے باہر نکلنے کی ایک شکل یہ تھی کہ خوبصورتی کی وجہ سے انسانی تجارت کرنے والے اُنکے لڑکوں کو پکڑ کر لیجاتے تھے اور دور دراز ممالک میں فروخت کر دیتے تھے۔ اِسکے علاوہ اُنکو بڑے اور چھوٹے جتھوں میں وطن سے نکلکر تلاشِ معاش کے لئے عباسی سلطنت کے اندر آتے بھی دیکھا گیا ہے۔ جہاں فوج میں اور خدمتگاریوں پر متعین ہو جاتے تھے جب ہجوم زیادہ ہو گیا اور حسن خدمت میں ممتاز نظر آئے تو خلیفہ معتصم باللہ کو جس کا زمانہ سنہ ۸۳۳ء تا ۸۴۲ء ہے خیال پیدا ہوا اور اُس نے ترکوں کو ملکی منصب دینے شروع کیے۔ شدہ شدہ یہی لوگ عباسی سلطنت اور اسلامی دنیا میں تمام سیاہ و سفید کے مالک ہو گئے۔ خلفاء اُنکے دست نگر بن گئے۔ بڑی بڑی سلطنتوں کے بانی ہوئے بڑے بڑے

رقبوں پر حکومت کی۔ انکے جو خاندان مصر غزنی اور ہندوستان وغیرہ میں غلامی کی حالت سے شاہی تک پہنچکر کنجِ لحد میں سوئے انکے علاوہ ترکوں کے چند آزاد خاندان بھی ملک رانی و کشور کشائی میں انتہائی عظمت وجبروت کے مالک ہوئے ہیں۔ سلجوقی خاندان نے سنہ ۹۸۷ء میں تاتار سے نکلکر اور خراسان، ایران اور عراق پر مسلط ہو کر قدم آگے بڑھایا ہے تو تمام ایشیائے کوچک کو قسطنطنیہ کی دیواروں تک ہلا دیا ہے۔ انکے تربیت یافتہ اتابکی خاندان نے کہ وہ بھی تاتاری النسل تھا حروب صلیبیہ میں یورپ کی متحدہ افواج کا کامیاب مقابلہ کیا ہے۔ تین صدی کے بعد سلجوقیوں کا چراغ گل ہوا ہے تو سنہ ۱۲۰۰ء میں عثمانیوں نے ترکی اقتدار کی علمبرداری کی ہے اور ایشیا کے علاوہ یورپ کے طویل و عریض میدانوں میں گھوڑے دوڑائے ہیں۔ چار سو سال تک متواتر ترکتازی کی ہے تو سنہ ۱۶۶۱ء ؎ سے مردِ بیمار کہلا کر دشمنوں کے لیے خوانِ یغما بنے رہے ہیں۔ اس عرصے میں باغِ عالم میں ایک گلِ افسردہ کی طرح شاخ پر قائم ضرور رہے ہیں مگر چونکہ گل فروشوں کی باہم رقابت تھی اور کسی ایک کی گل چینی دوسرے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ہر طرف سے پتیاں نوچ نوچ کر اسکی رونق اڑاتے جاتے تھے۔ ترکوں کی اقبالمندی سنہ ۸۴۲ء سے فرض کیجائے تو آٹھ سو سال کی عطر بیزی اور دو سو سال کی پژمردگی کے بعد اب سنہ ۱۹۱۸ء میں پھر اقبال نے یاوری کی ہے اور جسمانی انقلاب کے علاوہ ایک ذہنی انقلاب نے ترکوں کو نئے سانچے میں ڈھالا ہے یعنی پہلی دفعہ ترک اسلامی قومیت کا ایک جزو بنکر نمودار ہوئے تھے۔ اب یہ لوگ اپنی خاص قومیت کو مدعا قرار دے کر اور اسلامی برادری سے بے تعلق ہو کر میدان میں آئے ہیں اور مردہ جسم میں نئی روح پھونک کر اٹھے ہیں۔ کیا تعجب ہے جو ایک اور چند اعلیٰ دن کا لطف اٹھائیں۔

؎ سنہ ۱۶۶۱ء وزیر اعظم احمد کوپرلی کی وفات کا سنہ ہے۔ بادشاہ پہلے ہی مغرور عیاش اور آرام طلب ہو گئے تھے۔ احمد کوپرلی کے بعد کوئی مدبر وزیر بھی پیدا نہ ہوا۔ ادبار کی رفتار نمایاں ہو گئی۔ دشمن غالب آتے اور علاقے پر علاقہ غصب کرتے گئے ۱۲

مغل

یہ قوم سنہ ۱۲۰۶ء میں چنگیز خاں کی رہنمائی میں تاتار کے پہاڑوں سے اُتر کر مہذب دنیا کے بہت بڑے خطّے پر پھیل گئی۔ پہلے تباہی و بربادی کے وہ نقشے جمائے کہ فتنۂ تاتار کو دنیا میں مشہور کر دیا۔ پھر متمدن ہو کر مختلف ملکوں میں اقامت کی تو ملک گیری و کشورکشائی کے ساتھ ملک رانی و معدلت گستری میں بھی نام پیدا کر گئے۔ چنگیزی نسل ختم ہوئی تو اُسکی دختری اولاد تیمور گورگاں کے وقت سے شاہی و فرمانروائی کی اجارہ دار بنی۔ اِس نسل کے ایک بادشاہ ہمایوں نے سقّے کو نصف دن کی حکومت بخشی تھی اور اس نے چام کے دام چلا دیئے تھے۔ قدرت نے اِس قوم کو اپنے نصف دن کی حکومت عنایت کی۔ چنانچہ وہ سنہ ۱۷۰۰ء تک یعنی پانسو سال دھڑلے کی حکومت کرتے رہے۔ کچھ کچھ دھونی سلگتی پھر بھی رہی سنہ ۱۸۵۷ء میں آخری چراغ گل ہوا اور جس طرح سقّے کی حکومت ایک خواب تھی مغلوں کی سلطنت بھی خوابِ خیال ہو گئی۔ یہ بھی گویا چام کے دام تھے جو چل چکے ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔

باب سوم

تنزل کا منظر

عروج کی ہزار سالہ میعاد۔ تنزل کی میعاد معلوم نہیں۔ بنی اسرائیل۔ ہنود۔ یونانی مصری اور ایرانی۔ چینی۔ تنزل کی حدبندی نہیں ہو سکتی۔

عروج کی ہزار سالہ میعاد | ہم نے اوراق گذشتہ میں فانی دنیا کا بہت سا تماشا دیکھ ڈالا ہے یعنی اقوام عالم کا شمار اگرچہ پیدا کرنے والے کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور اُن خوش نصیبوں کی تعداد بھی آسانی سے شمار نہیں ہو سکتی۔ جن کے حالات اوراق تاریخ کو مزین کرتے ہیں مگر آسمان شہرت پہ چمکنے والی اور انقلاب عالم میں نمایاں حصہ لینے والی جماعتوں میں سے ایک خاص تعداد کو

پیش نظر لایا گیا ہے اور جو اقوام قدیمہ مٹ چکی ہیں اور جو قدیم الایام سے آجتک موجود ہیں انکے ایک بڑے حصے کا حال معلوم کر لیا ہے۔ یورپ کی جو قومیں موجودہ زمانے میں برسر اقتدار آئی ہیں اُن کی طرف التفات نہیں کیا گیا کیونکہ اُنھوں نے ابتک زیادہ سے زیادہ عروج کا زمانہ جو دیکھا ہے چار سو سال کا ہے وہ پندرھویں صدی مسیحی میں اور اس سے پہلے شمار کے قابل نہ تھے اور اب اگرچہ چاند سورج بنکر چمک رہے ہیں مگر کے آمدی دکے پیر شدی ابھی قومی عمر کے لحاظ سے بچے ہیں۔ بڑھنے پھولنے کے دن ہیں۔ انجام معلوم نہیں کیا ہوگا۔ جن قوموں نے عروج و نزول کی سب منزلیں طے کر لی ہیں اُنھیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ عروج کے لیے خدائی دن یعنی ہزار سال کا اندازہ بالکل صحیح ہے۔ اس سے زیادہ کسیکو بھی قیام نہیں رہا اور کمتر اقوام ہیں جن کا عروج ہزار سال تک برابر قائم رہا ہو۔ بعض اقوام کا زمانہ سنہ اور تاریخ کے حساب سے ہزار سے سو پچاس سال زیادہ نکلتا ہے مگر اول تو اتنے بڑے عرصے کے اندر چند سال کی کمی بیشی کوئی وقعت نہیں رکھتی اور دوسرے شمار میں یہ فروگذاشت بھی ہوجاتی ہے کہ کسی با اقبال فرمانروا کی تخت نشینی سے اسکی قوم کا عروج فرض کیا جاتا ہے اور زوال کی وہ تاریخ تصور کی جاتی ہے جبکہ دوسری قوم تصرف کرتی ہے۔ حالانکہ تخت نشینی کے بعد سالہا سال سعی کوشش میں صرف ہوتے ہیں تو امن و خوشحالی کے دن میسر آتے ہیں اور یہی حقیقت میں عروج کے آغاز کا وقت ہے اسی طرح دوسری قوم کے تصرف کرنے سے بہت مدت پہلے حکام میں کمزوری اور ملک میں بدامنی پیدا ہوجاتی ہے جو اغیار کو حملہ آور ہونے کی ترغیب دیتی ہے۔ یہ کمزوری اور بدامنی کا زمانہ واقع میں عروج کے ختم ہونے کا وقت ہے۔ ان اوقات کو منہا کیا جائے تو کہیں پچاس اور کہیں سو اور کہیں دو سو سال بھی عروج سے نکال کر تنزل میں شامل کئے جا سکتے ہیں خدائی دن کا صحیح اندازہ کرنے والا خدا ہے۔ اُس کے حساب میں غلطی ممکن نہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے گھر سے کسی قوم کو ہزار سال سے زیادہ اقبالمندی کی دولت نہیں ملی۔

تنزل کی میعاد معلوم نہیں | مگر تنزل کی تاریخ سے کسی قاعدے کا دریافت کرنا بظاہر دشوار ہے

فنیقی۔ اسیریا والے۔ بابل والے۔ ہُن اور گاتھ اور کئی اور اقبالمند گروہ تنزل کے چکر میں پڑے تو ایسے گم ہوئے کہ اب اُنکی نسل کا بھی نشان نہیں ملتا یہ تنزل کی سب سے سخت گرفت ہے جس نے ان اقوام کے نام لیوا بھی دنیا کے پردے پر نہیں رہنے دیئے تو اب اِن کے دوبارہ ترقی کرنے کا کیا امکان ہے۔ ہو گی اُنکی نسل بھی اسی دنیا میں، اور دیگر اقوام میں شامل ہو کر ترقی اور تنزل کا مزا بھی چکھتی ہو گی مگر چونکہ اپنی جداگانہ ہستی سے محروم ہے اسلیئے ایسے لوگوں کا تنزل بھی کسی حد اور میعاد پر ختم نہیں ہو سکتا۔ بعض قومیں اور ہیں جو تنزل میں مبتلا ہوئی ہیں تو ہزار سال سے زیادہ گذرنے کے باوجود اُنکے تنزل کا اختتام نظر نہیں آتا۔ مگر ابھی تک موجود ہیں اور جداگانہ ہستی رکھتی ہیں۔ ایسی اقوام کے حالات میں باہمدگر بہت تفاوت ہے اور ہر ایک کی نسبت جدا جدا غور کرنے کی ضرورت۔

بنی اسرائیل | یہ لوگ آج بھی دنیا کے پردے پر موجود ہیں۔ اپنی قدیم روایات کو یاد رکھتے ہیں۔ اپنے بزرگوں کے مذہب پر ثابت قدم ہیں۔ مال و دولت کے لحاظ سے دنیا کی تمام اقوام پر فوقیت رکھتے ہیں۔ مگر خدا کے غضب میں گرفتار ہوئے ہیں تو ۵۸۶ ق م سے تنزل میں آکر آج اڑھائی ہزار سال گزرتے ہیں کہ اُنکی پستی کسی گہرائی پر جاکر ختم نہیں ہوتی۔ دیکھنے والوں کو اُنکی قومیت میں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ سوائے اِس ایک بات کے کہ تنزل کے چکر میں آکر اُنھوں نے اپنے بزرگوں کے تمام حالات کو یاد رکھتے ہوئے اُس رُتبے کو دوبارہ حاصل کرنے کی تڑپ اپنے دل میں قائم نہیں رکھی اور تمامتر ہمت تجارتی کاروبار اور مال و زر جمع کرنے کیطرف مبذول کر دی ہے۔ قدرت نے اُن کو ہمیشہ تازیانے مار کر جگانا چاہا اور محض یہودی ہونے کی وجہ سے دشمنوں نے ہمیشہ ان کا قتل عام کیا اور دولت مند ہونے کی وجہ سے غارت گری کی بلا میں مبتلا ہوتے اور قید و بند برداشت کرتے رہے مگر مال و زر کی محبت کا جو خاصہ ہے اسکو جدا نہ کر سکے۔ ہمیشہ پست ہمتی اور کمینگی کا شکار بنے رہے۔ نہ جان کو قوم کے نام پر فدا کر سکے نہ مال کو قومی کام میں لگا سکے۔

آجکل فلسطین کے انتظام میں انقلاب ہوا ہے تو جو لوگ قدیم الایام میں یہود کے کھلے دشمن تھے وہی آج اُنکے ہمدرد بن کر یہودیوں کو فلسطین میں بسنے اور اپنے قومی گھر کو آباد کرنے کی ترغیب دینے لگے ہیں اور یہودی اس مہم کو سر کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں مگر اس کا حاصل بھی اگر کچھ ہوا تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دولتمند ہونے کی وجہ سے جس طرح وہ اور ممالک میں بڑی بڑی جائدادوں کے مالک ہیں وہاں بھی روپیہ لگائیں گے تو زمینداریوں پر قابض ہو جائیں گے۔ مگر جولیت رکھتے نہیں ہیں تو مرد میدان کیونکر بن سکیں گے۔ دیگر ممالک میں رعایا کی حیثیت رکھتے ہیں وہاں بھی اتنا ہی کر سکیں گے کہ تعداد کثیر میں آباد ہو کر اپنی قومی آواز اپنے محسنوں کے حق میں بلند کرتے رہیں گے۔ آزادی ہمسایوں کو بھی لینے نہ دینگے اور وفادار رعایا رہ کر مال و زر کا انبار لگاتے ہوئے زندگی کے دن گذار دینگے۔

ہندو | یہ قوم سنہ [illegible] سے تنزل کے غار میں گری ہے تو آج بارہ سو سال کے بعد بھی اس سے نکلنے کا رستہ نہیں پاتی۔ قدیم روایات کو نہایت مبالغے کے ساتھ یاد رکھنے کی عادت بھی ہے، اسپر فخر بھی ہے۔ اپنے زوال کی حسرت بھی ہے، قدیم رسم و رواج کو چھوڑا بھی نہیں۔ بہت بڑی تعداد ہے۔ اگر ایک طبقہ بنج بیوپار کا عادی اور دھن دولت کا لوبھی ہو کر امن پسندی کا خوگیر ہو گیا ہے تو بڑی تعداد تلوار کے دھنی اور منچلے سورما پیدا کرنے والی بھی ہمیشہ رہی ہے جو دھرم اور دیش کے نام پر قربان ہونے۔ مال و اولاد کو فدا کرنے اور جان سے بے پروا ہونے کی مثالیں ہمیشہ پیش کرتے رہے ہیں۔ دھرم ارتھ کے کاموں میں رفاہ عام میں اور قومی اغراض میں بڑی سیر چشمی سے روپیہ خرچ کرنے کی عادت رکھتے ہیں۔ اب دنیا کا تمام ملکی و مالی انتظام نئے طریق سے ہونے لگا ہے تو اس میں بھی جہانتک موقع ملا ہے اس قوم نے اپنی جسمانی اور دماغی قابلیت کو ثابت کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ فوجی کاروبار میں جن منصبوں تک فائز ہو سکے ہیں اُنکے فرائض بجا لانے میں ہر طرح کا اعزاز پاتے رہے ہیں۔ انتظامی کاروبار میں دخل پایا ہے تو بڑی بڑی یاستوں

کی مدار المہامی اور انگریزی حکومت کے ماتحت وزارتوں کی ذمہ داری کونسلوں کی صدارت بلکہ صوبے کی گورنری میں بھی جس قدر کام کیا ہے نہایت دلیری۔ بڑی دانائی اور نہایت اعلیٰ قابلیت سے انجام کو پہنچایا ہے۔

اب آکر ایک نقص ضرور پیدا ہو گیا ہے کہ انکے تعلیم یافتہ نوجوان ذہنی غلامی میں مبتلا ہو کر اپنے آقاؤں کی طرز و روش وضع قطع اور ماند و بود کو باعث عزت سمجھنے لگے ہیں اور اپنی طرز و روش کو ذلیل سمجھ کر ترک کرتے جاتے ہیں اور بلند رتبوں پر فائز ہو کر اپنی قوم کی بجائے آقاؤں کی سوسائٹی میں شریک ہونے پر فخر کرنے لگے ہیں۔ یہ سب قومی روح سے محروم ہونے اور غیر قوم میں مدغم ہونے کی علامتیں ہیں اور ثابت کرتی ہیں کہ دلوں میں محبت انہیں کی ہے جن کی سب ادائیں پسند ہیں اور جن کی روش ناپسند ہے اُن سے ایک طرح کی نفرت ہے اور یہ کیفیت ہے تو ایسوں کے لیئے محبت والوں کے مقابلے میں استقلال کیونکر ہو۔ مگر نہیں ہندو قوم میں یہ مرض بھی ایسا راسخ نہیں ہوا کہ علاج پذیر نہ ہو۔ اُنکے اندر اکثر بڑے بڑے لیڈر گوکھیل۔ تلک۔ گاندھی اور مالوی جیسے اپنی قومی روش کو پورے طور پر قائم رکھتے آئے ہیں۔ اِس نقص کو سمجھنے کی دیر ہے لیڈروں کے پاک نمونے بہت جلد اس مرض کو دفع کر سکتے ہیں۔ اور گاندھی کیپ اور کھدر کا لباس کوٹ پتلون اور ہیٹ کی جگہ لے سکتا ہے۔

غرض یہ قوم ہر لحاظ سے زندہ اور جان دار ہے اور اس کا اتنے بڑے عرصے تک تنزل میں مبتلا رہنا عجیب ہے۔ مگر بے سبب نہیں۔ ایک عادت ایسی رکھتے ہیں جسکو قابل تعریف کہو یا لائق مذمت قومی احساس کے لیئے زہر قاتل کا حکم رکھتی ہے۔ اس عادت کو قناعت کے نام سے یاد کرو یا کسی اور لفظ سے اِن کا عام خاصہ ہے کہ انقلاب رونما ہو تو اسکے ہمرنگ ہو کر اپنا مطلب نکالنے لگتے ہیں اور اپنی حالت میں خوش رہتے ہیں۔ یہ عادت اِن میں قدیم الایام سے پائی جاتی ہے اور آجتک موجود ہے۔ مسلمان آئے تو اِن کے ساتھ ہندو ایسے گھل مل گئے کہ بہت تھوڑے عرصے میں اِن کی زبان کے اکثر الفاظ ہندوؤں کی زبان پر جاری ہو گئے

اور مسلمانوں کے ابتدائی دَور میں ہندو شاعروں کے کلام میں عربی اور فارسی کی آمیزش نظر آنے لگی۔ اِن الفاظ کا بے تکلف استعمال ہی ظاہر کرتا ہے کہ ہندو محبت کے ساتھ انکی دوستانہ صحبتوں میں شریک ہونے لگے تھے اور نہ صرف اِسیقدر بلکہ مسلمان بادشاہوں کو اپنے راجاؤں کی طرح ایشور کا اوتار سمجھ کر اُنکے آگے ڈنڈوت اور سجدے کرنے لگے تھے اور مسلمانوں کی حکومت سے ایسے خوش نظر آتے تھے کہ اگر اُنکے چار آدمی کبھی بادشاہ وقت سے سرکشی کرتے تھے تو دس آدمی انہی کے بھائیوں میں سے بادشاہ کی حمایت میں جان لڑانے اور اپنے بھائیوں کا گلا کاٹنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ مغلوں کے آخری زمانے میں شاہ گردی ہوئی اور تخت و تاج کو کھلونا سمجھ لیا گیا تو اُس وقت بھی ایک بادشاہ کو نالائق سمجھ کر معزول کرتے تھے تو اسی خاندان کے کسی اور شاہزادے کو تخت پر بٹھا دیتے تھے اور کسی راجا مہاراجا کو یہ خیال نہ آتا تھا کہ موقع ہے اپنے لیئے بھی کوشش کر دیکھیں۔ ۱۸۵۷ء میں فوج کا کمپنی سے بگاڑ ہوا تو ہندو مسلمان جس شخص نے انقلاب میں حصہ لیا قدیم خاندان کے بڈھے پنشنخوار بادشاہ کی طرف لپکا۔ اِس وقت بھی جبکہ بنی بنائی فوج ہاتھ میں تھی اور بظاہر انگریزوں کے پاؤں اکھڑے نظر آتے تھے کسی سورما مہابیر نے تخت کے لیئے اپنے تئیں پیش نہ کیا۔ سیواجی اپنے وقت میں ہندو راج قائم کرنے کے نام سے راج تلک دھارن کر کے بڑی آن بان سے نکلا تو اس وقت بھی اسکی اپنی جاتی کے سوا کسی ہندو نے اِس کا ساتھ نہ دیا۔ سکھ کچھ عرصے کیلئے پنجاب میں نمایاں ہوئے مگر ہندوؤں کی ہمدردی وہ بھی حاصل نہ کر سکے۔ وہ بات بھی بناوٹی تھی۔ ہندو آج سیواجی کا دن منانے لگے ہیں مگر اُسوقت مرہٹہ قوم نے ہندو جاتی کی سیوا میں ایک طرف جب اپنی کمیں گاہوں سے قدم باہر نکالا ہے تو ہندو مسلمان سب کو لوٹنے اور برباد کرنے کا بیڑا اٹھا لیا ہے۔ سکھوں کی بے قاعدہ حکومت سکھا شاہی نام سے آجتک ضرب المثل ہے۔ اور اگرچہ مرہٹے ملک کے بہت بڑے حصے پر پھیل گئے تھے مگر تمام پبلک نے تخت نشینی کا استحقاق چونکہ مغلیہ خاندان سے مخصوص کر چھوڑا تھا۔ اِس عام رائے کے خلاف مرہٹوں کو بھی علانیہ

راجگی کے اعلان کا حوصلہ نہ ہوا اور جو حقوق حاصل کیے وہ بادشاہ دہلی کا فرمان لکھوا کر اور تخت دہلی کے ماتحت بنکر لیئے۔ ملک میں چاروں طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور مرہٹے بظاہر اپنی امید میں کامیاب نظر آتے تھے۔ انکے وحشیانہ ظلم وستم کو ہندو پسند نہ کر سکتے تھے تو انکی مثال دیکھکر اور ملکی حالت سے فائدہ اٹھاکر ہندوؤں کو اپنی حالت بدلنے کا خیال ہوتا تو کئی دعوے دار کھڑے ہو سکتے تھے۔ سکھ پنجاب کے راجا بن گئے تھے انکی مثال بھی ملک کے اور اطراف میں کارآمد ہو سکتی تھی۔ ملک میں بڑے بڑے کھانڈے اور کٹار کے چلانے والے موجود تھے جنکی رگوں میں کھشتری راجاؤں کا خون دوڑ رہا تھا اور اُس وقت بھی اپنے اپنے حلقۂ اثر میں حکومت اور اقتدار رکھتے تھے مگر کسی نے قومی عروج کو واپس لانے کی ہوس نہ کی اور جہاں تک ہوسکا ہر زمانے میں شاہ وقت کے مخلص وفادار بنے رہے۔

ہندوؤں میں اپنی حالت پر خورسند اور اغیار کی حکومت پر رضامند رہنے کا یہ زبردست جذبہ شاہانِ وقت کے ساتھ اخلاص وعقیدت رکھنے تک محدود نہ تھا بلکہ ہندوؤں کا ربط ضبط مسلمانوں کے ساتھ یہانتک بڑھ گیا تھا کہ بادشاہوں سے گذر کر وہ مسلمان فقرا سے بھی عقیدت کا اظہار کرنے لگے تھے۔ اُن کے مرید بنتے تھے اور ہندو رہنے کے باوجود اُنکے ارشاد وہدایت کے مطابق روحانی اور اخلاقی ترقی کی سعی کرتے تھے اور زندہ پیروں سے گذر کر بزرگانِ دین کے مزاروں پر نہایت اخلاص اور محبت سے حاضر ہوتے تھے۔ منتیں مانتے تھے۔ چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ اور عورتوں اور بچوں کو ساتھ لاکر اُنکے لیئے برکت حاصل کرتے تھے۔

اب مذہب اور سوسائٹی کا رنگ بدل گیا ہے اور ہندوؤں میں ایسے لوگ کثرت سے پیدا ہوگئے ہیں جو مسلمانوں کے مذہب۔ انکی حکومت اور اُنکے تمام اوضاع واطوار میں عیب نکالنے لگے ہیں اور مسلمان مٹ چکے ہیں تو اب اُن سے انتقام لینے کے لیئے

اُٹھے ہیں اور ہندوؤں کے دل میں اُنکی طرف سے نفرت کا بیج بونے لگے ہیں مگر باوجود اسکے اُنکی بڑی تعداد آج بھی اپنے بچّوں کو مسلمان فقیروں سے دم کروانے اور مزاروں پر لیجا کر چراغ کی سیاہی سے اُنکی پیشانی پر ٹیکہ لگانے کی عادت رکھتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کا اتحاد کسی تصنع اور بناوٹ پر مبنی نہ تھا اور ہندو دل سے انکو پسند کرتے تھے اور اُنکی حمایت میں آکر جسمانی راحت اور روحانی برکات حاصل کرنے لگے تھے اور اپنی حالت پر خوش تھے۔

البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوؤں کے ایسے اخلاص اور عقیدتمندی کے اندر اُنکی قناعت پسندی کے علاوہ اُس وقت کے مسلمانوں کی خوش اطواری اور اُنکے اعلیٰ اوصاف کا بھی اثر تھا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ آج مسلمانوں کی بجائے انگریزوں کا راج ہے اور ہندوؤں نے انگریزوں کے ساتھ اخلاص اور وفاداری کا اظہار مسلمانوں سے کم نہیں کیا۔ بلکہ اب چونکہ مسلمانوں کا آخری دَور اور اسکی بدامنی بھی پیش نظر ہے مقابلہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے تمام زمانے کو بدامنی اور فساد کا الزام لگا کر انگریزی عہد اور اُسکی برکات کا راگ زیادہ بلند آہنگی سے گایا جاتا ہے مگر یہ محبت اور خلوص جسقدر بھی ہے انگریزی حکام کے ساتھ ہے۔ انگریزوں کے مذہبی مقتداؤں اور پادریوں سے ہندوؤں کو وہ خوش اعتقادی پیدا نہیں ہوئی جو مسلمان فقرا اور بزرگانِ دین سے تھی حالانکہ انگریزوں کے قسّیس اور راہب اور بالخصوص کیتھولک فرقے کے مذہبی خدام ریاضت کشی اور عزلت گزینی خوش اخلاقی اور تقدس کے اظہار میں اور لوگوں کو اپنی جانب مائل کرنے میں وہ یدطولےٰ رکھتے ہیں جو مسلمان ایک طرف کسی مذہب کے رہنماؤں کو میسر نہیں مگر ہندوؤں پر اُن کا جادو کارگر نہیں ہوا اور اُنکی عورتوں اور بچوں کو راہبوں کی دعا اور برکت سے فائدہ اُٹھانے کی ترغیب نہیں ہو سکی۔

یہیں سے پردہ فاش ہوتا ہے اُس راز کا جسکو چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مسلمانوں میں مذہبی رواداری نہ تھی اور وہ جبرًا مسلمان بناتے تھے۔ حالانکہ جبر ایک طرف

مسلمان زبان سے بھی اسلام کی ترغیب دینے کی عادت نہ رکھتے تھے اور اسیوجہ سے ہندو جوق جوق اُنکی خدمت میں جاتے اور فیض صحبت حاصل کرتے تھے۔ عیسائی پادری ترغیب دینے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے۔ کوئی علاج کے لیئے جائے کوئی تعلیم حاصل کرنیکے لئے جائے۔ کوئی بھوکا غریب خانے میں ٹکڑا مانگنے جائے وہ سب جبتک مسیح کی بھیڑوں میں داخل ہونے کا وعظ نہ کہیں گے کسی کی آرزو کو پورا نہ کرینگے۔ یہی مصیبت ہے جس کا خوف ہندوؤں کو ان سے برکت لینے پر مائل نہیں کرتا۔ مسلمان بھی ایسے ہوتے تو ہندوؤں کی تعداد کثیر ہندو رہ کر اُنکے مریدوں میں کیونکر داخل ہوتی۔

غرض ہندوؤں کی قناعت پسندی اور ہر زمانے کے رنگ سے رنگین ہو کر خوش رہنے کی عادت اگرچہ قابل تعریف ہے مگر یہی نقص ہے جو اُنکو تنزل سے نکلکر عروج کی طرف جانے کی ہمت نہیں بخشتا۔ آجکل تمام دنیا میں جمہوری حکومت کی طرف میلان پیدا ہو گیا ہے اور ہر قوم قومی حکومت حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگی ہے تو اہل ہند کو بھی سوراج لینے کی رغبت پیدا ہو گئی ہے۔ اگر یہ ذائقہ چکھنے کا لالچ نہ ہوتا تو ہندو کسی اپنے ہم قوم راجا کا راج قائم کرنے کے لئے قیامت تک بھی کوشش نہ کرتے اور جو قوم برسر اقتدار ہوتی اُسی کے سانچے میں ڈھلکر خوشی سے دن گزارتے رہتے۔ اور اب بھی اُنکی حکام پرستی کا جذبہ کہاں گیا ہے سوراج لینے کی خواہش ہوتی ہے تو کسی طرح کے پس و پیش کے بعد آجتک جس مطالبے پر سب نرم اور گرم پارٹیوں کا اتفاق ہو سکا ہے وہ نہرو سکیم سنہ ۱۹۲۹ء کے مطابق انگریزی حکومت کے زیر سایہ خود مختاری حاصل کرنے کی خواہش ہے۔ اِنکی سب سے آزاد خیال پارٹی نے اِسپر قناعت کی اور اسکی میعاد مقرر کرنیکے بعد سال کے آخری گھنٹے تک اُسکے برسرکار آنے کا انتظار کیا اور ناکام رہے تو سنہ ۱۹۳۰ء کو اُنکے ایک طبقے نے سول نافرمانی کے ساتھ مقابلہ شروع کیا ہے۔ مقابلہ سخت ہے مہم طولانی ہے۔ اور معلوم نہیں ہندو قوم کیا پینترے بدلے گی۔ سردست تاریخ کی رہنمائی میں کوئی رائے قائم نہیں ہو سکتی۔

یونانی

یہانتک جو کچھ کہا گیا ہے اگر صحیح ہو تو ثابت ہوتا ہے کہ ہندو اگرچہ بنی اسرائیل کی طرح مردانہ اوصاف سے عاری نہیں ہوئے مگر بعض قومی خصائص ایسے رکھتے ہیں جن کی وجہ سے آجتک اپنی رفتار کو بدلنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ یہی حالت بڑے عرصے تک اہلِ یونان کی رہی ہے۔ وہ قوم بھی زندہ ہے قدیم روایات بھی محفوظ ہیں مگر ہم نے اُن کی تاریخ میں دیکھا کہ تاریخی زمانے میں اُن کی اپنی قومی حکومت جیسی کچھ بھی تھی صرف اڑھائی سو سال رہی ہے۔ اسکے بعد دو ہزار سال سے زیادہ عرصے تک تنزل کی حالت میں اغیار سے دبے رہے۔ علم و فضل میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ تلوار کے بھی دھنی تھے غیروں کی ماتحتی میں دور دراز ممالک پر دھاوے بولتے رہے ہیں مگر قومی جذبات کو بیدار نہیں کرسکے تو اسلئے کہ جو انقلاب آیا وہ ایسا ہی مُردگی پھیلانے والا نکلا۔ مقدونیہ والوں کو اپنا ہمسایہ سمجھکر اُن کی سلطنت کا بازو بنے تو جلد ہی سکندر کی وفات پر اہلِ مقدونیہ کی کئی جماعتیں بن گئیں اور یونانیوں کے گلے کو کبھی کوئی جرنیل اور کبھی کوئی ٹانگ کر اپنے ساتھ گھسیٹتا رہا اور آقاؤں کے باہمی فساد میں اُن کا خون بہتا رہا۔ رومیوں کے آنے پر خوش ہوئے مگر انکی ظالمانہ حکومت نے رہی سہی مٹی پلید کر دی۔ دُوں ہمتی کے علاوہ آبادی بھی کم ہو گئی۔ اِس حالت خود فراموشی میں چھ سو سال گذرے تو گاتھ قوم کے سخت حملے نے یونانیوں کو اپنی خستہ حالی کیطرف متوجہ کیا۔ جس سے ممکن تھا کہ اِن میں قومی جوش پیدا ہو جاتا مگر اسی زمانے میں یونان کے اندر مسیحیت کی اشاعت ہوئی جس نے عیسائی مورخ کہتے ہیں کہ انکی اخلاقی حالت کو سدھار دیا۔ بیشک ایسا ہوا ہوگا مگر جس قومی احساس کی ضرورت تھی اُسکو مسیحیت سے کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ قومیت کے لئے خود داری کی حاجت ہے۔ اپنے بھائی کی ذلت کو اپنی ذلت سمجھنے کی حاجت ہے اور اپنی اور اپنی قوم کی ایسی حالت میں اپنی جان پر کھیل جانے کی اور دشمن کی جان پر بنا دینے کی حاجت ہے تو ایسی تعلیم جس میں ایک گال پر تھپڑ کھا کر دوسرا گال سامنے کر دینے کا حکم ہو وہ جذبہ کیونکر پیدا کرسکتی ہے کہ

آدمی مظلومیت سے رہائی پانے کیلئے ظالم کا خون پانی ایک کر دے۔ نئے نئے مذہب کا تازہ
شوق اور پھر اسکی دیسی تعلیم۔ یونانی جہاں تھے وہیں رہے بلکہ اور زیادہ صبر سے مصیبتیں برداشت
کرنے لگے۔ اس زمانے میں یورپ تمام غفلت کی نیند میں بیہوش تھا یونانی بیداری کس
سے سیکھتے۔ ایک روما والے بیدار تھے جو ٹیکسوں کی بھرمار سے تن کے کپڑے بھی اتروا لیتے
تھے یا گاتھ اور ہُن قوم کا دورہ تھا جو لوٹ مچاتے رہتے تھے۔ یونانیوں کی عیسائیت نے
اُنکی تعدی برداشت کرلی تو اور کونسا تازیانہ پیدا ہو سکتا تھا جو اُنکو بیدار کرتا عیسائی مورخ
لکھتے ہیں کہ ترکوں کی حکومت ظالمانہ تھی۔ حالانکہ ترکوں نے تمام اقوام کو مذہبی آزادی دے
رکھی تھی اور ہر قوم پر اُنکے مذہبی پیشوا اور انہی کے ہم قوم مجسٹریٹ حکومت کرتے تھے۔ اس برتاؤ
نے یونانیوں کو اور مزے کی نیند سلا دیا ہوگا۔ ترکوں کی حکومت دو چار دن کی نہ تھی پونے
چار سو سال کا لمبا عرصہ تھا اور یونانی اس تمام زمانے میں خاموش رہے صلیبی جنگ کی
ناکامی نے یورپ کو برافروختہ کیا اور مسلمانوں کی طرف سے اُنکے دل میں نفرت بھری ترکوں
میں جبتک دم تھا کسی کو آنکھ بھر کر دیکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ وہ کمزور ہوئے تو یورپ کی شہ سے
ترکوں کی عیسائی رعایا نے دھندلا مچانا سیکھ لیا۔ یورپ نے اُنکی حمایت کی اور آہستہ آہستہ
سب کو آزاد کرا دیا۔ یوں ہمسایوں کی مدد سے یونانیوں میں بھی رجولیت آگئی اور آج اپنے
تئیں آزاد قوموں میں شمار کرنے لگے۔

مصری اور ایرانی ان اقوام کی حالت یونان سے مختلف ہے۔ ان دونوں کی نسل
اب تک موجود اور اپنے ملک میں آباد ہے مگر دونوں کو اپنی قومی روایات سے اُنس نہیں
رہا۔ مصری عیسائیت کا تماشا دیکھ کر اسلام میں آئے۔ ایرانیوں نے اپنا مذہب چھوڑتے ہی
اسلام کا دامن پکڑا اور اسلام نئی قومی روح پیدا کرنے والا مذہب ہے اور قومیت کی بنیاد وطن
اور نسل اور زبان سب سے بیگانہ ہو کر محض مذہب پر قائم کرتا ہے۔ اسلئے مصریوں اور ایرانیوں
کی قومیت بدل گئی۔ نہ وہ فرعونی اور کیانی سطوت و جبروت کا راگ گاتے ہیں نہ اُنکو وہ با

دنیا کے پردے پر لانے کے آرزو مند ہیں۔ وہ بندۂ عشق ہو کر ترک نسب کر چکے ہیں اور اس دائرے میں آکر ترقی اور تنزل کے جھولے میں تھوڑے تھوڑے عرصے کے لئے جھولتے بھی رہے ہیں اپنے اپنے وقت پر شہنشاہی اور خود مختاری کا مزا بھی چکھا ہے اغیار کی ماتحتی بھی دیکھی ہے ان کا عروج و زوال دنیا کے عام قاعدے سے باہر نہیں۔

چینی | مگر چینی قوم کی باقاعدگی سب سے زبردست ہے۔ قدیم الایام سے جس وضع پر قائم ہیں اُس سے ذرا نہیں سرکے۔ وہی وطن ہے، وہی روایات ہیں، وہی مذہب ہے اور وہی ہمیشہ کا اتار چڑھاؤ۔ عروج کا مزا بھی چکھتے رہے ہیں، زوال کا رنگ بھی دیکھتے رہے ہیں۔ مگر کسی حالت پر ایسے جم کر نہیں بیٹھے کہ انقلابی قاعدے کو توڑ کر ہزاروں سال تک اِدھر سے اُدھر نہ ہوئے ہوں بلکہ انھوں نے ترقی اور تنزل دونوں حالتوں کو پورے خدائی دن یعنی ہزار سال تک بھی قائم نہیں رہنے دیا۔ اور ہمیشہ اپنے مدارج کو جلد جلد بدلتے رہے ہیں۔ آجکل دن پھرے ہوئے ہیں اور جمہوریت میں کامیاب ہوتے جاتے ہیں خدا کرے اس حالت میں پورے خدائی دن کا لطف اٹھائیں۔

تنزل کی حد بندی نہیں ہو سکتی | اِن حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عروج کی بڑی سے بڑی مدت دنیا میں ہزار سال ہے اسی طرح تنزل بھی کسی حد کا پابند ہوگا مگر کوئی قوم مردہ ہو گئی ہو اور اپنا نام و نشان کھو چکی ہو وہ ترقی اور تنزل دونوں کی حد سے باہر ہو جاتی ہے۔ دنیا کی بہت قومیں اسی گھاٹ اتر چکی ہیں۔ اور جس قوم میں قومیت موجود رہے مگر کسی وجہ سے قومی احساس نابود ہو جائے تو اسکا تنزل عرصۂ دراز تک قائم رہتا ہے اور جب تک کسی سبب سے قومی احساس دوبارہ پیدا نہ ہو ترقی کی صورت نظر نہیں آتی۔ بنی اسرائیل کا یہ مرض سخت ہے۔ اسکے عروج حاصل کرنے کی توقع بہت کم ہے۔ ہندو قوم بھی اسی سخت مرض میں مبتلا ہے مگر قدرت نے اب آکر ایک دوا بھی پیدا کر دی ہے۔ اسکی تگ و دو کرنے لگے ہیں پوری خوراک میسّر آجائے گی تو ممکن ہے تندرستوں میں شمار ہونے لگیں۔ یونانی بھی بیمار تھے

مگر ہم نے دیکھا کہ ہمسایوں نے مسیحائی کی۔ زبردستی دوا گلے سے اتار دی۔ تندرست ہو گئے جو قومیں زندہ ہیں اور ایسے کسی مرض میں مبتلا نہیں ہیں وہ ترقی اور تنزل دونوں میں خدائی قانون کی پابند ہیں اور اِدھر سے اُدھر ہوتی رہتی ہیں۔ دنیا کے ایسے حالات کا جائزہ لیکر اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس قاعدے کے مطابق اسلامیوں نے اس وقت تک کیا کچھ کرنے کی توفیق پائی ہے اور ان کے حالات گذشتہ اور موجودہ کو دیکھتے ہوئے آیندہ کی نسبت اُنکی ذات سے کیا توقعات وابستہ ہو سکتی ہیں۔

بابؔ چہارم

اسلامی اقتدار کی عمر

اسلامی قومیت کا مفہوم۔ خاندانی تخت کی لعنت۔ تقسیم قوت اور علمی ترقی تقسیم قوت کی وجہ۔ حدود ممالک اسلامی۔ خلافت کا فائدہ۔ تقسیم قوت اور انتظامی سہولت اسلامیوں کا ہزار سالہ اقتدار۔ ہزار سال کے اختتام کا زمانہ۔

اسلامی قومیت کا مفہوم اسلامی اقتدار کی نسبت کسی فیصلے تک پہنچنے سے پہلے یہ خیال کر لینا چاہیئے کہ اسلام نے جس قوم کو دنیا سے روشناس کیا ہے اسکی قومیت اور اسکے باہم ارتباط و اتحاد کی بنیاد محض مذہب پر ہے۔ نہ کسی وطن اور کسی نسل پر۔ اگر ایک باپ کے دو بیٹے ایک گھر میں رہتے ہوں مگر ایک مسلمان ہو اور دوسرا نامسلمان تو اسلام کے رو سے انکی قومیت ایک نہیں۔ نامسلمان بھائی کی ضرورت کے وقت مسلمان بھائی پر اسکی امداد فرض ہے مگر جہاں قومی اغراض کا تعلق ہوگا وہاں مسلمان کا سلوک اپنے نامسلمان بھائی سے ہی ہوگا جو اس حالت میں نامسلمان سے ہونا چاہیئے۔ اسی طرح مشرق و مغرب کے فاصلے پر رہنے والے دو شخص نسل، وطن، زبان، رنگ اور حالات کے اندر ایک دوسرے سے کیسے ہی مختلف ہوں اگر دونوں مسلمان ہیں تو ایک دوسرے کے ہم قوم ہیں ایک دوسرے کے ہمدرد ہیں اور حقیقت میں دونوں

ایک ہیں۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے اور یہی ہمیشہ سے مسلمانوں کا عمل رہا ہے۔ غلامی کو دنیا ہمیشہ سے ذلیل سمجھتی آئی ہے بلکہ غلامی اور ذلت کا مفہوم ایسا متحد سمجھا جاتا ہے کہ آج بھی کوئی شخص دوسرے کا ماتحت یعنی نوکر یا رعیت بن کر کوئی ذلت برداشت کرتا ہے تو اس کا ذکر غلامی کے لفظ سے کیا جاتا ہے اور دوسری طرف دامادی سب سے بڑا اعزاز ہے جو ایک شخص دوسرے شخص کو دے سکتا ہے مسلمانوں میں اسلامی قومیت اور اتحاد کی قوت دیکھو کہ بارہا اُن کے بادشاہوں نے غلاموں کو اپنی دامادی میں قبول کیا ہے اور اسلامی اتحاد کی وجہ سے سب سے زیادہ ذلیل ہستی کو سب سے زیادہ عزیز اور شریف رتبے تک پہنچا دیا ہے۔ ہندوستان میں غلاموں کے ایک خاندان نے دامادی کے بعد شاندار سلطنت اور عظمت حاصل کی ہے مصر میں غلاموں کے دو خاندان بڑے عرصے تک عظیم الشان سلطنت کے مالک رہے ہیں۔ غزنی میں سبکتگین کا خاندان اور بغداد میں معتصم باللہ کے غلام غلامی سے شاہی و سلطانی تک پہنچے ہیں اور اسکے برخلاف دیگر تمام اقوام عالم میں ہم قوم اور غیر قوم بلکہ ایک قوم کے اندر رذیل اور شریف کا ایسا سخت امتیاز ہے کہ باوجود ہم مذہب ہونے کے وہ پہلو بہ پہلو عبادت نہیں کر سکتے۔ ایک میز پر کھانے کے لئے بیٹھ نہیں سکتے بلکہ زیادہ اترانے لگتے ہیں تو ایک دوسرے کے سائے سے بھی پرہیز کرتے ہیں اور روشن خیالی کے بڑے بڑے زبانی دعوے رکھتے ہوئے بھی آجتک مذہبی اشتراک نے کوئی مساوات پیدا نہیں کی اور غلاموں کو اپنا عزیز بنا کر شاہی منصب تک پہنچانے کی مثال مسلمانوں کے سوا دنیا میں کسی قوم نے نہیں دکھائی۔

خاندانی فخر کی لعنت اب دنیا کا رنگ بدل گیا ہے اور خیالات کو اشاعت دینے اور دنیا کے ہر گوشے تک پہنچانے کا سامان تہذیب و تمدن کی ترقی سے کثرت کے ساتھ پیدا ہوتا چلا گیا ہے تو ہر قوم کے نیک و بد حالات سے دوسری قومیں متاثر ہونے لگی ہیں۔ جو قومیں آج ترقی کی طرف مائل ہیں وہ دیگر اقوام کے نیک اوصاف کی نقل کرنے لگی ہیں اور جو تنزل کے شکنجے میں گرفتار ہیں وہ اپنی خوبیاں چھوڑ کر دوسروں کی بدعادتیں اختیار کرتی جاتی ہیں۔ اسطرح

ایک طرف مذہبی جذبے سے کام لینے اور عوام الناس کو اس ذریعے سے مشتعل کرنے کا طریقہ متمدن اقوام نے سیکھ لیا ہے تو دوسری طرف مسلمان اپنے حسب و نسب پر فخر کرنے کی لعنت میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اپنی غرض اپنی رائے اور اپنی طرز و روش کے اختلاف سے ایک دوسرے کو نفرت کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں۔ مگر یہ منجملہ اُن نقائص کے ہے جو مسلمانوں نے ادبار کی حالت میں مذہبی تعلیم سے ناآشنا ہو کر اپنے اندر پیدا کر لیئے ہیں ورنہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کے زریں الفاظ آجتک بھی صفحات قرآن سے دھوئے نہیں جا سکے اور اسلام کی پاک تعلیم کے بموجب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے نسب اور عزت اور مال کی وجہ سے برتر ہونے کا دعوٰے نہیں کر سکتا مسلمان سب برابر ہیں اور جہاں جہاں مسلمان ہیں خواہ وہ تاتاری ہوں یا رومی ہوں یا حبشی ہوں سب کی اپنی قومیت فنا ہو چکی ہے۔ اور ایک ملت اسلامیہ ہے جس میں شمار ہونے کے سوا وہ اور کسی امتیاز پر فخر نہیں کر سکتے۔ پس جس طرح وہ مسلمان قوم تھی جس نے دمشق، بغداد اور قرطبہ کو اپنا مرکز بنایا اسی طرح وہ بھی مسلمان قوم ہے جس نے قسطنطنیہ کی دیوار پر جھنڈا گاڑا۔ قاہرہ میں نعرہ تکبیر بلند کیا۔ دلّی کے میناروں پر اللہ اکبر کہا۔ ایران و توران، طرابلس اور مراقش کی وادیوں کو کلمۂ توحید سنایا اور افریقہ، قبرس، روڈس اور سسلی وغیرہ کو اسلامی رنگ میں بوسے معطر کیا۔ غرض جس وقت اور جس جگہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہنے والے فرمانروا رہے ہیں دیکھنے والے انھیں اموی و عباسی، سلجوقی و عثمانی، تاتاری و افغانی کسی نام سے یاد کریں اور کیسے ہی تفاوت پیدا کریں حقیقت میں ہر وقت اور ہر مقام پر اسلامی قوم کی حکومت رہی ہے۔ اسلامی اغراض مد نظر رہے ہیں اور اسلام اشاعت پاتا اور پھیلتا رہا ہے۔

تقسیم قوت بلکہ ملک ملک کے اندر مسلمانوں کی جداگانہ شہنشاہی اور ملک کے مختلف حصوں میں چھوٹے چھوٹے خود مختار بادشاہوں کی حکومت نے اگرچہ اُن کو آپس میں ایک دوسرے کا دشمن بنا کر ہمیشہ بہت کچھ نقصان پہنچایا ہے مگر تاہم اول تو جہاں کہیں مسلمان حاکم رہا ہے خواہ وہ تمام اسلامی دنیا کا شہنشاہ ہو یا کسی چھوٹے اور بڑے ملک کا بادشاہ

اسکی عداوت اور جنگ رہی ہے تو برابر روا لوں سے۔ رعایا کو اُسکے مسلمان ہونے سے اسلامی شعار پر کار بند رہنے کی آزادی ضرور رہی ہے۔ علوم شریعت کی تعلیم و تعلم کے موقعے ضرور حاصل رہے ہیں اور اشاعت دین کے فریضے کو ادا کرنے میں اُنکو کسی مزاحمت سے سابقہ نہیں پڑا۔ اگرچہ اسلام کی اشاعت تلوار کی رہین منت نہیں ہے۔ چین میں اسلامی تلوار کبھی نہیں چمکی مگر وہاں بھی اسلامی روشنی اہل ملک کی بڑی تعداد کو اپنا حلقہ بگوش بنا چکی ہے۔ افریقہ کے جن دور دست علاقوں کو مجاہدین اسلام کے گھوڑوں نے پامال نہیں کیا مسلمان تاجروں کی وساطت سے اسلام پر ایسے فدا ہوئے ہیں کہ اغیار کو انکی حالت پر رشک ہے۔ ہندوستان ایک ہزار سال میں یعنی جب سے اسلام کا قدم یہاں جما ہے (۷۱۲ء تا ۱۸۵۷ء) تین کروڑ مسلمان پیدا کر سکا ہے مگر جب اسلامی حکومت کمزور ہوتے ہوتے نابود ہوگئی تو اس عرصے میں مسلمان آبادی کا شمار سات کروڑ سے زیادہ ہو گیا ہے یہ سب کچھ بغیر حکومت اور فرمانروائی کے ہوتا رہا ہے مگر اسلامی حکومت کے اندر فرائض اسلامیہ کو بجالانے کا شوق اور علوم اسلامیہ میں ماہر ہونے کی رغبت۔ اغیار کی جاہلانہ دریدہ دہنی سے بچاؤ اور انکی ظالمانہ یورشوں سے حفاظت جیسی کچھ حاصل ہوسکتی ہے وہ آزاد سے آزاد غیر حکومت کے اندر بھی میسر نہیں آسکتی اور بادشاہ چھوٹا ہو یا بڑا اگر مسلمان ہو تو ان سب سہولتوں کے موجود ہونے میں کوئی شبہ نہیں پس اسلام کے سب سے بڑے مدعا کے لیے اسلامی سلطنت کا ایک شخص کے ماتحت رہنا یا مختلف حصوں میں تقسیم ہوجانا کوئی تفاوت نہیں رکھتا۔

تقسیم قوت اور علمی ترقی | دوسرے اسلامی تاریخ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علوم مروجہ کے علاوہ دیگر علوم و فنون کی ایجاد و اختراع اور تصنیف و تالیف میں بھی اسلامی سلطنت کے ٹکڑے ہوجانے سے کوئی کمی نہیں آئی بلکہ جب تک اہل اسلام کے اندر اسلامی روح موجود رہی، ان کے تمام چھوٹے اور بڑے فرمانروا علوم و فنون کی ترویج میں ایک دوسرے پر فائق رہنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور کسی ملک میں سلطنت کے جس قدر زیادہ ٹکڑے ہوئے ہیں علمی رشک و رقابت نے اسیقدر ترقی کی ہے۔ ہسپانیہ میں اموی سلطنت پر زوال آنے کے بعد ۱۰۳۶ء سے

سنہ ۱۰۸۶ء تک اور موحدین کی شاہنشاہی کے بعد سنہ ۱۲۱۴ء سے سنہ ۱۴۳۲ء تک یعنی دو دفعہ ملک میں کئی کئی بادشاہ مختلف خطّوں پر حکمراں رہے ہیں اور اس زمانے کی نسبت وہاں کا مورخ لکھتا ہے کہ یہ سب بادشاہ بلا استثنا علوم و فنون کے سرپرست رہے ہیں اور ہر ایک فرمانروا اشاعتِ علم میں دوسروں پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتا رہا ہے گویا اسلامی گلوبند کے موتی سلسلے کو توڑکر پراگندہ ہوئے ہیں تو اس پریشانی نے سائنس اور لٹریچر کی آب و تاب کو ضائع کرنے کی بجائے اور پھیلایا ہے۔ یہی کیفیت تمام ممالک اسلامیہ میں دیکھی گئی ہے اور ایک بغداد اور ایک قرطبہ کی بجائے مسلمان باہم متفرق ہوئے ہیں تو قاہرہ۔ اصفہان۔ بخارا۔ غزنی اور دہلی بلکہ کہنہ حلب ہرات۔ جونپور اور حیدرآباد جیسے چھوٹے چھوٹے شہروں پر بھی بغداد اور قرطبہ کا گمان ہوتا رہا ہے۔

تقسیم قوت کی وجہ | تیسرے اس زمانے میں جبکہ قطع مراحل کا کوئی آسان ذریعہ نہ تھا اور خبر رسانی کا کام بھی اونٹ کی رفتار سے زیادہ سرعت کے ساتھ نہ چل سکتا تھا۔ دنیا کے جس طویل اور عریض حصے پر مسلمان مسلط رہے ہیں اسکا انتظام ایک بادشاہ کے ہاتھ سے جبتک ہوتا رہا ہے اعجاز سے کم نہ تھا اور یہ اعجاز صرف بنو امیہ دکھا سکے ہیں یا ان سے دوسرے درجے پر بنی عباس کے چار پانچ پہلے بادشاہ۔ روما کی سلطنت سنہ ۱۶۴ ق م تک یعنی قریباً چھ سو سال کے عرصے میں جس عروج تک پہنچی تھی اور جسکے بعد اسے کوئی نمایاں ترقی نصیب نہیں ہوئی اسکی وسعت مغرب میں گال یعنی فرانس اور ہسپانیہ سے گذر کر مصر اور کارتھیج تک پہنچتی ہے اور مشرق میں یونان۔ ایشیائے کوچک اور آرمینیا تک اور اسمیں سے بھی براہ راست حکومت مغربی حصے پر رہی ہے۔ مشرقی ممالک میں سے اکثر اندرونی طور پر خود مختار تھے۔ اس سلطنت کی اتنی بڑی وسعت ہی اسکے زوال کا سب سے بڑا سبب مانی گئی ہے۔ حالانکہ اہل روما قدیم الایام سے متمدن، مہذب اور ملک گیری و ملک رانی کے قاعدے قانون سے واقف بلکہ خود قانون داری میں تمام دنیا کے استاد ہیں۔ انھوں نے بہتیرے جتن کیئے۔ جمہوری انتظام کر کے بھی دیکھا جسمیں

اپنے شہر اور اپنے ملک کے علاوہ ماتحت علاقوں کو بھی انتخاب اور رائے دہی کا حق عطا کیا۔ اس سے کام نہ چلا تو سنہ ۲۷ ق م میں شاہنشاہی کی طرف جھکے اور باہمی صلاح و مشورہ میں دیر لگنے سے جو کام بگڑ جاتے تھے ان کا اختیار شخص واحد کے ہاتھ میں دیا کہ فوری ضرورتوں کا سرانجام جلد ہو جائے پھر بھی قباحتیں نظر آئیں تو سنہ ۲۸۴ء میں ایک شاہنشاہ کے ماتحت پورے اختیار رکھنے والے دو دو بادشاہ مقرر کیے اور دونوں میں کام کو بانٹ دیا۔ اس سے بھی کچھ نہ بنا تو سنہ ۳۶۴ء میں بغیر کسی جنگ و جدال کے محض اپنی خوشی سے ویلن اور والنٹی نی ان دو بھائیوں نے سلطنت کو مشرقی اور مغربی دو حصوں میں تقسیم کر لیا خرابی دور نہ ہوئی تو سنہ ۳۷۹ء میں پھر ایک بادشاہ بن بیٹھا۔ اسکے مرنے پر سنہ ۳۹۵ء میں پھر دونوں حصے خوشی سے دو بھائیوں میں تقسیم ہوئے۔ پھر بھی ہر ایک کے پاس اتنا ملک رہا کہ سنبھالے نہ سنبھلا اور اگرچہ دونوں سلطنتوں نے عمر کافی پائی مگر خدائی دن یعنی پورے ہزار سال کو کوئی نہ پہنچی۔ یکے بعد دیگرے دونوں اپنے بوجھ سے آپ زمین پر آ رہیں۔

حدود ممالک اسلامی | اب اسلامی ممالک کی وسعت دیکھو۔ آغاز اسلام سے ایک سو سال بعد سنہ ۷۲۳ء میں ہشام بن عبد الملک کی سلطنت کا اندازہ یہ کیا گیا ہے۔ افریقہ میں جبل الطارق سے خاکنائے سویز تک، بحیرۂ قلزم میں جزائر کی بہت بڑی تعداد، یورپ میں جنوبی فرانس اور تمام جزیرہ نمائے ایبیریا۔ ایشیا میں صحرائے سینا سے کوہستان مغول تک ان تمام ممالک پر مسلمانوں کی حکومت براہِ راست تھی۔ اندرونی خود مختاری کسی حصے کو حاصل نہ تھی اور آئندہ مختلف اوقات میں اُدھر قسطنطنیہ۔ یونان اور جزیرہ نمائے بلقان اور ادھر صحرائے قبچاق وغیرہ مغلوں کے علاقے کا اور ہندوستان کا اضافہ ہوا۔ ممکن ہی نہ تھا کہ اتنی بڑی دنیا کا انتظام اُس زمانے کے اندر ایک مرکز میں رہتا۔ پس خلفائے بنی عباس کا یہ رویہ اگرچہ کمزوری سے پیدا ہوا ہے مگر مناسب حال تھا کہ ہر ملک پر حکومت کرنے کی اجازت وہاں کے کسی صاحبِ اثر کو دے دیتے تھے۔

خلافت کا فائدہ اگر یہی انتظام رہتا اور مسلمان حکم شریعت کے مطابق خلافت کو اسکے پورے احترام کے ساتھ قائم رکھتے اور خلافت بھی حکم قرآنی کے مطابق اپنے فیصلوں کا انحصار مسلمانوں کے مشورے پر رکھتی تو ہر ملک کے بادشاہ کو اندرونی انتظام میں اور اغیار کے ساتھ حسب ضرورت برتاؤ کرنے میں آزادی رہتی۔ اور انکے باہمی نزاع و فساد کو دربار خلافت کے فیصلے باحسن وجوہ حل کر دیا کرتے اور حکم شریعت پر کاربند رہنے سے مسلمان فرمانروا وہی تمام فائدے حاصل کرتے جو دنیا کے عقلمندوں نے آج لیگ آف نیشنز (جمعیۃ الاقوام) کی ترتیب سے مدنظر رکھے ہیں مگر آہ انسانی خودسری آج بھی لیگ آف نیشنز کو انصاف کا فرشتہ بننے سے روکتی ہے اور اُس وقت بھی یہی ہوا کہ اقبالمندی کی ہوا نے دماغوں میں سماکر شریعت غرا کی پوری پابندی اور اُسکی برکات سے محروم رکھا۔

تقسیم قوت اور انتظامی سہولت مگر اسلامی دنیا کے مختلف خطوں پر فرمانرواؤں کی جداگانہ حکومت سے انتظام میں سہولت ضرور ہو گئی۔ اور مرکز اسلام سے دور دراز فاصلہ پر رہنے کی بجائے ہر ملک کا اپنا مرکز علیحدہ ہو گیا تو حکام کو رعایا کے حال سے باخبر رہنے کے موقعے زیادہ آسانی سے میسر آنے لگے اور بجائے گورنروں کے ہر خطے کا بادشاہ اپنے تئیں ذمہ دار اور جواب دہ سمجھنے لگا تو رعایا کی خوشحالی اور بہبود کی صورتیں بھی جلد اور سہولت کے ساتھ پیدا ہونے لگیں اور نیز اس انتظام سے اسلامی حدود کی وسعت اور فتوحات کی کثرت بھی ایسی ہوئی جو ایک مرکز قائم رکھنے سے نہ ہو سکتی تھی قسطنطنیہ میں مرکز قائم ہوا تو اس نے یورپ کو وُ آنا کی دیواروں تک ہلا ڈالا۔ مغرب میں فاطمی خلافت قائم ہوئی تو اُس نے افریقہ کے ویرانوں کو دور تک آباد کرنے کے علاوہ سمندر چیر کر سپین اور پرتگال کے شوریدہ سروں کی سرکوبیاں کیں اور اندلسی مسلمانوں کو اُنکی سفاکیوں سے بچایا۔ مغلوں کا طوفان جو مسلمانوں پر اُمڈا تھا جب اسلامی رنگ سے رنگین ہو کر مدے جزر کی طرف پلٹا تو تمام تاتاری علاقوں میں اللہ اکبر کی صدا گونجنے لگی۔ غزنی کو مرکزیت حاصل ہوئی تو ہندوستان کے دروازے کھلے محض بغداد مرکز رہتا تو ایسے

ایسے دور دست علاقوں میں کیسے ہی ظلم و ستم ہوتے اور نزاع و فساد رہتے نہ انکی گوشمالی کا خیال آسکتا تھا نہ اتنے بڑے بحری اور بری سفر کے لیے سامان مہیا ہوسکتا تھا۔ ہندوستان کے اندر مرکز قائم ہوا تو مسلمان اسکے تمام گوشوں تک پھیل سکے اور اسکے بعد بھی دکن میں جو فتوحات شاہانِ بھمنی کے وہاں سکونت پذیر ہونے سے ہوئیں بلکہ شاہانِ بھمنی کے بعد پانچ چھوٹی ریاستیں بن جانے سے بیجانگر اور مدراس کے احاطے میں جس قدر پیش قدمی ہوسکی اُسکا اہتمام اُس زمانے میں ہندوستان کے دارالخلافہ سے ہونا دشوار تھا۔ اسکے ساتھ آپس میں اتحاد بھی رہتا تو بڑی برکت تھی۔ اتحاد کا نہ ہونا زوال کا باعث بنا۔ لیکن اتنے عرصۂ دراز تک مسلمانوں کے قیام و استحکام کا سبب بھی قدرت نے یہی بنایا تھا کہ جہاں تک پھیلتے جائیں مرکزوں کی تعداد میں اضافہ کرتے جائیں۔

اسلامیوں کا ہزار سالہ اقتدار — خدائی دن کی حد کو توڑ کوئی نہیں سکتا تو مسلمانوں کی کیا ہستی ہوسکتی تھی۔ اسبابِ زوال کا پیدا ہونا اور زوال کا آنا ضرور تھا۔ مگر دیگر اقوام کے حالات میں ہمنے دیکھا ہے کہ جس عرصے میں وہ تنزل کی منزلوں کو طے کرتی رہی ہیں اسے انکے قیام کے عرصے میں شمار کیا جائے جب بھی کمتر اقوام ایک خدائی دن کی عمر پاسکی ہیں۔ مگر مسلمانوں نے پورا خدائی دن (ہزار سال) اپنے پورے اقبال کے اندر بسر کیا ہے اور اسکے بعد آج تین سو سال اور گذر چکے ہیں اور مسلمان نہایت ذلیل ہوگئے ہیں مگر خدانخواستہ ابھی تک سطوت و جبروت سے بالکل محروم نہیں ہوئے اور دنیا کے متعدد خطوں میں بفضلِ خدا قوت و اقتدار سے کسی نہ کسی حد تک بہرہ یاب ہیں۔

ہزار سال کے اختتام کا زمانہ — آخر میں دنیا کے اندر مسلمانوں کی تین بڑی سلطنتیں قائم تھیں قسطنطنیہ میں عثمانی۔ ایران میں صفوی اور ہندوستان میں تیموری۔ اُسوقت تمام ممالک اسلامیہ انہی تین حکومتوں کے ماتحت تھے اور اُنکے اندر عثمانی خاندان میں سلطان مراد چہارم کے بعد ایسا زبردست بادشاہ کوئی نہیں گذرا وہ ۱۶۴۰ء میں انتقال کرتا ہے۔ صفوی خاندان نے شاہ عباس بزرگ کے بعد کوئی بڑا فرمانروا نہیں دیکھا جو ۱۶۲۸ء میں رحلت کرتا ہے مغلوں کا

اقتدار اورنگ زیب پر ختم ہوتا ہے جس کا سنہ وفات ۱۷۰۷ء ہے۔

ممالک اسلامیہ کے صرف دو خطے اُس وقت بلکہ ہمیشہ ان تینوں حکومتوں سے باہر خودمختار رہے ہیں۔ ایک بخارا یعنی آنسوئے جیحوں کا علاقہ جو سنہ ۷۱۵ء میں تسخیر ہوا ہے اور سنہ ۸۵۶ء سے یعقوب بن لیث کی حکومت میں خلافت کے قبضے سے نکل گیا ہے۔ وہاں سامانی۔ سلجوقی خوارزمی شیبانی وغیرہ زبردست خاندانوں کی حکومت کے بعد آخری اقبالمند بادشاہ میر ہاشم سنہ ۱۸۰۸ء میں تخت نشین ہوتے ہیں اور سلطنت کو ترقی دیتے ہیں مگر ان کے جانشین نالائق نکلے روس کے دندان آز تیز ہوئے اور سنہ ۱۸۶۸ء نے اسلامی حکومت کا ماتم کیا۔

دوسرا مراقش کا علاقہ ہے جو مع دیگر افریقی ممالک کے سنہ ۶۸۳ء میں تسخیر ہوا ہے اور عبادی۔ اغلبی۔ فاطمی وغیرہ کئی خاندان شاہی اور شہنشاہی کرتے رہے ہیں۔ چودھویں اور پندرھویں صدی میں سپین اور پرتگال والوں کے حملے ہوتے رہے جو پسپا کیئے جاتے رہے مگر سولھویں صدی میں پرتگالیوں نے بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا تو مسلمانوں میں تہلکہ مچ گیا۔ ٹیونس اور الجیریا کو عثمانیوں نے واپس لیا۔ مراکو پر خاندان سادات نے جو عرب سے آئے تھے تصرف کیا۔ اس خاندان کی دو شاخیں یکے بعد دیگرے حکومت کرتی رہی ہیں اور کئی بادشاہ زبردست گزرے ہیں مگر مولائے ارشد کے بعد جو سنہ ۱۶۷۲ء میں انتقال کرتے ہیں سلطنت کمزور ہو گئی اور سنہ ۱۹۰۴ء میں اس پر فرانس کی فوقیت تسلیم کی گئی اگرچہ برائے نام ایک سید آج بھی بادشاہ ہے۔

سنہ ۶۲۲ء سے جو سال ہجرت ہے ہزار سال سنہ ۱۶۲۲ء میں ہوتے ہیں اور ہم نے دیکھا کہ سنہ ۱۶۲۲ء تک تمام اسلامی ممالک میں زبردست سے زبردست بادشاہ حکومت کرتے رہے ہیں اور اس سنہ تک دنیا کے کسی حصے میں مسلمانوں کے تنزل کی علامت نمودار نہ ہوئی تھی اور کوئی مورخ اور کوئی نجومی پیشین گوئی نہ کر سکتا تھا کہ ان کو زوال ہوگا۔ جو کچھ ضعف و تنزل پیدا ہوا سنہ ۱۶۲۲ء سے کہیں تھوڑی دیر بعد اور کہیں بہت دیر بعد ہوا اور آج تک ہو رہا ہے۔

باب پنجم ۵

زمانۂ اقبال کے حوادث

زیست اور حوادث - سقوطِ ہسپانیہ - سقوطِ ہسپانیہ کی نظیر - مہذب اقوام کی کارستانیاں - وحشیوں کی چیرہ دستیاں - قیصر کا حملہ - یورپ کی فتنہ پردازی جنگ ہائے صلیبی - حملہ ہائے یازدہ گانہ -

زیست اور حوادث انسان کی عمر انفرادی ہو یا قومی، حوادث سے خالی نہیں ہوتی مگر جس طرح جوانی کے عالم میں آدمی سخت سے سخت امراض میں مبتلا ہو کر صحت پاتا ہے تو جوانی کی طاقت اکثر حالات میں مرض کا کوئی اثر باقی نہیں رہنے دیتی اور ہر طرح کی قوت عود کر آتی ہے۔ لیکن بڑھاپے کا مرض جان نہ لے اور دور ہو جائے جب بھی اپنا اثر چھوڑ جاتا ہے اور قوت کم کر دیتا ہے۔ اسی طرح اقبالمندی میں جو حوادث رونما ہوتے ہیں کیسے ہی سخت ہوں قوم اُن کا مقابلہ کرتی ہے تو غالب آجانے کے بعد اپنی عظمت کو بحال کر لیتی ہے مگر تنزل کے زمانے میں حادثے کمزور ہوں جب بھی ضعیف کرتے جاتے ہیں اور بربادی کو قریب لے آتے ہیں۔

سقوطِ ہسپانیہ ان میں سے ایک حادثہ فاجعہ مسلمانوں پر ایسا آیا ہے جس کا صدمہ مسلمانوں کو بالخصوص اور امن خوشحالی اور علمی ترقی کی قدر کرنے والوں کو بالعموم بھول نہیں سکتا یعنی سنہ ۱۴۲۳ء میں یوسف سوم بادشاہ غرناطہ فوت ہوتا ہے جس کی معدلت گستری، رعیت نوازی اور امن و خوش حالی کی سعی سے مسلمان اور عیسائی سب خوشنود تھے اور جس کے بعد سپین کی اسلامی سلطنت پر ایسا زوال آیا کہ سنہ ۱۴۹۲ء میں ملک ہی مسلمانوں سے خالی ہو گیا تیس (۳۰) لاکھ جلاوطن کیے گئے اور بے شمار قتل ہوئے۔ اگرچہ اسی صدی کے اندر قدرت نے مسلمانوں کو سپین کے عوض یورپ کے دوسرے حصے میں اس سے بڑے اور زیادہ عظیم الشان خطے پر مسلط کر دیا

یعنی سنہ ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد فاتح کو قسطنطنیہ جیسا شہر عطا کیا جسکے موقع و محل کو دنیا کے تمام بادشاہ حسرت سے دیکھتے ہیں اور جسپر قابض ہونے سے ترکوں کے لیئے شاندار فتوحات کا دروازہ کھلا مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ سلاطین قرطبہ و غرناطہ نے ملک کی سرسبزی خوشحالی اور علوم و فنون کی سرپرستی سے جیسی کچھ برکات کا سامان موجودہ رعایائے سپین کے لیئے بلکہ ناشکرگذار یورپ کی آیندہ نسلوں کے لیئے بہم پہنچایا تھا وہ نہ ترکوں نے اپنی وسیع قلمرو کے اندر کیا اور نہ آجتک سپین کے اندر بقول لین پول کے وہاں کی کسی عیسائی سلطنت سے ہوسکا اس لیئے حقیقت یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کو سپین کے جانے سے ایسا نقصان پہنچا ہے جس کا داغ سپین سے بڑے علاقے پر قبضہ کرنے سے دور نہیں ہوسکا۔

سقوط ہسپانیہ کی نظیر مگر قدرت جب کسی قسم کے اسباب جمع کردیتی ہے تو انسانی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ رومانوی سلطنت کے اندر سنہ ۲۱۱ء اور سنہ ۲۸۲ء کے مابین ایسے اسباب جمع ہوگئے تھے جن سے فرانس اور سپین نے متحد ہوکر اپنی علیحدہ سلطنت قائم کرلی ایشیا سے کوچک و ملک شام و عراق نے باغی ہوکر رومانیوں کو دھتکار دیا۔ اور سنہ ۲۵۶ء میں صوبہ ڈیشیا باغی ہوگیا۔ رومیوں نے کوشش کی اور سب باغی ممالک کو زیر کرلیا مگر ڈیشیا کا علاقہ ایسا بگڑا کہ اقبال اور ادبار کے سبھی دور گذرے وہ رومیوں کا نہ بن سکا۔ اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اس علاقے کی جائے وقوع دیگر تمام رومانوی مقبوضات سے علیحدہ تھی اور دریائے ڈینیوب جائل تھا سپین کی جائے وقوع بھی تمام اسلامی ممالک سے الگ اور بہت دور تھی۔ افریقی مقبوضات نسبتہً قریب تھے مگر درمیان میں سمندر تھا۔ اسپر بھی سنہ ۱۰۸۶ء میں ملک مختلف بادشاہوں میں بٹا ہوا تھا تو کسٹائل کے عیسائی بادشاہ الفانسو ششم نے اپنے زعم میں شیاطین کو سپین سے نکالنے کے لیئے یورپ سے اپیل کی اور فرنگیوں کے ہر ایک ملک نے مدد بھیجی مسلمان رئیسوں کو اندیشہ ہوا اور انھوں نے افریقہ سے امداد طلب کی۔ مرابطین کا بادشاہ یوسف سمندر چیر کر پہنچا اور زلاقہ مقام پر جنگ ہوئی۔ مخالف ساٹھ ہزار تھے اور مسلمان بیس ہزار، مگر ایسی شکست دی کہ الفانسو جان بچاکر

بھاگا ہے تو صرف تین سو سوار اسکے ساتھ سلامت جا سکے ہیں۔ ۱۱۹۵ء میں پھر الفانسو نے تمام مسیحی ممالک سے مدد لی اور بہت بڑی تعداد کے ساتھ حملہ آور ہو کر تباہی پھیلانی شروع کی تو موحد خاندان کا بادشاہ ابو یوسف یعقوب مراقش سے آیا اور الارکوس کے میدان میں نبرد آزما ہوا دشمن نے اپنے ایک لاکھ چھیالیس ہزار مقتول اور تیس ہزار اسیر چھوڑ کر میدان سے مراجعت کی۔ الفانسو نے ٹلیڈو پہنچکر اور فوج جمع کی مگر پھر شکست کھائی اور یعقوب نے تمام سپین پر تصرف کرنے اور تمام عیسائی ریاستوں کو زیر فرمان بنانے کے علاوہ پرتگال کے بھی چند شہر اور قلعوں پر قبضہ کیا اور ۱۱۹۶ء میں ٹلیڈو کا محاصرہ کیا تو الفانسو کی ماں اور بیٹیاں رحم کی درخواست کرنے کیلئے یعقوب کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ بادشاہ نے اُنکی درخواست قبول کی اور تحفہ کے طور پر بہت سے جواہرات عطا کیئے۔ مگر آخر میں جب ۱۲۲۳ء کے اندر غرناطہ کا زبردست بادشاہ یوسف فوت ہوا ہے تو ادھر بھی ادبار نے آ دبایا اور اُدھر افریقا میں بھی پرتگال والوں کے حملے ہو رہے تھے۔ کسی کو اس طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی تو خدائی دن کا تین چوتھائی حصہ گذار کر یعنی سات سو سال عظمت و شان دکھا کر اور پھر اسّی سال حتی الوسع سعی و کوشش میں مصروف رہ کر مسلمانوں نے ممالک اندلس کو خیر باد کہا۔

مہذب اقوام کی کارستانیاں سقوط ہسپانیہ کے سوا اقبال مندی کے زمانے میں مسلمانوں پر اور کوئی حادثہ ایسا نہیں آیا جس کا داغ دیرپا ہو ریوں انسان اپنی زندگی میں پہلی دفعہ درد سر میں مبتلا ہو تو بھی بہت واویلا کرتا ہے اسی طرح بیرونی حملے جو اسلامی ممالک پر ہوئے اُنکے ماتم میں بہت دیر تک مرثیہ خوانی ہوتی رہی ہے مگر بات وہی تھی جس سے ہمیشہ اور ہر قوم کو سابقہ پڑتا ہے۔ یعنی کسیکی خوشحالی دیکھ کر رشک ہوتا ہے تو کمینہ آدمی ہر چند اُسکو حاصل کرنے کی قابلیت نہ رکھتا ہو جل کر ستانے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور جو دشمن اُن فوائد کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اہلیت رکھتا ہے وہ کئی طرح سے مقابلہ کرتا ہے۔ اقوام کی بالادستی اور خوش حالی پر بھی اسی طرح کی مصیبتیں آتی ہیں۔ وحشی قومیں حکمرانی اور ملک آرائی کی نہ رکھتی ہوں جب بھی

اپنی ناجائز خواہشوں کو بروئے کار لانے کیلئے قتل و غارت کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتیں۔ اولوالعزم فرمانروا بعض اوقات قوتِ بازو سے مخالف کو نیچا دکھاکر خود حکومت حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اور بعض اوقات علانیہ حملہ آور نہیں ہوتے تو کسی امر کو مابہ النزاع قرار دے کر سفارتی نامہ و پیام شروع کر دیتے ہیں اور آخر کار جنگ آوری کا بہانہ پیدا کر لیتے ہیں۔ اس طریق سے اقوامِ قدیم ناآشنا تھیں وہ لوگ جس ملک پر قبضہ کرنا چاہتے تھے بغیر کسی حجت اور عذر کے یورش کر دیتے تھے۔ مقابلے میں جو غالب آئے اپنی کامیابی کا لطف اٹھائے سب سے پہلے جس قوم نے حیلوں اور بہانوں سے اپنی حرص و آز کو پورا کرنا چاہا ہے وہ اہلِ روما تھے۔ انکی حکمرانی کا اصول ہی یہ تھا کہ جس ملک پر قبضہ کرتے تھے اُسکے باشندوں میں باہم افتراق پیدا کر دیتے تھے اور سعی کرتے رہتے تھے کہ اتحاد نہ ہونے پائے اور جس ملک تک اپنی حدود پہنچاتے تھے اُسکے اندر بھی خفیہ ریشہ دوانیوں سے ناچاقی پیدا کر دیتے تھے اور پھر ایک فریق کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کرنیکے بعد اسکی حمایت کے بہانے سے اُسکے مخالفوں پر یورش کر دیتے تھے اور ان کے مقبوضات پر خود تصرف کر لیتے تھے اور جس سے معاہدہ کرتے تھے اُسکی ہر بات پر نظر رکھتے تھے اور جب کبھی کوئی بہانہ ہاتھ آتا تھا معاہدہ کو توڑنے کا الزام دے کر گردن مروڑ دیتے تھے آرمینیا اور شام کے مختلف حصوں کو اسی طرح باہم گردشمن بنانے۔ کمزوروں کو ابھارتے اور طاقتوروں کو دباتے ہوئے آخر سنہ ۱۶۴ ق م میں سب پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ مصر میں بطلیموسی حکومت کی استدعا پر مدد دینے کو گئے تھے ہر طرف سے دباؤ ڈالکر سنہ ۱۴۶ ق م میں ملک بانٹ لیا اور مقدونیہ والوں کو نکال دیا۔ کارتھیج کے ساتھ دوستانہ معاہدہ تھا جس میں اس نے روما کی فوقیت قبول کر لی تھی۔ وہ کارتھیج کو براہ راست اپنے ماتحت لانا چاہتے تھے اور نہایت اضطراب کے ساتھ موقع کے منتظر تھے۔ جب سنہ ۱۵۱ ق م میں خبر ملی کہ کارتھیج نے اپنی ہمسایہ سلطنت نیومیڈیا کے ساتھ جنگ شروع کی ہے تو رومانوی سینٹ کے زبردست افراد نے اہلِ روما سے اجازت لینے کے بغیر ایک سلطنت سے جنگ کرنے کو خلاف معاہدہ قرار دیا اگرچہ سینٹ کے دیگر ارکان نے

اسکی مخالفت کی اور ثابت کرنا چاہا کہ کارتھیج کے اس فعل کے خلاف معاہدے میں کوئی شرط نہیں مگر اسکو نہ سنا گیا اور فوراً الٹی میٹم بھیجنے کے بعد یورش کر دی اور اُس قوم کی ہستی کو فنا کر دیا جو کبھی دنیا کی ممتاز اقوام میں شمار ہوتی تھی۔ روما کی یہ پالیسی بعد میں ترقی پا کر ڈپلومیسی کا ایک کارآمد فن بن گئی ہے۔ اور اب تمام مہذب قومیں توسیع حدود کے لیئے اسی روش پر کاربند ہوتی ہیں اور اسکے اندر بڑی بڑی ایجادیں کی جاتی ہیں۔ جس ملک کو دبانا ہوتا ہے وہاں سے پچاس سال پہلے سے جال بچھانا شروع کرتے ہیں۔ آثارِ قدیمہ کو دریافت کرنے۔ کان کنی کی اجازت لینے ریل اور نہر بنانے۔ تجارت کرنے کے لیئے یا اور کچھ نہیں تو مذہبی تبلیغ کے بہانے سے دخل حاصل کرتے ہیں اور ایسے معصومانہ انداز سے درخواست کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے سائل ہیں اور کوئی رعایت چاہتے ہیں اور مدد دیتے ہیں یا محسن اور فیاض ہیں اور جذبۂ فیاضی سے دنیا کو فائدہ پہنچانے کیلئے بیقرار ہیں۔ اس حالت میں درخواست کو منظور کرنیکے سوا چارہ نہیں ہوتا۔ وہ اجازت پاتے ہی اپنا روپیہ اور اپنے آدمی بڑی مقدار اور تعداد میں ملک کے اندر پھیلا دیتے ہیں اور روپیہ کی کفالت اور اپنے آدمیوں کی حفاظت کے لیئے کچھ اور حقوق طلب کرتے ہیں۔ پھر شرطیں ایسی کرتے ہیں جو بظاہر نرم ہوں اور حقیقت میں سخت۔ یہی وقت ہے جبکہ سفارتی نامہ و پیام کرنے والوں کی قابلیت کا امتحان ہوتا ہے۔ اُن کا تمام فلسفہ اس مدعا پر صرف ہوتا ہے کہ خوشگوار الفاظ میں ایسے معانی مخفی رکھے جائیں جو منظور کرنیکے وقت سمجھے نہ جائیں اور وقت پر سمجھائے جا کر حیران کر دیں۔ تعمیل کریں تو شاہی اختیارات سے محروم ہوں۔ انکار کریں تو معاہدہ شکنی کے الزام میں فوجی یورش ہو۔ زمین، ہوا اور پانی تینوں عنصروں کو کرۂ آتش بنا دے۔ کبھی کسی وجہ سے انکے جان و مال کا نقصان ہو جاتا ہے یا بعض اوقات اپنی ہی مخفی کوششوں سے اپنے نقصان کا موقع پیدا کر لیا جاتا ہے تو اسکی تلافی کی شرائط کو پورا کرنا آسان نہیں ہوتا اور کوئی نہ کوئی بڑا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

وحشیوں کی چیرہ دستیاں

قریب ترزمانے میں تمام اسلامی ممالک نے اہل تہذیب کی

ریشہ دوانیوں کا تجربہ بارہا کیا ہے مگر عروج کے زمانے میں ان پر کسی عیار کو اپنا داؤ چلانے کی ہمت نہیں ہوئی نہ اُس زمانے کے کسی اولوالعزم بادشاہ نے اسلامی ممالک پر یورش کرنے کی جرأت کی ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ اگر ملک و مال کی ہوس رکھتے ہیں تو عقل وشعور سے بھی بہرہ ور ہوتے ہیں اور مخالف کی عقل و تدبیر اور ہمت و جرأت کا موازنہ کرنیکے بعد موقع دیکھتے ہیں تو اپنے ارادے کو بروئے کار لاتے ہیں۔ مگر وحشی اقوام کو مآل کار کا کوئی خیال نہیں ہوتا۔ انھیں اپنی قوت پر بھروسہ پیدا ہو جاتا ہے تو کسی کی قوت و عظمت کی پروا نہیں کرتے اور بالکل نڈر ہو کر ناگہاں ٹوٹ پڑتے ہیں تو تباہی اور بربادی کی بھی کوئی حد نہیں چھوڑتے۔ ایسے لوگوں سے دنیا کی تمام اقوام کو واسطہ پڑا ہے۔ ہم اوراق سابقہ میں دیکھ چکے ہیں کہ رومیوں کی مشرقی اور مغربی دونوں حکومتوں کو گاتھ کے ہاتھ سے چار سو سال اور ہُن کے ہاتھ سے اڑھائی سو سال تک تباہی اور بربادی برداشت کرنی پڑی ہے جسمیں یونان اور دیگر ممالک کو ویران کیا جاتا رہا ہے اور شہر روم کو تین بار غارت گری، آتش زنی اور خونریزی سے سابقہ پڑا ہے اور مغربی سلطنت انہی وحشیوں کے ہاتھ سے فنا ہوئی ہے۔ مصر پر چار سو سال ایشیا کے گلہ بانوں نے حکومت کی ہے۔ ایران کو بھی چار سو سال تک خراسانی خانہ بدوشوں کے ہاتھ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف حکمرانوں کی خونریزیوں سے تباہ ہونا پڑا ہے۔ چین پر سنہ ۹۲۶ ق م سے سنہ ۲۴۶ ق م تک تاتاریوں کے حملے ہوتے رہے ہیں۔ پھر ۱۲۱۲ء میں چنگیز خاں حملہ آور ہوا تو اس کا خاندان ڈیڑھ سو سال تک مسلط رہا۔ مسلمانوں پر بھی وحشیوں نے حملے کیے ہیں مگر نہ یہ وبا تمام اسلامی ممالک میں پھیل سکی ہے نہ اسکو کئی کئی صدی کا طول ہوا ہے۔

قیصر کا حملہ

اُس زمانے میں اسلامی ممالک دونوں طرف سے وحشیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ ایک طرف تاتاریوں کا ناپیدا کنار جنگل تھا۔ دوسری طرف یورپ کا تمام براعظم وحشت اور بربریت میں خاص امتیاز رکھتا تھا۔ اُس وقت کے رومانوی اور یونانی اگرچہ مہذب سمجھے جاتے تھے مگر آجکل کے نقطۂ خیال سے اُن کا پایہ بھی وحشت میں کچھ کم نہ تھا تاہم وہ حملے

بہادرانہ تھے جو معتصم باللہ کی وفات (۲۲۷ھ) کے بعد خلافت کے کمزور ہوجانے پر قسطنطنیہ والوں نے شروع کیے۔ اور سلجوقیوں کے وقت تک جاری رہے اور جن کی وجہ سے دسویں صدی میں انطاکیہ اور آرمینیا قیصر کے قبضے میں چلے گئے۔ گیارھویں صدی میں الپ ارسلان اور ملک شاہ نے قبضہ کرنے والوں کو پورے طور پر مغلوب کیا اور نکال دیا۔ اس شکست کے بعد یورپ کو جو ہیجان پیدا ہوا ہے وہ جوش جنوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

یورپ کی فتنہ پردازی

جب سے شام اور فلسطین پر اسلام کا تصرف ہوا ہے عیسائیوں کے ساتھ انتہائی تحمل سے سلوک کیا گیا ہے وہ اپنے تمام مذہبی اور مجلسی حقوق سے لطف اٹھاتے ہیں آزاد تھے۔ تمام اسلامی ممالک میں نقل و حرکت کر سکتے تھے۔ اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ جو ممالک غیر میں آباد تھے نامہ و پیام جاری رکھ سکتے تھے۔ زمین اور جائداد جن شرائط پر مسلمان حاصل کر سکتے تھے انہی شرطوں پر انہیں مل سکتی تھی۔ ملکی عہدے حاصل کرنے میں کوئی تنگدل گورنر رکاوٹ ڈال دے تو اور بات ہے ورنہ حکومت کی طرف سے ان کا اور مسلمانوں کا استحقاق برابر تھا۔ عیسائی خانقاہیں اور عبادت خانے دخل اغیار سے پاک تھے۔ دور دراز فاصلے سے آنے والے زائرین کو مقامات مقدسہ کی زیارت میں کوئی رکاوٹ نہ تھی بلکہ رومیوں کے عہد میں عیسائیوں کا جو فرقہ مقامات مقدسہ پر قابض ہوتا تھا اپنے مخالف فرقوں کو زیارت کی اجازت نہ دیتا تھا مگر حکومت کا انتظام ناقص تھا۔ اسلیئے مختلف فرقوں کے اندر خاص عبادت خانوں میں بڑے بڑے خونریز معرکے ہوتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کے عہد میں ایسے حادثوں کا امکان نہ رہا تھا۔ مسیحیوں کے مختلف فرقوں کو باہم تصادم کرنے سے روکا جاتا تھا اور امن قائم رکھنے کی سعی ہوتی تھی اسلیئے زائرین کی آمدرفت مسیحی حکومت کی نسبت اس عہد میں زیادہ ہو گئی تھی۔ بیت المقدس مسلمان اور عیسائی سب کے نزدیک قابل تعظیم تھا مگر اسکا وہ حصہ جو مسیحیوں سے مخصوص تھا اسپر بطریقوں اور راہبوں کا ایسا اختیار تھا گویا اس حصے میں مسلمانوں کی حکومت ہی نہیں۔ البتہ امن قائم رکھنے کی شرط تھی اور ہر مسیحی کو اپنے طریق پر عبادت کرنیکی

اجازت۔ اور نویں دسویں صدی میں حکام وقت مسیحیوں پر یہانتک مہربان ہوگئے تھے کہ خود
رعایتیں دے کر تجارت کو فروغ دیتے تھے اور انکی سرپرستی کرتے تھے۔ مگر متعصب یورپ کو
کوئی تحمل اور کوئی سرپرستی شکرگذار نہ کرسکتی تھی۔ اُن کے زائرین بیت المقدس میں امن سے
رہتے تھے مسلمانوں کی مہمان نوازی کا لطف اُٹھاتے تھے مگر حقارت کے جذبات سے بھرے
ہوئے آتے تھے اور عداوت کا خیال لیکر واپس جاتے تھے۔ اُن کے نزدیک بیت المقدس پر
مسلمانوں کا تصرف ایک لعنت تھا جسکو وہ برداشت نہ کرسکتے تھے۔ دسویں صدی میں یورپ
کے زائرین لگاتار اس کثرت سے آتے رہے کہ اُس وقت کے لوگ حیران رہ گئے۔ مگر اب یورپ کی
چالوں کا علم ہوگیا ہے تو گمان ہوتا ہے کہ وہ بھی کوئی سازش ہوگی اور کسی طرح کا بہانہ پیدا کرنے
کے لیئے کوشش کرتے ہونگے لیکن سو سال کے اندر کسی زائر کی ناک سے بھی خون نہ نکلا اور کوئی
شکایت کی وجہ پیدا نہ ہوئی تو گیارھویں صدی میں آنے والوں کے ہجوم میں اور بھی ترقی ہوئی مگر
صدی ختم ہونے پر آئی اور کوئی عذر پیدا نہ ہوا۔ اتفاق سے ان دنوں میں بیت المقدس کی حکومت
ایک ترکمان خاندان میں آگئی جسکو مسلمان مورخین الزام دیتے ہیں کہ اچھا انتظام نہ کرسکا۔ شاید
یہی وجہ ہو یا جیسا کہ آجکل کی مہذب حکومتوں کے اندر دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے میلوں تماشوں
میں آنے والے راہ بے راہ آمدرفت شروع کرتے ہیں اور آبادیوں اور جنگلوں میں پھیل جاتے
ہیں تو بعض اوقات پولیس انتظام قائم نہیں رکھ سکتی اور کچھ وارداتیں ڈاکے اور چوری کی ہو
جاتی ہیں اسیطرح اُنکے بھی کچھ قافلے لوٹے گئے اور اُسکی خبر نہایت رنگ آمیزی کے ساتھ
یورپ میں پہنچائی گئی تو گویا انکی دو سو سال کی کوشش بارآور ہوئی۔ پاپائے روم اربن دوئم
نے مارچ ۱۰۹۵ء میں کونسل منعقد کی۔ اسمیں فیصلہ نہو سکا تو نومبر سال مذکور میں دوبارہ انعقاد
ہوا اور فتوے دیا گیا کہ ارض مقدس کو ناپاک ہاتھوں سے نکالنا مسیحی دنیا کا ایسا فریضہ ہے جس کو
بجالانے کے بعد مسیح کے دربار میں اُنکے اور کسی گناہ اور جرم پر مواخذہ نہ ہوگا اور پھر کیسی ہی
عیاشی اور بدمعاشی کرتے رہیں مرنے کے بعد خدائی تخت کے دائیں جانب جلوس کریں گے

اس فتوے نے نعمائے بہشت کے علاوہ انجیر اور انگور والی ارض مقدس کی شرابوں کا شوق دلایا اور ممالک شرقیہ کے مال و دولت کا لالچ دیا۔ ہر کس و ناکس جہاد کے لیے تیار ہو گیا۔ کشور کشائی کے اصول نہ جانتے تھے۔ ملک رانی کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ ہم مذہبوں کا پاس و لحاظ کرنا نہ جانتے تھے۔ اغیار سے برتاؤ کرنے کا طریق نہ جانتے تھے۔ دماغی اور اخلاقی خوبیوں سے بے بہرہ تھے قاعدے اور قانون کے نام سے نا آشنا تھے۔ صرف قتل و غارت کو مدعا اور عیش و عشرت کو اسکا نتیجہ قرار دے کر نکل کھڑے ہوئے۔

جنگ ہائے صلیبی | یہاں جنگ ہائے صلیبی* کو مفصل لکھنا مقصود نہیں۔ بالاجمال تمام واقعات کو قلمبند کیا جاتا ہے تاکہ اُسوقت کے مسیحیوں اور مسلمانوں کی قابلیت کا موازنہ ہو سکے اور معلوم ہو کہ یہ یورش اولوالعزمانہ اقدام تھا یا وحشیانہ طوفان۔

اول | ۱۰۹۶ء میں ایک فریق آیا جو منزل تک پہنچنے سے پہلے بلگیریا کے عیسائیوں سے الجھ پڑا۔ اُنہوں نے مار کر فنا کر دیا۔

دوئم | دوسرا فریق چالیس ہزار مردوں اور عورتوں کا پیٹر دی ہرمٹ کی سرداری میں آیا جس نے انتقامی جوش میں بلگیریا اور ہنگری کو برباد کر دیا۔ ایشیا میں آکر عورت مرد اور بچہ جو سامنے آیا قتل کرتا ہوا بڑھا۔ اسلامی فوج سے مقابلہ ہوا تو سب فنا کر دیئے گئے۔ اُنکا ایک سردار ریجنلڈ مع چند ہمراہیوں کے مسلمان ہو گیا۔

سوئم | تیسرا فریق زیادہ خبیث اور بدمعاش لوگوں کا آیا جو رستے میں تمام مسیحی ممالک کے اندر عصمت دری، خونریزی اور غارت گری کے نشان چھوڑتا ہوا بڑھا اور بلگیریا میں آکر فنا ہوا۔ چند آدمی خبر لیکر واپس گئے۔

چہارم | چوتھا طوفان انگلستان، فرانس وغیرہ سے اٹھا جس نے دیکھا کہ مسلمان ابھی دور ہیں۔ یہودیوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ ہزاروں کو قتل کیا اور لوٹا۔ آخر بلگیریا میں آکر فنا ہوا۔

* صلیبی معرکوں کا ذکر سید امیر علی مرحوم کی ہسٹری آف سارا سنز سے لیا گیا ہے۔

پنجم | ۱۰۹۶ء میں گاڈفری کی سرداری میں سات لاکھ کا ہجوم آیا جو اپنی کثرت کے زور سے انطاکیہ، بیت المقدس اور شام و فلسطین کے اور چند شہروں پر قابض ہو گیا۔ سلجوقیوں نے انطاکیہ پر نو ماہ مقابلہ کیا۔ عیسائیوں کے لشکر میں کثرت کی وجہ سے مردار علانیہ اور پوشیدہ انسانی گوشت بھی کھایا گیا۔ حاکم انطاکیہ کا بیٹا گرفتار ہو گیا تو اسکو ایک ماہ تک روزانہ زخمی کرتے رہے۔ پھر دیوار شہر کے نیچے لا کر اُسکے باپ اور رشتہ داروں کے سامنے ذبح کیا۔ مسلمان یہ سانحہ دیکھکر بھی محاصرے کی شدت برداشت کرتے رہے۔ مگر ایک آرمینیا کے عیسائی نے جو شہر میں تجارات کے وقت کمند ڈالکر چند سپاہیوں کو اوپر کھینچ لیا۔ انھوں نے دفعۃً پہرے والوں پر حملہ کیا اور شہر کا دروازہ کھول دیا۔ دس ہزار آدمی ایک دن میں قتل ہوئے۔ ایک اور شہر میں لاکھ آدمی مارے گئے۔ بیت المقدس میں خون کی روانی گھوڑوں کے زانو تک پہنچی۔ یہودیوں کو زندہ جلایا اور بے حیائی اور بدمعاشی کو اس حد تک پہنچایا کہ مورخ میچاڈ لکھتا ہے کہ جس قدر سفاکیاں اور بیحیائیاں بابل والوں کی مشہور ہیں اُن میں سے کوئی نہ تھی جو ان مذہبی مجاہدین نے باقی چھوڑی ہو۔

ششم | ۱۱۲۳ء میں عمادالدین زنگی موصل کا حاکم ہوا تو اُس نے صلیبیوں کا مقابلہ شروع کیا۔ استنے میں یورپ سے اور مدد آگئی۔ اور یونانی فوج خود شہنشاہ کی قیادت میں حملہ آور ہوئی۔ انھوں نے شہر بفاعہ کو تسخیر کیا۔ تمام مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا۔ قیاسیہ پر حملہ آور ہوئے تو زنگی پہنچ گیا۔ صلیبیوں نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اتنی سی مزاحمت سے یونانی ایسے بددل ہوئے کہ وطن کو واپس چلے گئے۔ زنگی نے شہر بعلبک واپس لیا۔ ۱۱۲۹ء میں برین کا سب سے مضبوط قلعہ اور ۱۱۴۴ء میں رُوحا (اڈیسہ) واپس ہوا۔ یہ مسلمانوں کی سب سے بڑی فتح تھی کیونکہ رُوحا جاسلین دوئم کا مرکز اور وہ مسلمانوں کا سب سے زیادہ دشمن تھا۔ روحا کی فتح پر خیال تھا کہ انتقام لینا چاہیئے مگر زنگی کی انسانیت نے گوارا نہ کیا اور سوائے مردان کارزار کے کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔ سب مرد و عورت مع مال و اسباب کے

آزاد کر دیئے۔ چند اور قلعے فتح کیئے اور ایک قلعے کا محاصرہ ہو رہا تھا کہ زنگی کو اُسکے ایک غلام نے دشمنوں کی سازش سے قتل کر دیا۔ زنگی کے بعد صلیبیوں نے رُہا کو دوبارہ تسخیر کیا اور سب مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ زنگی کا جانشین نورالدین حملہ آور ہوا اُس نے تمام سپاہ کو نیز اُن لوگوں کو جن پر دغا کا الزام تھا قتل کیا۔

ہفتم

اِن معرکوں کی خبر پہنچی تو یورپ نے ۱۱۴۷ء میں ایک اور مہم کی تیاری کی اور جرمنی اور فرانس کی نو لاکھ سپاہ لوئیس ہفتم کی قیادت میں روانہ ہوئی۔ بادشاہ کی بیوی اور بہت سی عورتیں ہتھیار سنبھال کر جہاد میں شریک ہوئیں۔ یہ مہم عورتوں اور مردوں کے اختلاط سے بداخلاقیوں میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ مگر اسکا بہت سا حصہ رستے میں کوہستانی سلجوقیوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوا جو باقی رہا وہ آکر دمشق پر حملہ آور ہوا مگر نورالدین مقابلے پر آیا تو واپس ہوگئے اور جرمنی اور فرانس کے بادشاہ فوج کو جرنیلوں کی تحویل میں دیکر وطن کو چلے گئے نورالدین نے فتوحات کو جاری رکھا۔ انطاکیہ کے قریب ایک بھاری شکست دی جسمیں انطاکیہ کا ڈیوک قتل ہوا۔ ۱۱۵۱ء میں جاسلین دوئم کی فوج سے شکست کھائی مگر خدا نے جلدی اسکا عوض دے دیا اور جاسلین قید ہو گیا۔ کئی شہر واپس لیئے۔ دلوک کے مقام پر جنگ ہوئی جس سے نواح انطاکیہ کا بہت بڑا حصہ مسلمانوں کے تصرف میں آیا۔ ۱۱۶۴ء میں کروسیڈ کے سخت ترین معرکوں میں سے ایک معرکہ یونان اور فرانس کی متحدہ فوج سے ہو جسمیں یونانی اور فرنساوی جرنیل اور کئی سردار گرفتار ہوئے۔ اس اثنا میں عیسائی فوج کا ایک حصہ مصر میں پہنچ گیا۔ وہاں فاطمی خلافت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا اور ایک وزیر با اقتدار تھا۔ اُسی کی غداری سے عیسائی فوج وہاں پہنچی تھی نورالدین نے اپنے سپہ سالار شیر کوہ کو روانہ کیا۔ جسنے ایک ہزار سواروں سے عیسائیوں کی اور وزیر کی متحدہ فوج کو شکست دی جسکی نسبت مورخ مچاڈ لکھتا ہے کہ اعلیٰ ترین فوجی قابلیت کا اظہار تھا۔ نورالدین ؒ کے انتقال پر ۱۱۸۱ء میں سلطان صلاح الدین ؒ بادشاہ تسلیم کیا گیا۔ اِسنے ۱۱۸۷ء تک شام کا تمام ملک مع بیت المقدس کے واپس لے لیا۔ صرف انطاکیہ صور اور

طرابلس اور کچھ ساحلی علاقہ مسیحیوں کے پاس رہا جسکو اہل یورپ کی پیہم آمد و رفت سے تقویت پہنچتی رہتی تھی۔ بیت المقدس کی تسخیر پر ارادہ تھا کہ گذشتہ خونریزیوں کا انتقام لیا جائے مگر سلطان کے رحم نے ایک آدمی کا خون کرنا بھی گوارا نہ کیا عیسائیوں کو عہد بن کر بیت المقدس میں رہنے کی اجازت دی۔ اور جو جانا چاہیں اُن کے لیئے خفیف تاوان جنگ مقرر کیا جن میں سے دس ہزار غریبوں کا تاوان خود سلطان نے اپنی گرہ سے خزانے میں داخل کیا اور سات ہزار غربا کو سلطان کے بھائی سیف الدین نے تاوان دیکر آزاد کرایا۔ اکثر عورتوں کی درخواست پر اُنکے شوہروں اور بیٹوں کو بلا تاوان رہا کیا اور یتامے اور بیوگان کو بہت خیرات دیکر روانہ کیا پادری اپنی خیرات خواری کے بڑے بڑے خزانے لاد کرلے گئے۔ بعض عیسائیوں کو دیکھا کہ بڈھے باپ یا ماں یا کسی اور بزرگ کو گردن پر سوار کرکے لیجا رہے ہیں۔ اگرچہ ان لوگوں کی ہجرت محض تعصب اور مسلمانوں کی حکومت کو ناپاک سمجھنے کی وجہ سے تھی مگر سلطان نے ضعیف العمر مہاجرین کے لیئے خچر مہیّا کر دیئے اور سفر خرچ پاس سے دیا۔ یہ لوگ بیت المقدس سے نکلے ہیں تو انطاکیہ اور طرابلس وغیرہ میں اپنے بھائیوں کے پاس پہنچکر طالب امداد ہوئے مگر کسی مسیحی نے انھیں گھر میں گھسنے نہ دیا۔ وہ لوگ مسلمانوں کی فیاضی پر بسر کرتے اور در بدر پھرتے رہے۔

ہشتم　جرمن اور انگلستانی فوج کا ایک اور طوفان شہنشاہ جرمنی کی قیادت میں آیا جس کے مقدمتہ الجیش نے ۱۱۹۰ء میں شہر صور کو اپنا مستقر بنا کر عکہ کا محاصرہ کیا۔ سمندر کی راہ سے بے شمار فوج اور سامان برابر آتا رہا۔ جرمنی کا شہنشاہ رستے میں غرق ہو گیا جہاد میں شریک نہیں ہو سکا۔ ۱۱۹۰ء میں اسکے ہمراہیوں کی بڑی تعداد واپس چلی گئی تھوڑے فلسطین پہنچ سکے وہ بھی واپس چلے گئے اور اُن میں سے بہت واپسی میں غرق ہوئے۔ تھوڑے وطن پہنچے۔ ۱۱۹۰ء میں ایک سخت شکست کھائی جسنے مسیحیوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ مگر انہی دنوں میں رچرڈ شاہ انگلستان کا ہمشیرہ زادہ مدد لیکر آ پہنچا۔ ۱۱۹۱ء میں شاہ انگلستان اور شاہ فرانس بذات خود شامل ہوئے اور بہت بڑی فوج ساتھ لائے۔ عکہ والوں نے نجات کی کوئی صورت نہ دیکھی

تو درخواست کی کہ ہم نے یہ شہر فتح کیا ہے تو کوئی عیسائی قتل نہیں ہوا۔ سلامتی کا وعدہ دیا جائے تو شہر حوالے کر دیں۔ جواب ملا کہ بیت المقدس اور تمام شہر جو صلیبیوں نے فتح کیے تھے واپس دو تو صلح ہو سکتی ہے۔ پھر جنگ شروع ہوئی۔ آخر ایک بھاری تاوان پر سلامتی کا وعدہ کیا گیا مگر تاوان جمع کرنے میں دیر ہوئی تو رچرڈ نے بیدریغ قتل عام شروع کر دیا۔ ساٹھ ہزار شہید ہوئے۔ عکہ فتح کرنے کے بعد صلیبی اور طرف متوجہ ہونا چاہتے تھے مگر ادھر سلطان صلاح الدین رح ان کی کثرت سے متفکر تھا تو ادھر صلیبیوں کو صلاح الدین کا مقابلہ کرنے میں سخت دشواریاں نظر آتی تھیں۔ رچرڈ نے ادھر صلح کی درخواست کی ادھر بیت المقدس پر حملہ کر دیا مگر بھاری شکست کھائی اور شرائط صلح کو نرم کرتے کرتے فیصلہ یہ ہوا کہ جن ساحلی علاقوں پر عیسائیوں کا قبضہ ہے قائم رہے مگر بیت المقدس اور کوئی شہر ان کو واپس نہ دیا جائے۔ آیندہ کوئی یورش نہ ہو۔ ۱۱۹۱ء میں رچرڈ واپس گیا اور صلاح الدین رح ۱۱۹۳ء میں فوت ہوا۔

نہم ۹ — ۱۱۹۵ء میں شرائط معاہدہ کے خلاف ایک اور صلیبی لشکر آیا جس نے بیروت کو تسخیر کیا۔ سلطان صلاح الدین کے بھائی ملک العادل نے ایسی شکست دی کہ پھر تین سال کے لیے صلح کر کے واپس ہوئے۔

دہم — تین سال کے بعد پوپ انوسنٹ سوم نے جو بقول ایک یورپین مورخ کے اپنی عیاشی کے لیے روپیہ جمع کرنے کے سوا کوئی مدعا نہ رکھتا تھا پھر جہاد کا فتویٰ دیا جس میں رچرڈ شریک نہیں ہوا مگر یورپ کے اور فرمانروا تیار ہو گئے اور ایک طوفان امنڈ آیا۔ ان دیوانوں کے ہجوم سے رستے میں قسطنطنیہ کے ایک شہزادے نے اپنی مظلومیت کی داستان سنا کر امداد طلب کی تو ادھر کو جھک پڑے۔ قسطنطنیہ میں پہنچے تو پہلے ہی یہودیوں کا ایک معبد نظر آ گیا۔ جوش جنوں نے زور دکھایا۔ معبد کو ایسی آگ لگائی کہ شہر کا چوتھائی حصہ جلا دیا۔ پھر غصے میں بھرے تو اپنے ہی ہم مذہبوں کو جن میں سے کسی نے اس فعل پر

ملامت کی تھی قتل کرنا شروع کر دیا آٹھ دن برابر قتل و غارت کرتے رہے۔ اور آتش زنی کا طوفان گنجان آبادی پر تین میل تک پھیلا دیا۔ شہر کو شہزادے کی حمایت میں تسخیر کرچکے تو چن چن کر یونانیوں کو مخصّل کرنے لگے۔ شہر کے علاوہ نواح کے تمام گرجے اور گاؤں لوٹ لیئے۔ عورتیں اور بچے کوچہ و بازار میں زرد چہروں کے ساتھ اُنکے آگے آگے بھاگے پھرتے تھے اور چلّا کر رحم کی درخواست کرتے تھے وہ ہنستے ہوئے انکو قتل کرتے جاتے تھے یا عصمت دری کے لیئے خوب صورت عورتوں کو پکڑتے جاتے تھے۔ لوٹ سے فارغ ہوئے تو کلیسائے مقدس کے پیالوں کو اُنکے جواہرات اُتار کر شراب نوشی میں استعمال کرنے لگے اور بادہ نوشی کے لیئے اُن میزوں سے کام لینے لگے جن پر جناب مسیح اور دیگر مقدس بزرگوں کی تصویریں تھیں۔ گرجاؤں کے تمام تبرکات کو پامال کیا اور بے شمار زر و جواہر اور قیمتی مال و اسباب گھوڑوں اور خچروں پر اس کثرت سے بار کیا کہ اُن میں اٹھانے کی طاقت نہ رہی۔ جو جانور عاری ہو جاتا غصے میں آکر اُسے قتل کر دیتے۔ اور اُسکے خون سے نفیس مال و اسباب کو آلودہ کرتے اِس حالت میں اُنھیں ہوش کچھ نہ تھا نشے میں جس طرف ایک کا مُنہ اُٹھ گیا سب اُسی طرف چل پڑے۔ جانا شام کی جانب تھا مگر جہاد کا ثواب اور لوٹ کا مال لیکر اُلٹے پاؤں پوپ کی خدمت میں جا پہنچے۔ یونانی مورخ نسٹس اِس واقعے کا حال خون کے آنسوؤں سے لکھتا ہے اور مقابلے میں صلاح الدین کی خوبیاں ظاہر کرتا ہے۔

یازدہم ۔ ۱۲۱۶ء میں پوپ انوسنٹ کے حکم سے ایک اور طوفان اٹھا جس میں اندھے، لولے، لنگڑے، بوڑھے اور بچے سب شامل تھے۔ شاہ ہنگری۔ ڈیوک آف آسٹریا ڈیوک آف یوریا سب نے فوجیں بھیجی تھیں۔ اڑھائی لاکھ کی بھیڑ تھی۔ انھوں نے شام میں اُتر کر مصر کا رخ کیا۔ ملک العادل انہی دنوں میں مصر کو جاتا ہوا فوت ہو گیا تھا۔ اسکا بیٹا الملک الکامل مصر کا بادشاہ بنا تھا۔ اِس میں جرأت کم تھی۔ صلیبیوں نے دمیاط کو تسخیر کیا۔ ستر ہزار سے اُدپر آبادی تھی جس میں سے تین ہزار زندہ رہے۔ پھر مصر کا رخ کیا۔ مصریوں نے دریا کا بند توڑ کر

پانی پھیلا دیا۔ صلیبی محصور ہو گئے۔ سامانِ رسد غارت ہو گیا۔ صلح کی اور دمیاط کو چھوڑ کر واپس گئے۔ صحیح سلامت جانے کی شرط تھی یا صلیب مقدس کی واپسی اور زیارت گاہوں میں عیسائی زوّار کے لیے سہولت کی شرط تھی۔

دوازدہم ۱۲۲۹ء میں فریڈرک شہنشاہ جرمنی خود جہاد کیلئے شام میں اُترا۔ ملک الکامل میں ہمت نہ تھی دب کر صلح کی۔ بیت المقدس، بیت اللحم، ناصرت وغیرہ سب صلیبیوں کو دیدیئے۔ صرف اتنا کام کیا کہ بیت المقدس کی مسجد عمرؓ میں مسلمانوں کیلئے آنے جانے کی اجازت لکھوالی۔ ایسی اجازت سے مسلمان بالطبع ناخوش ہوئے اور عیسائی بھی ناخوش رہے کہ مسلمانوں کی آمدرفت جاری کیوں رہی۔ فریڈرک ملک میں فساد ہو جانے کی وجہ سے جلد ہی واپس چلا گیا تو صلح سے دستبردار ہونے کا امکان پیدا ہو گیا تھا مگر جبتک ملک الکامل زندہ رہا مسلمانوں کو حسب قاعدہ اس کا معاہدہ توڑنے کی جرأت نہ ہوئی وہ ۱۲۳۸ء میں فوت ہوا تو ۱۲۳۹ء میں ابونصر داؤد بادشاہ حران نے مقامات مقدسہ واپس لیے۔

سیزدہم ۱۲۴۹ء میں لوئی نہم بادشاہ فرانس نے حملہ کیا اور دمیاط پر متصرف ہوا قتل و غارت میں وہی صلیبیوں کی فطرت ظاہر کی۔ مگر ایک سال کے اندر ہی حالانکہ ملک الصالح ایوب فرانس والوں کی موجودگی میں فوت ہو چکا تھا مسلمانوں نے انھیں ۱۲۵۰ء میں سخت شکست دی اور شاہ فرانس اور بہت سے امرا گرفتار کر لیئے۔ یہ آخری حادثہ تھا جس پر صلیبی معرکوں کا خاتمہ ہوا اور یورپ اس طرف سے مایوس ہوا۔ اس عرصے میں بیت المقدس پہلی دفعہ نوّے سال اور دوسری بار دس سال مسیحیوں کے تصرف میں رہا۔ دیگر مقامات اس سے بھی کمتر عرصے میں تسخیر ہوتے اور واپس لیئے جاتے رہے۔ انطاکیہ اور صور کے لیئے البتہ دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ انطاکیہ ۱۲۶۸ء میں سلطان بیبرس نے واپس لیا اور صور کو ۱۲۹۱ء میں ملک الاشرف نے تسخیر کیا۔ اس کارنامے نے مقامات مقدسہ پر سے متحدہ یورپ کی یورش اور اُس کی یادگار دول کا خاتمہ کیا۔

چہاردہم[14] | مگر اہلِ یورپ نے یہاں آکر جو ذلت برداشت کی اس کا داغ مٹانے کی کوشش جاری رہی اور جو تفاوت انھوں نے اپنی اور مسلمانوں کی تہذیب میں دیکھا تھا اُسکے رشک ہی نے انھیں ترقی کے میدان میں گام زن کیا اور اقبال نے خدائی دن (ہزار سال) کے بعد مسلمانوں کی طرف سے مُنہ پھیرا تو مسلمانوں کے انہی ناشکرگذار شاگردوں کے سر پر سایہ ڈالا اور انہی کے ہاتھ سے مسلمانوں کے تنزل کا سامان ہوا۔ چنانچہ ۱۱۹۵ء میں ملک العادل کے ہاتھ سے ہزیمت اٹھاکر بھاگے ہیں تو ۱۲۱۲ء میں یہ سب صلیبی مجاہد پرتگال اور تمام ممالک یورپ کی قوت کو جمع کر کے سپین پر حملہ آور ہوئے اور کسٹائل کے رئیس کو جس نے اپنی ماں اور بیٹیوں کو التجا کے لیے بھیجکر ابو یوسف یعقوب کے ہاتھ سے جان بچائی تھی اور اطاعت کا حلف کیا تھا۔ اپنے مسلمان آقاؤں کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کیا۔ سخت معرکہ ہوا جس میں سلطان یعقوب کے بیٹے محمد ناصر نے شکست کھائی اور سپین کی اسلامی سلطنت کو سخت صدمہ پہنچا۔ مگر خدا کو ابھی اہل یورپ کی کامیابی منظور نہ تھی۔ ۱۲۳۲ء میں ایک اولوالعزم بادشاہ ابن الاحمر نے ارجونہ میں استقلال کا علم بلند کیا اور غرناطہ کو دارالخلافہ بناکر آیندہ اڑھائی سو سال کے لئے سپین میں عربی شان اور تہذیب کو قائم رکھا۔

پانزدہم[15] | یورپ کو اپنے وحشیانہ اطوار سے توبہ کرنے کا اور اغیار کی وحشت پر طعنہ زن ہونے کا موقع اب مل گیا ہو تو مل گیا ہو ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے ۱۵۴۱ء تک تو یہ سعادت حاصل کی نہ تھی۔ اُس وقت ٹیونس اور الجیریا عثمانیوں کے تصرف میں تھا اور خیرالدین وہاں کا گورنر تھا۔ چارلس پنجم شاہ ہسپانیہ نے جرمنی، اٹلی اور دیگر ممالک یورپ سے مدد لیکر بڑی تیاری سے یورش کی جس میں ۶۵ جنگی اور ۴۵۱ ٹرانسپورٹ کے جہاز تھے۔ ۳۶۲۵۰ سپاہی تھے۔ اس نے اتر کر ٹیونس کے دارالخلافہ پر قبضہ کیا تو مرد و عورت اور بچے ستر ہزار کی تعداد میں قتل ہوئے۔ پھر الجیریا پر آیا تو اوپر سے ہوا اور بارش کا طوفان ایسا اُٹھا کہ خشکی اور تری پر سب سامان تباہ ہوگیا اور چارلس نے مسلمانوں کے خفیف سے

حملے میں ناکام ہوکر واپسی کا حکم دے دیا۔ ٹیونس پر تصرف باقی رہا تھا وہاں سے بھی عثمانیوں نے سنہ ۱۵۷۴ء میں بالکل بے دخل کر دیا۔ یہ مسلمانوں کے خلاف متحدہ یورپ کی ناکام کوششوں کا آخری واقعہ ہے۔ اسکے بعد قدرت ایسی مددگار رہی ہے کہ انکی مشترک اور منفردہ ہر ایک کوشش اُلٹی بھی ہو تو سیدھی پڑتی ہے۔

باب ششم

سلسلۂ حوادث اور اُسکے عواقب و نتائج

فتنۂ تاتار۔ فتنے کی وسعت۔ مد کے بعد جزر۔ فتنۂ تاتار کی نظیریں۔ فتحیابی اور مغلوبی کا اثر۔ تاتاری حملہ کا آخری نتیجہ۔ اقبال کا خاتمہ۔ ادبار کی نحوست تشخیص کی ضرورت۔

فتنۂ تاتار | یورپ اور اہل اسلام کی مخاصمت تیرہ سو سال سے ہے ہنوز اس کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ یہاں محض اُن مشہور واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جن میں متحدہ یورپ نے اسلامی ممالک کے کسی خطے پر یورش کی ہے۔ فرداً فرداً مختلف حکومتوں کی باہمی آویزشیں شمار سے باہر ہیں اور ان میں ہزار سال کے اندر اندر نتیجے کے لحاظ سے ہمیشہ مسلمان کامیاب رہے ہیں اور بعد میں یورپ کی نوبت آئی ہے تو آجتک کامیابی اسکے سر پر سایہ تگن ہے۔ اس ذکر کو چھوڑ کر دیکھا جائے تو یورپ کے علاوہ اقبال کے زمانے میں مسلمانوں کا صرف ایک دشمن پیدا ہوا ہے جس نے ایران، عراق اور شام میں شہر کے شہر بے چراغ کر دیئے اور لاکھوں آدمی ذبح کیئے اور جس شہر یا قریے نے امن مانگ کر اُنکے لیئے دروازہ کھولا ہے اسمیں بھی وہ قتل عام کرنیکے بغیر داخل نہیں ہوا عورتوں پر رحم نہیں کیا۔ بچوں کو ماؤں کی گود سے چھین کر ذبح کر ڈالا ہے اور یہانتک خونریزی

کی ہے کہ دریا کا پانی سرخ کر دیا ہے۔

فتنے کی وسعت | یہ طوفان ۱۲۱۸ء میں اٹھا ہے۔ خوارزم شاہی سلطنت کے کسی گورنر کی بد انتظامی سے مغلوں کا ایک قافلہ لٹ گیا۔ چنگیز خاں نے تاوان طلب کرنیکے لیئے اپنا سفیر بھیجا۔ ظالم خوارزم شاہ نے اُسے بھی قتل کر دیا۔ مغلوں کی قوم وہ سفاک قوم تھی جسکا بادشاہ مرجائے تو جنازہ کو قبرستان تک لیجاتے ہوئے جو شخص سامنے آتے اُسے قتل کر دیا جاتا تھا کہ ہم اپنے بادشاہ کو زندہ نہیں دیکھ سکتے تو دوسرے انسان جیتے جاگتے کیوں سامنے آئیں خاقان اعظم چین میں فوت ہوا ہے اور جنازہ وطن میں لایا گیا ہے تو تمام سفر میں بیس ہزار انسان قتل کیئے گئے ہیں۔ محمد خوارزم شاہ کا جرم تو واقعی ظلم تھا اسکے انتقام میں تمام مسلمانوں کو قتل کرنے کی سزا انکے نزدیک زیادہ نہ تھی۔ ہلاکو خاں کی قیادت میں جو چنگیز خاں کا پوتا ہے ایک بحر زخار موجزن ہوا۔ اگرچہ چنگیز خاں اس مہم کو روانہ کرنیکے بعد ۱۲۲۱ء میں فوت ہو گیا۔ مگر ہلاکو خاں نے اسی جوش و خروش سے مہم کو جاری رکھا۔ خوارزم شاہی سلطنت کا نشان باقی چھوڑنے کا گمان بھی نہیں ہو سکتا اسے تباہ کر کے آگے بڑھا اور ۱۲۵۸ء تک تمام ممالک میں آگ لگاتا مسلمانوں کے ساتھ اُنکے امیر المومنین یعنی خلیفہ بغداد کے خون سے زمین کو سیراب کرتا اور دریائے دجلہ کو گلرنگ بناتا ہوا بیت المقدس کے قریب جا پہنچا۔

مدد کے بعد جزر | ہم اوراق سابقہ میں دیکھ چکے ہیں کہ ملک کا یہ حصہ چند روز پہلے صلیبیوں کے حملوں کا جواب دینے میں مصروف رہا ہے اور نہایت کمزور ہو چکا ہے اِس بلا کا مقابلہ کرنیکے لیئے کوئی تیاری نہیں ہو سکی اور مغلوں کی یہ یورش انتقامی جوش اور قتل و غارت کی ہوس کو پورا کرنے کے علاوہ صلیبیوں کو مدد دینے کا مدعا بھی پیش نظر رکھتی تھی۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ بوزک خاتون نامی ایک مغل شہزادی عیسائی مذہب میں بہت متعصب تھی۔ تاتاری علاقے میں نسطوری مسیحیوں کا گذر عرصے سے تھا اور بوزک خاتون کا شاہی خاندان عیسائی ہو چکا تھا۔ چنگیز خاں کا پوتا منگو خاں خاقان اعظم بنا ہے تو اُس نے اپنے بھائی

ہلاکو خاں کو ایک فرمان لکھا ہے کہ بزرگ خاتون کو تمہارے ہمراہ کیا جاتا ہے۔ اسلامی ممالک پر یورش کرنیکے اندر اس خاتون کے مشوروں کا ہمیشہ لحاظ رکھنا۔ چنانچہ یورش کو جاری رکھتے ہوئے جہاں جہاں موقع ملا ہے مسیحیوں کے عبادتخانے تعمیر کئے گئے ہیں اور ہلاکو خاں کا عزم تھا کہ بیت المقدس تسخیر کرنیکے بعد مسیحیوں کو دے دیا جائے گا۔ مگر شہر ناصرت کے قریب پہنچے جو جناب مسیح علیہ السلام کا مولد ہے تو منگو خاں خاقان اعظم کے فوت ہونے کی خبر ملی اور ہلاکو خاں لشکر کو قتبوغا خاں کی قیادت میں دے کر چین کو چلا گیا۔ سنہ ۶۵۸ھ میں مصر کے مشہور سلطان بیبرس نے جو اُس وقت سلطان سیف الدین قطز کے سپہ سالار تھے مصر سے آکر مقابلہ کیا اور مغلوں کو سخت شکست دیکر ایسا تعاقب کیا کہ شام اور عراق کا تمام علاقہ اُن سے یکسر خالی کر لیا۔ ایران اور بخارا میں اُن کا تسلط رہا مگر کچھ عرصے میں سب مغل خود بخود مسلمان ہو گئے اور جو دشمن تھے دوست بن کر اسلامی اغراض کے سرگرم حامی بن گئے۔

فتنۂ تاتار کی نظیریں اس فتنے کو اسلام کی سب سے بڑی مصیبت سمجھا جاتا ہے مگر جو کچھ ہوا ہے اسمیں تاریخ نے اپنے خاص طور پر اپنے تئیں دُہرایا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا۔ یعنی انسانی فطرت چونکہ ہمیشہ یکساں رہی ہے اسلیئے واقعات بھی یکساں پیش آتے رہتے ہیں اور یکساں نتائج مرتب ہوتے ہیں مگر اختلافِ اوقات اور اختلاف حالات سے واقعات کی صورت ہمیشہ کچھ نہ کچھ بدلتی بھی رہتی ہے اور اسیقدر نتائج میں تفاوت ہوتا رہتا ہے۔ ایک قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں اسلیئے کہا جاتا ہے کہ تاریخ ہمیشہ اپنے تئیں دُہراتی ہے۔ اور چونکہ ہمیشہ واقعات کی صورت میں کچھ تفاوت بھی ہوتا ہے۔ اسلئے کہتے ہیں کہ تاریخ اپنے تئیں کبھی نہیں دُہراتی۔ مسلمانوں پر ایک وحشی اور خونخوار قوم نے حملہ آور ہو کر بے انتہا تباہی پھیلائی ایسے وحشیوں سے اور مہذب اقوام کو بھی سابقہ پڑتا رہا ہے۔ بابل والے ان سے زیادہ بے رحم تھے اور بہت سے آباد ممالک کو تباہ کرتے رہے ہیں۔ ہُن اور گاتھ یورپ میں۔ اہل پارتھیا ایران میں۔ اور یہی مغل چین میں ہر قسم کی سفاکی غارتگری اور آتش زنی کے مناظر پیدا کرتے رہے ہیں۔ یہاں مغلوں نے ایک ایسی

ہستی کو قتل کیا جو اگرچہ دولت و ثروت کے لحاظ سے بہت بڑی شان نہ رکھتی تھی مگر جانشین رسول (علیہ السلام) ہونے کی وجہ سے اسے بادشاہوں کا بادشاہ سمجھا جاتا تھا اور دنیا کے سلطان بادشاہ اس سے اجازت لیکر حکمرانی کرنے پر فخر کرتے تھے۔ یہ مصیبت سب سے بڑی تھی مگر اسی طرح کی مصیبتیں پہلے بھی آتی رہی ہیں۔ ۳۷۸ء میں گاتھ قوم نے اڈریانوپل کے مقام پر قسطنطنیہ والوں سے مقابلہ کیا ہے تو قیصر جو اس وقت بھی دنیا میں سب سے معزز مانا جاتا تھا وحشیوں کے ہاتھ سے قتل ہوا اور پھر اسی قوم کے بادشاہ تھیوڈورک نے ۴۵۳ء کے بعد مشرقی شاہنشاہ سے اتحاد کیا ہے تو اسکی طرف سے اطالیہ پر حملہ آور ہو کر روم کے شہنشاہ کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہے۔

فتحیابی اور مغلوبی کا اثر

فاتح اور مفتوح قوم کے تعلقات کا یہ اثر ضرور دیکھا گیا ہے کہ مفتوح فاتح کی روش کو پسند کرنے لگے ہیں۔ سپین میں اہل روما کی آمد رفت دیر سے تھی بلکہ سپین روما کی سیادت بھی تسلیم کر چکا تھا۔ مگر اس ملک کو براہ راست روم کے ماتحت ۱۹۷ ق م میں لایا گیا ہے۔ اور مورخ حیرت سے لکھتے ہیں کہ ۱۳۳ ق م میں اہل سپین رومی تہذیب و تمدن اور رومی فیشن اور روش کی تقلید اور پابندی میں خود روم والوں سے بڑھ گئے تھے۔ ہندوستان میں بھی انگریزی طرز اور روش کو اسی شوق سے اختیار کیا جا رہا ہے اور عربی تہذیب و تمدن نے یہانتک کمال دکھایا ہے کہ مصر، شام، عراق اور افریقا کے بہت سے علاقوں میں طرز و روش مذہب اور زبان سب کچھ بدل دیا ہے۔ ایران، ترکستان اور تاتار میں عربی زبان رائج نہیں ہو سکی جب بھی مذہب کو ہر دلعزیزی حاصل ہو گئی ہے اور ان تمام ممالک میں اور نیز ہندوستان اور ترکی میں عربی زبان کے ماہر ایسے پیدا ہوئے ہیں جن کی تحریریں اور تصنیفیں تمام اسلامی دنیا میں مقبول ہوئیں۔ داخل درس کی گئیں اور اہل زبان کی تصانیف سے کسی حیثیت میں کمتر نہیں سمجھی گئیں۔ مفتوح اقوام کی مادری زبان کو بھلا دینے اور غیر زبان کو انکے دل و دماغ پر مسلط کر دینے کا ایسا اعجاز عربی تہذیب کے سوا کسی نے نہیں دکھایا اور آجتک کسی فاتح قوم کا ایسا تصرف نہیں ہو سکا کہ عربی جیسی مشکل زبان ہو اور ماتحت اقوام کے بہت بڑے وسیع

علاقوں میں انکی مادری زبان کی بجائے استعمال ہونے لگی ہو۔ فاتح کا مفتوح اقوام پر ایسا اثر دکھانے کے علاوہ تاریخ نے یہ تماشا بھی دکھایا ہے کہ فاتحین کا پایہ تہذیب میں کمتر ہو تو وہ خود مفتوح قوم کے رنگ میں رنگین ہو گئے ہیں۔ اہل روما نے یونان پر تسلط کیا ہے تو اپنی تہذیب کو پھیلانے کی بجائے یونانی تہذیب اختیار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ خراسان کے گلہ بانوں نے ایران پر تصرف کیا ہے اور ایشیا کے گڈریے بادشاہوں نے مصر میں قدم جمایا ہے تو دونوں نے مفتوح قوم کا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ گاتھ قوم نے ممالک روم میں فاتحانہ حیثیت حاصل کی ہے تو رومی تہذیب سے متاثر ہو کر ۳۶۵ء میں عیسائی مذہب کا اصطباغ لے لیا ہے۔

تاتاری حملے کا آخری نتیجہ

یہی نقشہ یہاں جما ہے۔ مغل ۱۲۱۲ء میں چین پر مسلط ہوئے ہیں تو بدھ مذہب کے پیرو ہو گئے ہیں اور ۱۲۱۸ء میں مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے ہیں اور اسلامی تہذیب کا اثر قبول کیا ہے تو مسلمان ہوتے چلے گئے ہیں۔ سب سے پہلے جو مغل حلقۂ اسلام میں در آیا ہے وہ قبچاق کا بادشاہ بیرک ہے یعنی جوجی خاں کا بیٹا اور چنگیز خاں کا پوتا۔ یہ شخص ۱۲۶۲ء میں منلوں کا طوفان فرو ہونے سے دو سال بعد مسلمان ہوا ہے۔ اسکے بعد بترتیب ایران کا بادشاہ، بخارا کا بادشاہ، اور آخر وئے بحیرہ قزوین کا بادشاہ اور تمام مغل فرمانروا جو چین سے باہر مختلف ممالک میں حکمراں تھے یکے بعد دیگرے مسلمان ہو گئے اور مورخ لکھتے ہیں کہ تاتاری حملے سے سو سال کے اندر تمام بخارا، ایران اور عراق کے مغل اسلامی فلسفے، لٹریچر اور فنون کے رنگ سے ایسے رنگین ہو گئے تھے کہ ان میں اور انکے ان بھائیوں میں جو چین پر قابض تھے کوئی مشابہت باقی نہ رہی تھی؎۔ پس اگرچہ یہ سب کچھ ہوا قانون قدرت کے مطابق اور تاریخی قاعدے کے ماتحت مگر مغلوں کی آستانۂ اسلام پر جبہ سائی خواہ کسی اثر سے متاثر ہو کر ظہور میں آئی ہو اتنی بڑی قوم اور ایسے وسیع ممالک کے، حلقہ بگوش اسلام ہونے سے اہل اسلام کو جسقدر تقویت اور

؎ تاتاریوں کا تمام حال ہسٹری آف ہسٹوریینز سے لیا گیا ہے ۱۲

اغراض اسلام میں جسقدر کامیابی حاصل ہوئی اُس سے انکار نہیں ہو سکتا اور کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح جنگ ہائے صلیبی نے اہل یورپ کو بیدار کیا اور اسلام کا دائمی دشمن پیدا کر دیا اور ہر چند وہ اُسوقت اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوئے مگر اس دُھن میں محو ہو کر آجتک اُسکی طرف سے غافل نہیں رہے۔ اسی طرح جنگ صلیبی کے بعد تاتاری حملے نے اگرچہ وقت پر بہت بڑا نقصان پہنچایا مگر انجام کار یہی قوم اسکی علمبردار بنکر اسلامی تسلط کو پورے فدائی دن اور قومی اقبال کے انتہائی عرصے تک پہنچانے میں مددگار ہوئی اور یورپ کی مخالفت اقبال کی مدت کم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔

اقبال کا خاتمہ | انقلاب رُکنے والی چیز نہیں اور عروج کی ایک حالت پر ہزار سال سے زیادہ رہنے کا موقع کسی قوم کو مل نہیں سکا تو مسلمان اس سے مستثنےٰ کیونکر ہو سکتے تھے یہی فخر کافی ہے کہ اسلامیوں نے قومی کشتی کو بحر دنیا میں اس خوش اسلوبی سے چلایا اور اپنے نظام قومی کی دلفریبی کو ایسی عمدگی سے بحال رکھا کہ نوع انسان کی مختلف الخیال جماعتیں اسکی ملاحی پر آمادہ اور دنیا کے مختلف حصے اسکی برکات سے مستفیض ہوتے چلے گئے اور قومی عروج کی جسقدر مدت قدرت نے معین کی ہے اسکے اندر حاسدوں کی ریشہ دوانی اور دشمنوں کی چیرہ دستی ہرگز کامیاب نہ ہو سکی اور اسلام پر تنزل آیا تو اسلئے آیا کہ بہار کی مدت ختم ہو نیکے بعد ہر چیز کو خزاں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور کسی چمن کی سرسبزی اور آبیاری کے لئے قدرت کی تمام طاقتیں خرچ کر دی جائیں جب بھی بہار کی مدت میں اضافہ اور خزاں کی آمد میں تاخیر نہیں ہو سکتی۔ جب خزانی ہوائیں چلنے لگتی ہیں تو اگرچہ درختوں پر پھول کھلے ہوئے موجود ہوتے ہیں مگر ان میں وہ رطوبت باقی نہیں رہتی جو ہوا کی یبوست کا مقابلہ کرے نہ شاخوں کے اندر وہ عرق دورہ کرتا ہے جس سے اور تازہ پھول پیدا ہوں اسی طرح قومی چمن پر خزاں آتی ہے تو اسکے افراد میں زمانے کی صعوبتوں کا مقابلہ کرنے اور اپنی ہستی کو قائم رکھنے کی قوت باقی نہیں رہتی اور قومی وجود سے وہ خوبیاں معدوم ہو جاتی ہیں جو اُسکے اندر کارآمد افراد کا اضافہ کریں۔ مسلمانوں پر جب تک بہار کا عالم تھا انکی اپنی نسل کے

علاوہ ایسی قومیں جو دشمن بنکر اُن پر حملہ آور ہوتی رہی ہیں یا جن کی طرف وہ دشمن بنکر اقدام کرتے رہے ہیں سبھی انکے دلفریب اوضاع و اطوار سے ایسی مسحور ہوتی رہی ہیں کہ یا اپنی قومیت کو مٹا کر انکی جماعت میں شامل ہو گئی ہیں یا شامل نہیں ہو سکی ہیں تو جب بھی اُنکے خصائل و عادات سے متاثر ضرور ہوتی ہیں اور انکی مثال سے کام لیکر اوصاف عالیہ میں کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہیں مسلمانوں کا یہ معجزنما اثر افریقا، یورپ اور ایشیا کے ہر حصے میں جن سے مسلمانوں کا تعلق رہا ہے نمودار ہے اور وہاں کے حالات ماقبل و مابعد کو دیکھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ اِس قوم نے نمایاں ہو کر دنیا کی علمی اور عملی ہر گونہ کیفیتوں میں کیسا کچھ انقلاب پیدا کیا ہے۔

ادبار کی نحوست | مگر آہ ذکر جوانی در پیری و ذکر تونگری در فقیری زیب نہیں دیتا۔ اقبال کا سایہ سر سے اُٹھا تو گذشتہ حالت ہزار سال رہی ہو یا ایک دن برابر ہے۔ ادبار کے اندر جو پست ہمتی اور کوتاہ نظری پیدا ہو جاتی ہے وہ ایسا ناگوار اثر دکھاتی ہے کہ خود اپنی قوم کے افراد اسلاف کی عالی ہمتی اور بلند نظری سے کوئی سبق نہیں لیتے اور اُنکی عظمت شان کی یادگاروں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اپنی پست حالی اور ذلت سے کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے تو اغیار کو اُنکے گذشتہ فسانوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے اور ایسی نکبت زدہ جماعت میں شامل ہونے کی رغبت کون کر سکتا ہے۔ اگرچہ دین ہدیٰ کی ضیا پاشی میں قصور نہیں اور اسلامیوں کے زمانۂ ادبار میں بھی نور اسلام سے منور ہونے والوں کی وہ کثرت رہی ہے جسے دیگر تبلیغی مذاہب رشک و حسد کی نظر سے دیکھتے اور اس سیلاب کو روکنے کیلئے کئی طرح کی سرگرم کوشش کرتے ہیں۔ مگر یہ محض حق اور صدق کی قوت ہے جو اطراف عالم میں نور پھیلا کر سعید روحوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی رہتی ہے ورنہ صدق کے علمبردار عرصۂ دراز سے غفلت و جمود کی نحوست میں مبتلا ہو کر اپنے اطوار و خصائل سے صدق کی تکذیب کرنے میں مصروف ہیں اور باطل پرست اپنی سحرکاریوں سے حق پر غالب آنے کی کوششوں میں زیادہ سے زیادہ سرگرم ہوتے جاتے ہیں۔ غرض صدق کا نور اب بھی موجود ہے مگر ہم نے خود اپنے اعمال سیاہ کے پردے ڈالکر اسے پروانوں کی نظر سے مخفی کر دیا ہے۔ حق کے سدا بہار

گلشن میں اب بھی رونق ہے مگر ہم نے ہر طرف اپنی رذائل کا خارستان پھیلا کر گل و بلبل کو باہمی اختلاط سے روک دیا ہے۔

تشخیص کی ضرورت اس حالت کے حسرت خیز اور تاسف انگیز ہونے میں کلام نہیں مگر سوال یہ ہے کہ مرض کی حالت کس حد تک پہنچ گئی ہے اور آئندہ کیلئے بیمار کی نسبت کیا رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ اِس کا جواب آسان نہیں اور یاس و امید کی کشمکش یقینی فیصلے تک پہنچنے میں مزاحم ہوتی ہے مگر اقوام عالم کے ہر گونہ حالات پیش نظر ہیں اور اُنکے عروج و زوال کی داستانیں رہنمائی کا کام دے سکتی ہیں تو اپنی حالت کا موازنہ کرنیکے بعد اسکے تاریخی نتائج پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

آؤ دیکھیں تو کہ بیمار کی حالت کیا ہے

باب ہفتم

مُسلمان افراد کی موجودہ حالت

دینی اور دنیوی بے مائگی۔ مسلمان طبقات۔ اعلیٰ طبقہ۔ ادنےٰ طبقہ۔ اوسط طبقہ۔ تعلیم یافتہ جماعت۔ قومی کارکن۔ اہل علم۔ علمائے دین۔ علمائے دین کی قسمیں۔ برادرانِ وطن۔ تعبیر کی کثرت اور خواب کی پریشانی۔ عظیم ترفتنہ۔ اختلاف کو دور کرنے کی خواہش اور پیدا کرنے کی کوشش۔ ضروریات موجودہ کا سرانجام۔ اہل علم کی سہل انگاری اور مدعیان علم کی عجلت پسندی۔

دینی اور دنیوی بے مائگی ہماری قوم بحالت مجموعی مذہبی کشش سے آزاد نظر آتی ہے۔ خدا کا نام زبان پر ضرور ہے مگر دل اُسکے خوف سے خالی ہو چکا ہے۔ راست بازی کی تحسین سب کرتے ہیں مگر دروغ بافی اور بہتان طرازی سے کسی کو باک نہیں۔ قدرت کی فیاضیوں کا لطف اٹھاتے ہیں مگر ادائے شکر کے لیئے جبینِ نیاز سجدہ ریز نہیں ہوتی۔ اور بار احسان سے

کبھی گردن جھکتی بھی ہے تو دل اسکی رفاقت نہیں کرتا اور اظہار شکر کے وقت بھی خیالات من و
مائی سے فراغت نہیں ملتی۔ بھائی کی عزت پر حملہ کرنے سے شرم نہیں۔ غیر کے مال پر نظر کرنے سے
پرہیز نہیں۔ اپنی تکلیف پر صبر نہیں، کسی کی تکلیف کا احساس نہیں۔ احکام مذہب پر رسم رواج کا
غلبہ ہے اور خلوص نیت پر نام و نمود کی حکومت۔ یہ کیفیت مسلمانوں سے مخصوص نہیں۔ دنیا
کی اور قومیں بھی اسی مرض میں مبتلا ہیں اور سب کے دلوں پر دین کی بجائے دنیا کی گرفت زیادہ
ہے۔ مسلمان اگر اس طرف جھکے ہیں تو چاہیئے تھا کہ دنیوی کاروبار میں اقبالمند قوموں کے برابر
نہ ہوتے جب بھی کم از کم یہود اور ہنود کی مانند زر و مال پیدا کرنے میں کوئی امتیاز حاصل کرتے
مگر ان سے یہ بھی نہ ہو سکا۔ حکام۔ اطباء۔ وکلاء۔ تجار۔ دکاندار۔ خوانچہ فروش۔ خدام اور گداگر
کسی قسم کے دو پیشہ وروں میں ایک مسلمان اور ایک نامسلمان کا مقابلہ کیا جائے تو بالادستوں
کی اطاعت میں۔ ماتحتوں کی رعایت میں ہمسروں اور ضرورتمندوں کے ساتھ سلوک کرنے میں
کام کے متعلق معلومات بہم پہنچانے میں۔ کام کو استقلال اور محنت سے سرانجام دینے میں منفعت
حاصل کرنے کے بعد اُسے کفایت کے ساتھ صرف کرنے میں۔ نقصان ہو تو اُسکی تلافی کے لیئے دور
اندیشی اور جز رسی سے کام لینے میں۔ کوئی کارنمایاں سرزد ہو تو اُسے معقولیت کے ساتھ بالادستوں
کے سامنے پیش کرنے میں کسی جرم کا ارتکاب ہو تو اُسپر معافی طلب کرنے یا مخفی رکھنے کی مناسب
تدبیر سوچنے میں غرض ہر کام میں اور کام کرنے کی ہر ادا میں جو راحت و فرحت سے لطف اٹھانے
یا رنج و تکلیف سے محفوظ رکھنے کے لیئے ضروری ہو مسلمان کو ناکام اور نامسلمان کو کامیاب دیکھا
جاتا ہے۔ مسلمان عزت اور ثروت کے ادنٰے یا اعلٰے کسی درجہ پر فائز ہو وہ خود بھی اکثر اور اسکے
پس ماندگان ہمیشہ اپنی حیثیت کو کم سے کمتر کرتے اور تباہی اور گمنامی کی طرف جاتے نظر آتے ہیں
اور نامسلمان کیسی ہی پست حالی کے اندر زندگی کا آغاز کرے بتدریج اپنے وسائل کو بڑھاتا اور پستی کو
بالاتری سے بدلتا ہوا کچھ عرصے کے اندر حیثیت میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ مستثنیات ہر قاعدے
میں ہوتے ہیں اور یہاں بھی ہیں مگر اکثر حالات اسی دعوے کو ثابت کرتے ہیں۔

مسلمان طبقات | مسلمانوں کے مختلف طبقات کو اُن کی موجودہ حالت میں دیکھا جائے تو اُس وقت بھی حسرت و افسوس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اعلیٰ طبقہ | یہ فریق اپنی حالت میں ایسا مست اور خود فراموش ہے کہ اُسے اپنے مآل کی کوئی فکر نہیں اور جن مشاغل میں زندگی بسر کرتا ہے اُنکے نتائج سے اُسے زمانے کا کوئی واقعہ اور ابنائے زمان کا کوئی انقلاب آگاہ نہیں کر سکتا اور اصلاح حال کی طرف قدم اٹھانے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تو قوم کی حالت کو دیکھنے اُنکے سود و بہبود میں غور کرنے اور اُس کو بروئے کار لانے کی اِن لوگوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔

ادنےٰ طبقہ | یہ گروہ اپنے آباو اجداد کی تقلید سے جس کام اور جس پیشہ میں مصروف ہے، اسمیں اپنی عقل حیوانی کی رہنمائی اور موروثی ملکے کی یاوری سے کام کرتا ہے اور حسن اتفاق سے صحیح رستے پر کامزن ہو جاتا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق اچھے دنوں کا مزہ دیکھ لیتا ہے نشیب و فراز سے سابقہ پڑتا ہے تو عقل ایسا چکر کھاتی ہے کہ کچھ بنائے نہیں بنتی۔ اسکی ادنےٰ حیثیت اور بے زری کسی بارآور مشغلے تک پہنچنے نہیں دیتی۔ دانشمندی اور سلیقہ شعاری کا ایسا وصف نہیں رکھتا کہ بگڑی کو بنا سکے ناچار حواس باختہ ہو کر اور بگڑتا چلا جاتا ہے۔ آخر بے دست و پا ہو کر خستہ حال جماعت میں اضافہ کرتا اور قوم کے لیئے باعث وبال ہوتا ہے۔

اوسط طبقہ | یہ جماعت جس حد تک اپنی خواہشوں میں کامیاب ہوتی ہے اُسی حد تک اعلیٰ طبقے کی مانند انجام سے بے فکر ہو کر لذائذ سے لطف اُٹھانے میں مصروف رہتی ہے اور جس وقت کسی ناکامی کا منہ دیکھتی ہے تو ادنےٰ طبقے کی مانند حیرت زدہ اور ناچار ہو کر مصیبت سے نکلنے کے لیئے کوئی رستہ نہیں پاتی۔

تعلیم یافتہ جماعت | یعنی علوم مروجہ سے روشنی لینے والے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں علمی خدمت اور عالمانہ تحقیق و تدقیق کے اندر کوئی شہرت نہیں پا سکے اور فرنگستانی علوم نے فرنگستانی طور و طریق کا پابند بنانے اور اُسکی وجہ سے مصارف کا بار زیادہ

کرنے سے سوا مسلمانوں کو کوئی منفعت نہیں پہنچائی۔ وہ اپنے بزرگوں کا اندوختہ مصارف تعلیم میں لگا کر فارغ ہوتے ہیں تو اپنی آمدنی سے صرف اپنی ذات کو دنیا کے لیے باعث زینت بنانے کا کام لے سکتے ہیں۔ مگر اپنی قوم، برادری یا کنبہ کو کوئی راحت نہیں پہنچا سکتے نہ غیر تعلیم یافتہ بھائیوں اور بزرگوں کے رنج و راحت میں شریک ہو سکتے ہیں۔ ان کے عزیز انکی جاہ و حشمت کی ترقی سے خوشنود ہوتے ہیں مگر وہ تعلیم یافتہ ہو کر اپنی ہر ادا سے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کسی اور قوم کے افراد ہیں اور اپنے فرسودہ حال بھائیوں سے کوئی رشتہ نہیں رکھتے۔

قومی کارکن — عزت و احترام کے مستحق اور قوم کے دلوں پر حکومت کرنے والے بھی چند گروہ ہیں۔ قومی کارکن خلوص نیت سے کام کرنے والے بھی ہیں۔ نام و نمود کے خواہشمند بھی ہیں گورنمنٹ کی نظر میں وقار حاصل کرنیکے امیدوار بھی ہیں مگر ایک یہ عیب سب میں مشترک ہے کہ باہم گر اتحاد سے کام کرنا نہیں جانتے اور رائے کا اختلاف ہو تو اپنے اصرار کو مخالفت اور عناد تک پہنچا نے میں تامل نہیں کرتے اور باہمی عیب بینیوں میں مبتلا ہو کر اُسے تحریر و تقریر سے شہرت دینے لگتے ہیں تو حصول مدعا میں ناکام رہتے ہیں۔ پبلک میں بدگمانی پیدا کرتے ہیں اور کام کو بند کرنے پر مجبور ہوتے ہیں یا تھوڑی تھوڑی قوت کو چند مرکزوں پر منقسم کر لیتے ہیں تو ایک مدعا کے لیئے کئی ادارے قائم ہو جاتے ہیں اور کام کا سرانجام کوئی نہیں کر سکتا دوسرے یہ عیب بھی ہر جگہ نمایاں ہے کہ کام کے لیئے اپنے اوقات راحت میں خلل انداز ہونے اپنے ذاتی اغراض میں حرج برداشت کرنے اور نقصان اور تکلیف دونوں چیزوں کی طرف سے بے پروا ہونے کی جس قدر ضرورت ہے اس کا خوگر کوئی نہیں اور کام کا بیڑا اٹھانے اور کوئی سوسائٹی قائم کرنے کے بعد ہر ایک رکن اپنی سہولت کے لیئے کام کا بار اوروں پر ڈالنا چاہتا ہے اور جب ایک یا چند اشخاص کام کو سنبھال لیتے ہیں تو انکے احتساب اور نگرانی کا فریضہ بھی کوئی ادا نہیں کرتا۔ انسانی فطرت گمراہی کی طرف جلدی رہنمائی کرتی ہے اس لیئے جس جماعت پر پورا اعتماد کر لیا جاتا ہے اس سے نادانستہ یا عمداً کسی طرح کی فروگذاشتیں یا

خیانتیں سرزد ہونے لگتی ہیں۔ اب شرکائے کار کی آنکھیں کھلتی ہیں مگر ابتدا میں لحاظ و مروت زبان کو بند رکھتی ہے جس سے وہ اور دلیر ہوتے ہیں۔ پھر درپردہ سرگوشیاں ہونے لگتی ہیں تو ایسی محفلوں کا راز چھپ نہیں سکتا۔ کارکنوں تک خبر پہنچتی ہے اور طرفین کے دلوں میں کاوش و عناد کی تخم ریزی ہو جاتی ہے جو علانیہ نزاع و فساد تک پہنچتی ہے۔ اس طریق سے بھی پبلک میں بدگمانی۔ امداد میں کمی۔ کام کی بربادی۔ قوت کا انتشار یا اور اسی قسم کے نتائج مرتب ہوتے ہیں اور دیکھا جاتا ہے کہ کالجوں۔ یتیم خانوں اور ہر قسم کی تعلیمی تمدنی اور سیاسی انجمنوں کا اہتمام جس خوب صورتی سے نامسلمان کرتے ہیں اور جیسے کچھ گرانقدر نتائج انکی کوششوں پر مرتب ہوتے ہیں اُن سے مسلمانوں کے کاروبار کو کوئی نسبت نہیں۔

اہل علم

مصنفین۔ مؤلفین۔ مدیرانِ اخبار۔ مضمون نگار۔ لکچرار اور قومی شاعر اسرار شریعت پر۔ مکارم اخلاق پر۔ قومی سود و بہبود کی تدبیروں پر۔ مصائب و آلام کے تذکروں میں اپنی خرد افروز تحریروں۔ جاں گداز تقریروں اور دل دوز نظموں کا وہ کمال دکھاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے قومی ترقی کے تمام رازوں سے باخبر ہیں۔ قومی مرض کے مجرب علاج سے واقف ہیں قومی درد سے بیقرار ہیں اور قوم پر دل و جان سے فدا ہیں۔ ان افراد کی کثرت بھی ایسی ہے کہ اگر انکی سحر نگاری اور جادو بیانی اثر دکھائے تو قوم کو بیدار کرنے میں ضرور کامیاب ہو اور جیسا اپنے قول سے ظاہر کرتے ہیں اگر عملاً اپنے تئیں قوم پر نثار کریں تو قومی ضرورتوں کیلئے کوئی حالت منتظرہ باقی نہ چھوڑیں۔ مگر قباحت یہ ہے کہ دل اور زبان ایک نہیں۔ اسرار شریعت کا عقدہ کھولنے والے خود مناہی میں منہمک ہیں۔ مکارم اخلاق کا راگ گانے والے دل آزاری کے خوگیر ہیں۔ سود و بہبود کا رستہ دکھانے والے دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں اپنی فضیحت سے شرماتے نہیں۔ قومی مصیبت پر رونے رُلانے والے سماں باندھنا جانتے ہیں دل میں درد رکھتے نہیں۔ اسلیئے انکی تحریروں سے اثر۔ انکی تقریروں سے کشش اور انکی نظموں سے جوش پیدا نہیں ہوتا اور قوم کے چشم و گوش کو تھوڑی دیر کیلیئے لطف اندوز کرنے کے سوائے

ان کوششوں پر کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔

علمائے دین | اس متبرک گروہ کا وجود مسلمانوں میں سب سے بڑی قوت ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو دنیا کے ہر کام میں اور زندگی کی ہر ضرورت میں رضائے باریتعالیٰ کو سب خواہشوں سے مقدم رکھنے کی تاکید ہے اور فرض ٹھیرایا گیا ہے کہ انسان کوئی قدم نہ اٹھائے جو اُسکی خوشنودی کے خلاف ہو اور کوئی حرکت نہ کرے جو اُسکی ناراضامندی کا باعث ہو اسلیئے تزکیۂ باطن کی کوشش میں اور حوائج دنیا کے سرانجام میں احکامِ خداوندی کو پیشِ نظر رکھنے اور حاملین شریعت سے ہدایت حاصل کرنے کی ضرورت رہتی ہے اور مسلمان کسی وقت انکی رہنمائی سے بے نیاز نہیں ہوسکتے۔ انکے ایسے اقتدار کی وجہ سے اگر ایک طرف رندانِ بے باک کی جماعت انکی قدرومنزلت کو رشک و حسد کی نظر سے دیکھنے اور انکو موردِ طعن و استہزاء رکھنے کی ہمیشہ سے خوگیر ہے تو دوسری طرف قوم بحیثیت مجموعی اُنکی عظمت کا اعتراف اور اُنکے فرامین کا احترام کرنے پر بھی مجبور ہے اور قوم کے واسطے تنزل و ادبار کے اسباب قدرت نے مہیا کیئے ہیں تو جو حصہ بداقبالی کا اس فریق کے لیئے اور اسکی وساطت سے قوم کیلئے مقدر تھا اس کا ایک بڑا ذریعہ انکی اسی عزت واحترام کو بنایا گیا ہے یعنی اس علو مرتبت پر قائز ہونے کی خواہش پیدا ہوئی ہے تو علمائے دین کی جماعت میں ایسے متضاد عناصر جمع ہوگئے ہیں جو اپنی مختلف الاقسام اغراض اور متناقض مقاصد کو بروئے کار لانے کی آرزو میں مبتلا ہوکر قوم کو دین ہُدیٰ کا رستہ دکھانے کی بجائے ہر طرح کی گمراہی اور کجروی کی طرف لے جانے کا باعث ہوتے ہیں۔

علمائے دین کی قسمیں | یہ گروہ کئی قسموں میں منقسم ہے:۔

۱۔ بہت تھوڑی تعداد میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جنھوں نے عمریں علوم دین کی تحقیق میں صرف کی ہیں اور جن کے پاکیزہ اوقات اسی دشت کی سیاحی میں بسر ہورہے ہیں۔

۲۔ مگر انکے ساتھ ایسے افراد بھی علمائے دین میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے علوم دین سے شناسائی پیدا کرنیکے بعد اس شغل سے یکسو ہوکر اپنا تمام وقت دنیا کے اور مشاغل کیلئے

وقف رکھا ہے اور اس فضا میں عمر بسر کی ہے جس میں اصول اسلام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا نہیں جاتا اور مختلف خیالات سے متاثر ہونے کے بعد اوقات فرصت میں بزعم خود اصلاح مذہب کا خیال کیا ہے تو مسائل دین کی تنقید و ترمیم میں مصروف ہو گئے ہیں۔

۳۔ اور ایسے اشخاص بھی مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہیں جو محض عربیت سے آشنا ہیں علوم دین کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے مگر اپنی اصابت رائے پر وثوق رکھتے ہیں اور مہماتِ مسائل پر رائے زنی کرتے رہتے ہیں۔

۴۔ وہ بزرگوار بھی شامل ہیں جو عربیت سے شناسا ہونے کی حاجت نہیں رکھتے سحر نگاری اور جادو بیانی کر سکتے ہیں اور زور تحریر و تقریر سے اس میدان میں فتحیاب ہونا چاہتے ہیں۔

۵۔ ایسے لوگوں کی بھی بہت بڑی تعداد ہے جو قلم کو ہاتھ لگا نہیں سکتے معقولیت کے ساتھ کوئی مضمون سُنا نہیں سکتے آیت و حدیث کے نام سے چند صحیح یا غلط جملے یاد رکھتے ہیں اور جبہ و دستار کی نمایش سے محراب و منبر کو زیب دیتے ہیں۔

یہ سب وہ لوگ ہیں جو ائمہ مذہب کے منصب پر فائز ہو چکے ہیں۔ معتقدین و مقلدین کی بڑی یا چھوٹی جماعتیں زیر اثر رکھتے ہیں اور ان سے فتوے لیا جاتا ہے اور پسند کیا جاتا ہے۔ رہا عمل۔ یہ دنیا اسلامیوں سے خالی ہے اور عمل کرنے والی جماعت علمائے دین کے کسی فریق کو میسر نہیں کسی واقعہ پر جذبات کو بھڑکا کر عوام الناس کو برافروختہ کر دینا اور بات ہے۔ کوئی قدامت پسند یا آزاد خیال مفتی یہ فخر نہیں کر سکتا کہ ایسے افراد بھی موجود ہیں جو استقلال کے ساتھ اُسکی رائے کی تقلید کرتے ہوں اور اسکے احکام پر ثابت قدمی سے عمل پیرا ہوں۔

۶۔ مگر علمائے دین کی موجودہ جماعت اسی پر منحصر نہیں ہے۔ جس نشستگاہ میں چند یاران سرپل جمع ہوتے ہیں۔ جس موٹر یا ٹرین کے درجے میں چند مسلمان سفر کرتے ہیں۔ درزی یا سُنار، عطار یا بزاز کی جس دُکان پر چند گاہکوں کا اجتماع ہو جاتا ہے وہاں کاروبار کی

باتوں میں۔ دل لگی اور تفریح کے تذکروں میں۔ عیب چینی اور غیبت گوئی کی دلچسپیوں میں کسی مذہبی مسئلے پر بحث بھی ضروری سننے میں آتی ہے۔ اسمیں ہر شخص حصہ لیتا ہے اور جو نقشہ سعدی نے قاضی کے دربار کا کھینچا ہے وہی ہر جگہ دیکھا جاتا ہے۔ خروسان شاطر جنگ و منقار سے حملہ آور ہوتے ہیں۔ ہر شخص اپنے تئیں مجتہد العصر کے انداز میں ظاہر کرتا ہے اور تحکمانہ لہجے میں "میں نہیں مانتا" "میرا خیال یہ ہے" سب کی زبان سے سنا جاتا ہے اور ایسے ایسے عقائد اور ایسے ایسے مسائل پر اصرار کیا جاتا ہے جو مذہب کا مطالعہ کرنے والوں کی نظر سے کبھی نہ گذرے ہوں۔

برادران وطن غیر مسلم ہموطنوں کے جمگھٹے اور مجلسیں بھی دیکھنے میں آئی ہیں اور روزانہ کئی کئی ماہ تک انکی باہمی گفتگو سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ کام کی باتیں ہوتی ہیں۔ مقاصد میں کامیاب ہونے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ مخالفوں کو شکست دینے کے منصوبے سوچتے ہیں۔ دوستوں کی تعریفیں کرتے ہیں۔ دشمنوں کے عیب گنتے ہیں۔ باہمدگر مشورے کرتے ہیں ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں۔ اپنے اپنے مذاق کے مطابق بھلا اور برا ہر طرح کا ذکر ہوتا ہے۔ مگر ایشور پرماتما کا نام بھی شاذ و نادر ہی سننے میں آتا ہے۔ مذہبی بحث و تکرار کا ذکر کیا۔ اتفاقاً کسی پنڈت کی زبان سے رامائن کے چند اشلوک سن لیتے ہیں تو فخر سے کہتے ہیں چلو فرصت کا وقت تھا دھیان گیان میں صرف ہو گیا۔ اُن کا یہ انداز مذہب سے بے اعتنا ہونے کا ثبوت ہو تو ہو۔ انہیں یہ فائدہ ضرور حاصل ہے کہ انکی قوم میں مذہبی اختلافوں کا طوفان برپا نہیں۔ دل و دماغ رکھنے والے رہنماؤں نے مختلف فرقے ان میں بھی پیدا کر دیئے ہیں مگر یہ قیامت برپا نہیں کہ جاہل عالم سب کا مسلک جدا ہو۔ اور مذہب کا کوئی مسئلہ نہ ہو جسمیں چند متناقض خیالات سننے میں نہ آئیں۔

تعبیر کی کثرت اور جواب کی پریشانی ہماری مجلسوں میں کوئی بیچارہ طالب حق بیٹھ جاتا ہے تو ہر معاملہ پر اختلافی بحثیں سن کر ششدر رہجاتا ہے اور جو خیال پہلے سے دل میں رکھتا ہو اُسمیں بھی مذبذب ہو کر اٹھتا ہے۔ یہی غنیمت ہے کہ ہر خیال کی تائید کے بعد اُسکی تردید بھی سُنتا

رہتا ہے تو کوئی غلط عقیدہ لیکر نہیں اٹھتا۔ ہاں ان عاشقان خود نمائی سے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں ہمارے ناخواندہ واعظ جو اصول و فروع کے تفاوت سے آگاہ نہیں ہوتے۔ وقتی ضرورتوں کو سمجھ نہیں سکتے۔ اور مذہب کی جس قدر جزئیات سے واقف ہوتے ہیں اُنہی کو اصل مذہب سمجھکر پیش کرتے رہتے ہیں۔ یا ہمارے وہ علما، جو علوم دین کو حاصل کرنے کے بعد وعظ و پند کو ذریعۂ معاش گردانتے ہیں۔ ان بزرگواروں کو راہ حق دکھانے سے زیادہ مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس یہ لوگ اسلامیوں کے مختلف فرقوں میں سے کسی ایک کے علمبردار ہوکر نمایاں ہوتے ہیں اور مخالفوں کی تردید پر تمام ہمت صرف کرتے ہیں تو اپنے متبعین کی نظر میں عزیز ہوکر قدر و منزلت پاتے ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کی سعی سے مستحبات فرائض کا رتبہ پاتے ہیں۔ مکروہات محرمات کی جگہ لیتے ہیں نہایت خفیف اختلافات میں خوفناک مخالفتوں کی صورت پیدا کرتے ہیں۔ مسلمان کو مسلمان سے متنفر اور ایک کو دوسرے کی شکل سے بیزار کر دیتے ہیں۔

عظیم تر فتنہ | ان سب سے بڑھکر غضب ڈھاتے ہیں ہمارے نوتعلیم یافتہ لکچرار مضمون نگار اور مصنفین کہ محض زور طبیعت سے دینیات پر حملہ آور ہوتے ہیں تو سب دمدموں کو توڑتے اور سب مورچوں پر گولہ باری کرتے ایک طرف سے دوسری طرف جا پہنچتے ہیں۔ ہمارے واعظین اُن اختلافوں کو زندہ رکھتے ہیں جو پہلے سے موجود ہیں مگر ہمارے روشن خیال علماء نئے سے نئے اور عجیب سے عجیب اختلافات پیدا کرتے جاتے ہیں۔ اُنکے پیش نظر تہذیب جدید کی دلفریبیاں ہیں اور زمانۂ حال کی آزادیاں اور اس امر پر اُن سب کا ایمان ہے کہ مہذب قومیں جو کچھ پسند کرتی ہیں اور جس طرز و روش سے اپنے مشاغل اور اپنی تفریحات کو سرانجام دیتی ہیں وہ سب کچھ ضروری ہے اور اُسکا کوئی جزو نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ یہ اصل الاصول قرار دیکر نظر عنایت مذہب کی طرف مبذول کرتے ہیں تو اپنی قوت اجتہاد سے جس ناجائز کو جائز اور جس فریضے کو نامناسب ثابت کرنا چاہتے ہیں قلم کی ایک جنبش سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مذہب اسلام کی بنیاد قرآن اور اسوۂ رسول ؐ پر ہے۔ وہ لوگ اس دوئی کو پسند نہیں کرتے۔ ہاں اپنے مدعا کے موافق نظر آئے تو

رسول علیہ السلام کے قول یا فعل کو بڑے اہتمام اور نہایت احترام سے پیش کرتے ہیں جہاں کوئی وہی ہو اُسے ٹھکرا دیتے ہیں کوئی قباحت نہیں دیکھتے۔ قرآن کریم کی کسی آیت کو صحیفے سے خارج نہیں کرسکتے مگر یہ قدرت رکھتے ہیں کہ ضرورت ہو تو لفظ کا مفہوم بدلنے کے لئے اسناد لغوی کو نظر انداز کر دیں اور محاورات عرب سے انکار کر دیں اور اپنی معجزنمائی سے جس آیت کا جو مطلب چاہیں سمجھ لیں۔

اختلاف کو دور کرنے کی خواہش اور پیدا کرنے کی کوشش

طبع وقاد کو ایسی آزادی سے سرگرم جولان کرنے کا یہ اثر ہوا ہے کہ محض قرآن پر انحصار رکھنے والے علمار کی جماعت میں مشرق سے مغرب تک کوئی دو شخص بھی کسی تازہ اجتہاد پر متفق نہیں ہیں؎ قدیم اختلافوں میں پھر بھی اتفاق کی

؎ یہ سب بزرگوار ایک اصول میں متحد ہیں۔ روش جدید کو سب دل سے پسند کرتے ہیں اور اسکے خلاف کسی تعلیم کو اختیار نہیں کر سکتے تو چاہئے تھا کہ سب کا مسلک ایک ہوتا اور باہم کوئی اختلاف پیدا نہ ہو سکتا مگر وجہ یہ ہوئی کہ سب پیدائشی مسلمان ہیں اور بدو شعور سے اسلامی تعلیم کی آواز کان میں پڑتی رہی ہے تو ہر شخص کے دل پر مذہب کے کسی نہ کسی اصول کا ایسا قبضہ ہو گیا ہے جس سے وہ آزاد نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک ایک دو دو باتیں جو ہر شخص کے دل پر جمی ہوئی ہیں روشن جدید کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہیں تو ہر ایک کو دوسرے سے جدا کر دیتی ہیں۔ گویا وہ سب ڈاکٹر ہیں جو انگریزی دوا کا ایک ہی نسخہ تجویز کرتے ہیں مگر دیسی نسخے کی بھی کوئی نہ کوئی دوا ہر ایک کو پسند ہے۔ اسلئے کوئی انگریزی نسخے میں نیلوفر، کوئی بنفشہ اور کوئی گاؤزباں ملا دیتا ہے۔ اور ہر ایک ڈاکٹر کا نسخہ بحالت مجموعی دوسرے سے مختلف ہو جاتا ہے چنانچہ ایک فریضہ نماز کی نسبت ہی حضرات روشن خیال کے مندرجہ ذیل اختلاف دیکھنے میں آتے ہیں (۱) نمازیں پانچ ہیں (۲) نمازیں تین ہیں (۳) نمازیں دو ہیں (۴) نماز کا وقت معین کرنے کی ضرورت نہیں جب اور جتنی فرصت ملے پڑھ لی جائے (۵) نماز کی رکعتیں معین ہیں (۶) نماز میں ایک رکعت کافی ہے (۷) نماز میں رکعتیں معین نہیں۔ ایک دو پانچ دس جسقدر ممکن ہو پڑھ سکتے ہیں (۸) نماز کے تمام رکن یگانہ ہیں سجدہ بھی ایک ہو (۹) نماز میں پڑھنے کے اوراد معین ہیں (۱۰) نماز کے ہر رکن میں قرآن کی وہ آیات پڑھی جائیں جو زمانہ حال کے ایک امام نے مقرر کر دی ہیں (۱۱) نماز کے اندر کہیں کہیں سے بلا تعین قرآن پڑھا جائے (۱۲) چلتے پھرتے باتیں کرتے چند لمحے خدا کی طرف دھیان کرنے میں خرچ کر دیں تو نماز ہو جاتی ہے (۱۳) نماز وغیرہ فرائض کی پابندی قوم عرب کے ساتھ مخصوص تھی۔ (۱۴) شام کا وقت ٹینس کھیلنے کا اور کلب میں جانے کا ہے اور نمازیں بھی اسی وقت پے در پے آتی ہیں۔ اس وقت کو نماز سے پاک رکھنا چاہیئے (۱۵) نماز صرف یہ ہے کہ دنیا کے مفید کاروبار کو خوب صورتی کے ساتھ پورا کیا جائے۔ یہاں تک فتادے جاری ہو چکے ہیں دنیوی کاروبار کو نماز سمجھنے والے آئندہ بہت کچھ ترقی کر سکتے ہیں۔ مفید کاروبار کی تعریف بہت وسیع ہو سکتی ہے تجارتی کاروبار کے مفید ہونے میں کلام نہیں مگر بعض کے نزدیک تفریح طبع کے لئے شطرنج، تاش، گھوڑدوڑ اور پولو۔ بلکہ قانونی گرفت سے پہلو بچاتے ہوئے قمار بازی اور مال وزر حاصل کرنے کے لئے فن وفریب طبی اصول کی (باقی برصفحہ ۹۶)

جھلک نمایاں تھی کہ ایک ایک فرقے کو ماننے والے اور ایک عقیدے پر قائم رہنے والے ہر زمانے میں
لاکھوں اور کروڑوں تک پہنچتے تھے۔ ہمارے زمانے میں وہ فرقہ آرائی مذموم سمجھی جاتی
ہے تو اب ہر شخص کی دنیا الگ ہے۔ اور ہر فرد بجائے خود ایک فرقہ ہے جو اپنے جیسے روشن
خیالوں کے ساتھ بھی اتفاق نہیں کر سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ قرآن کریم کے جن مطالب کو تمام مسلمان اور جن
اختلافوں کو اسلامیوں کی بڑی بڑی جماعتیں تسلیم کرتی آئی ہیں وہ سب غلط ہوں اور جو مفہوم
کسی نفس زکیہ نے آج قرار دیا ہے وہ صحیح ہو۔ مگر وہ ہو گا ضرور ایک ہی مفہوم اور اسکے علاوہ
وہ تمام مختلف خیالات جو آج قرآن سے نکالے جاتے ہیں اور یہ تمام رد و بدل جو فرائض اور محرمات
میں کیا جاتا ہے اور یہ تمام ترمیم و تنسیخ جس سے قرآن کے بعض حصوں کو پیغمبر اسلام علیہ السلام کے
زمانے سے اور بعض حصوں کو قوم عرب سے مخصوص کیا جاتا ہے اور کسی حصّے سے مسلمانان
حال کو اور کسی حصّے سے دیگر اقوام متمدنہ کو آزاد رکھنے کی تدبیریں ہو رہی ہیں ان سب مختلف الاقسام
اور متنوّع الاشکال اختلافوں کو باستثنا کسی ایک مفہوم کے جسکو صحیح قرار دیا جا سکے غلط
کہنا اور گمراہی کا باعث تسلیم کرنا پڑے گا اور ماننا ہو گا کہ روشن خیال علمائے دین نے علوم
جدیدہ سے کام لیکر جس اسلام کو دنیا سے روشناس کیا ہے اسمیں ایک شخص رات کو رات کہتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵) آڑ میں شراب خواری بھی مفید سمجھی جا سکتی ہے۔ یہ سب کچھ ابھی نہیں تو آئندہ ایسے لوگوں
کی نماز سمجھی جا سکے گی۔ خدا کی قدرت ہے روش جدیدہ کی رہنمائی سے جو مسلمانوں میں مصلح اور ریفارمر پیدا ہونے لگے ہیں
تو انھوں نے اپنے مقدس فریضے کو علمائے دین پر حملہ آور ہونے سے شروع کیا تھا۔ اور قوم کے تمام ادبار و تنزل کا الزام
اسی فرقے پر رکھا تھا۔ اور عوام کو ان سے بدگمان کرنے کے لیئے کاری حربہ یہی استعمال کیا تھا کہ مولویوں نے مسلمانوں
کے اندر مختلف فرقے پیدا کر دیئے ہیں اور مولوی قوم کو راہ راست کی طرف لے جانے کی بجائے ادبار و پستی اور ذلت کی
طرف دھکیلتے ہیں۔ علمائے ربانی اس الزام سے پہلے بھی بری تھے اور اب بھی بری ہیں۔ مصلحان قوم اس بہتان سے اپنے
لیے رستہ صاف کرنا چاہتے تھے۔ خدا نے انھیں اسی بلا میں گرفتار کر دیا جس میں دوسروں کو مبتلا سمجھتے تھے کہ آج کے
تمام تعلیمی تمدنی اور سیاسی کاروبار میں ہر جگہ ایسے اختلاف پیدا ہو رہے ہیں جو کسی کام کو سرسبز ہونے نہیں دیتے
مذہبی تحقیق انکے بس کی بات نہ تھی اسمیں جو بات منہ سے نکالتے ہیں اور جو لفظ تحریر میں لاتے ہیں انہی جیسے مصلحین اُس
میں سو شاخسانے نکالتے ہیں اور نئے سانچے میں ڈھلے ہوئے اسلام کا کوئی ایک مسئلہ بھی سب کے نزدیک مسلّم نہیں ہے۔ کہ کردکہ
نیافت ۱۲۔۔۔

تو وہ بھی اپنے خیال میں فرو ہے اور کوئی اسکے ساتھ متفق نہیں اور جو رات کو دن کہتا ہے وہ بھی اپنے خیال میں یگانہ ہے اور ایک وقت کو دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے ہر گھنٹے کی طرف منسوب کرنے والے موجود ہیں اور سوائے کسی ایک کے جو سچ کہتا ہوگا اور سب دروغ باف اور غلط کار ہیں۔ قرآن کریم کا دعوے تھا کہ اس کتاب سے بہت لوگ ہدایت لیتے ہیں تو اکثر گمراہ بھی ہوتے ہیں۔ یہ پیشینگوئی تیرہ سو سال تک ظہور میں نہ آئی تھی کیونکہ پہلے لوگوں کے تمام اختلاف فروعات میں تھے۔ آج اسکی سچائی ظاہر ہوتی ہے اور محض قرآن سے سند لیکر ہر شخص نیا خیال قائم کرتا ہے جن میں سے اگر ہدایت پر ہوگا تو کوئی ایک ہوگا۔ باقی سب نے قرآن سے گمراہی کے سوا کچھ نہیں لیا۔

ضروریاتِ موجودہ کا سرانجام

علمبرداران تہذیب جس ترمیم و تنسیخ کا ارتکاب مذہب کو روشنی عصر کے ساتھ مطابق کرنے میں کرتے ہیں اس سے کسی مسلمان کو ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ کشش اُنہی دلوں میں پیدا ہو سکتی ہے جو موجودہ تمدن کی دلفریبیوں سے مرعوب ہیں اور جو ہر طرح کی عزت و احترام کا استحقاق اقوام متمدنہ کے ساتھ مخصوص سمجھ کر جب تک تمام اعمال و اشغال میں اور ہر طرح کی طرز و روش میں اُنکے نقش قدم پر نہ چلیں اپنے تئیں کسی اعزاز و امتیاز کا مستحق نہیں سمجھتے۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ اسکے علاوہ روشنی جدید نے حقیقت میں بعض ضرورتیں بھی پیدا کر دی ہیں جنکو پورا کرنے سے موجودہ شرعی دستور العمل مانع ہے اور بعض منہیات کا استعمال بھی کثرت سے ہونے لگا ہے جنکو روکنے کے لیئے مروجہ قانون اسلامی عدالتوں کو اختیار نہیں دیتا اور جن کے ارتکاب سے انسانی سرشت محض گناہ ہونے کے خیال سے باز نہیں رہ سکتی۔ روشن خیال بزرگوار ایسے امور کو زیر بحث لاتے ہیں تو تحریر و تقریر کی پوری قوت دکھا سکتے ہیں اور علمائے اسلام اپنے موجودہ مسلک کے مطابق جواب کو زوردار بنانے میں کامیاب نہیں بنا سکتے۔ سبب یہ ہے کہ اعتراض اُن واقعات کی بنا پر ہوتا ہے جو تازہ ایجاد ہیں یا جنکا پہلے شاذ و نادر اتفاق ہوتا تھا اور اب بکثرت پیش آنے لگے ہیں۔ تازہ ضرورتوں کی نسبت علمائے سابق کو احکام شریعت کا معلوم کرنا اور قید تحریر میں لانا ممکن نہ تھا اس لیئے دفاتر مدونہ اِن کے ذکر سے خالی ہیں۔ نادر الوجود واقعات کی طرف بھی اکثر حالات

میں توجہ بہ مبذول نہیں ہوا کرتی اور کوئی ذہن رسا اس طرف منتقل ہوتا ہے اور شریعت ربانی کا حکم دریافت کرلیتا ہے تو وہ بھی جمہور کی توجہ کو اپنی جانب جذب نہیں کرسکتا اور نادر واقعے کا حکم بھی اکثر پردۂ خفا میں مستور رہتا ہے۔ مگر چونکہ دفاتر قانون کے کسی گوشے میں وہ حکم موجود ضرور ہوتا ہے اسلیئے ایسے واقعات کی کثرت ہونے لگتی ہے تو علماء کو اس طرف التفات کرنا پڑتا ہے اور رفتہ رفتہ جو قاعدہ بعض کو معلوم ہوتا ہے سب کی نظر میں جگہ پاکر متداول اور مستعمل ہوجاتا ہے۔ کتب فقہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر مسائل میں علمائے احناف کا جو مسلک معین ہے اسکو واقعات کی کثرت نے بدلوادیا ہے اور کہیں امام مالکؒ کے قول پر اور کہیں دیگر ائمہ مجتہدین کے اجتہاد پر کاربند ہوکر انکو اپنے قدیم فیصلے کے خلاف فتوے دینا پڑا ہے اور آیندہ کے لیے جدید فتوے متداول ہوگیا ہے۔ نو ایجاد ضرورتوں کی نسبت بھی یہی دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات فی الفور اور کبھی کسیقدر انکا کے بعد اسرار قرآن و حدیث میں تامل کیا گیا ہے تو ضروریات داعیہ کا حل دریافت ہوگیا ہے اور شریعت اسلامیہ کسی واقعے کے تدارک اور کسی ضرورت کے اہتمام میں قاصر ثابت نہیں ہوئی۔ البتہ اپنے عزیز مسلک کو بدلنا اور قدیم رائے کو ناقص قرار دینا خصوصاً جبکہ صدہا سال سے اُسپر عملدرآمد ہوتا رہا ہو نہایت دشوار ہوتا ہے۔ حکومتیں بھی جب اپنے مروجہ قانون پر عمل پیرا ہونے میں کوئی قباحت محسوس کرتی ہیں تو بڑے بڑے عرصے تک اسکے ناکافی اور مضر ہونے کا تجربہ کرتی رہتی ہیں اور جب کئی طرح کے نقصان پیدا ہولیتے ہیں اور بندگان خدا حرج اور تکلیف برداشت کرچکتے ہیں بلکہ ایک نسل نقصان برداشت کرتی ہوئی فنا ہوچکتی ہے اور دوسری نسل برسرکار آتی ہے تو قانون کو ناقص قرار دے کر بدلنے کی طرف قدم اُٹھایا جاتا ہے۔ اِسی طرح احکام شریعت سے جو مسائل وقتاً فوقتاً استنباط کیئے جاتے ہیں اور ایک عرصے تک انکے محاسن و فوائد بھی تجربے میں آچکتے ہیں انکو چھوڑکر اصول اسلام پر نظر ثانی کرنے اور تازہ حالات کے مطابق مسائل مستنبطہ کو بدلنے کے لیئے طبیعتیں جبھی آمادہ ہوسکتی ہیں کہ تجربہ شدہ فوائد اور محاسن کے مقابلے میں حالاتِ حاضرہ کی وجہ سے نقصانات و قباحتیں بھی یقین کی آنکھوں سے نظر آنے لگیں۔ ایسا تجربہ اور اس کا نتیجہ دیر میں برآمد ہوتا ہے

اس لیے جدید حالات کے بارے میں فیصلہ بھی جلد نہیں ہو سکتا۔ اور بعض اوقات قدیم طرزِ عمل کے ساتھ اُنس ایسا پیدا ہو جاتا ہے کہ جدید حالات میں اسی کو قائم رکھنے کی تمنا ہوتی ہے تو اہل فتوے و اجتہاد اپنی روش پر اصرار کرنے لگتے ہیں اور موجودہ ضرورتوں کا اہتمام کرنے میں اور بھی دیر ہو جاتی ہے۔

فی زمانہ یہی کیفیت ہے اور اسلامیوں کو جدید تہذیب سے روشناس ہونے کے بعد جو تازہ ضرورتیں پیش آئی ہیں علمائے دین میں سے بعض کو ان سے انکار ہے بعض کو تذبذب ہے اور بعض کو احساس پیدا ہو چلا ہے تو ہنوز کسی قطعی نتیجے تک نہیں پہنچے۔ اعتراض کرنے والوں کو علما کی ان دشواریوں کا احساس نہیں۔ آزادی کی وجہ سے اُنکے لیئے رستہ صاف ہی اور جو طریقِ عمل ایجاد ہو چکا ہے اُس پر بے تامل رہ سپار ہونا چاہتے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ اُنکے اعتراض میں زور ہوتا ہے اور علمائے دین جواب میں کچھ بحث و تکرار کرتے بھی ہیں تو آواز کو بلند نہیں کر سکتے ان کے لیے روش جدید کو بلا کم و کاست تسلیم کر لینا دشوار ہے کہ فوائد کے ساتھ مضرتیں بھی موجود ہیں۔ معتدل طریق جس میں اسلامی شان قائم رہے یعنی منہیات کا ارتکاب نہو۔ اور واقعی ضرورتوں کا اہتمام ہو سکے اسقدر جلد دریافت نہیں ہو سکتا ہے کہ اعتراض کو سنتے ہی مُسکت جواب دیا جا سکے طبیعتیں خود بخود مصروفِ عمل ہیں۔ اعتراض سُننے اور کسی ضرورت کا احساس کرنیکے بعد جواب دینے کی خواہش نہو جب بھی دماغ بیکار نہیں رہتا۔ خیالی عمارتیں بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں کسی نہ کسی وقت نقشہ مکمل ہو جاتا ہے تو عملی کام کا وقت آجاتا ہے۔ ہمارے علما اسی دَور میں سے گذر رہے ہیں اور کچھ کچھ نشانِ راہ دریافت کرتے جاتے ہیں۔ یقین ہے کہ کچھ عرصے میں تمام دشواریوں پر غالب آنے کا رستہ معلوم ہو جائے گا۔[1]

---

[1] یہ نتائج علمائے اسلام کے گذشتہ اور موجودہ طرزِ عمل پر مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً:-

مفقود کا مسئلہ | زن و شوہر کا محض محبت کا رشتہ ہو اور پاکباز لوگ بالعموم تعلقات زناشوئی میں ایسے خلوص اور ایثار کی زندگی بسر کرتے ہیں کہ ایک کو دوسرے کی محبت میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں ہوتی۔ انہیں سے اگر کوئی مفقود الخبر ہو جائے تو اُسکی نسبت کسی طرح کی بے وفائی کا گمان نہیں کرتے اور اُسکو مجبور سمجھکر (باقی بر صفحہ ۱۰۰)

اہل علم کی سہل نگاری اور مدعیان علم کی مجلت پسندی | مگر اس میں شک نہیں کہ بداقبالی کا زمانہ ہے لو مسلمانوں کے تمام فرقے جس سبب راہ روی اور نا آل اندیشی کی بلا میں گرفتار ہیں اُس نے اہل علم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹) زندگی نہایت اطمینان کے ساتھ اُسکی یاد میں بسر کر دیتے ہیں۔ عورتیں اکثر اس امتحان میں پوری کامیابی حاصل کرتی ہیں اور جب تک شوہر کی موت کا یقین نہ ہو کوئی اور خیال دل میں نہیں لا سکتیں۔ آغاز اسلام کی پارسایانہ زندگی اور ایسی پاک محبت کے عملی شکل ہی اختیار کی کہ جب تک مفقود الخبر شوہر کے ہم عمر افراد فوت نہ ہو جائیں عورت اپنے تئیں منکوحہ سمجھی رہے۔ یہی عمل حکم کی شکل میں آکر مدون ہو گیا اور اس زمانے کے لیے عجیب نہ معلوم ہوا بلکہ جذبات محبت کے اقتضا سے بطیب خاطر برداشت کیا جاتا رہا۔ شاذ و نادر کسی عورت کو اپنی مجبوری کی شکایت ہوئی ہوگی تو اسپر التفات نہ ہو سکا۔ مگر زمانہ بدلا مذہب کی گرفت کم ہوئی اور اغراض نے محبت کی جگہ لی تو اس حکم کی ناگواری محسوس ہونے لگی۔ شکایتوں کی کثرت ہوئی تو علمائے اسلام کو روش بدلنی پڑی۔ امام مالکؒ کا ذہن رسا اس قباحت کو محسوس کر چکا تھا۔ اور اُنکے اجتہاد نے ایسی عورت کے لیے چار سال کی میعاد دریافت کر لی تھی سب کے لیے وہی فتوے دیا گیا اور ایک حکم کی بجائے دوسرے حکم کو جاری کیا گیا۔

حقوق زناشوئی | اسی طرح قرآن و حدیث میں مرد و شوہر کے حقوق و فرائض بہت وضاحت سے بیان ہوئے ہیں اور اُن میں کوتاہی کرنے پر عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے تو آغاز اسلام میں ایسے معاملات کے اندر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور سمجھا گیا کہ اگر آدمی مسلمان ہے تو اُسے خوف خدا بھی ہوگا۔ اور اپنی ضرورت کیلئے منکوحہ عورت کا محتاج ہے اور غیر کی طرف نظر نہیں سکتا تو اس سے محبت بھی ہوگی۔ پس کیونکر ممکن ہے کہ اسکی خبر گیری نہ کرے اسکے حقوق کا لحاظ نہ رکھے اور کوتاہی ہو جائے تو اسکی تلافی نہ کرے یا اس سے جدا ہونا چاہے تو حسب قاعدہ طلاق نہ دے پس ایسے خانگی اور مخفی معاملات کو عدالت میں لے جانے کی شریف مرد یا عورت کو ضرورت ہی کیوں پیش آئے گی۔ اسطرح عدالتوں کو اختیار دینے کا سوال پیدا نہ ہوا اور وقت گذرتا رہا۔ جب انسانی سرشت اپنا رنگ دکھانے لگی اور مرد عورت کی طرف سے غفلت کرنے لگا تو خیال آیا کہ امام احمد بن حنبلؒ کا اجتہاد صحیح تھا۔ اسپر عمل کرنے کا فتوے ہوا اور نان نفقہ نہ ملنے کی صورت میں عدالت سے فسخ نکاح کا حکم جاری کرانا پڑا۔

شوہروں کا ظلم | اسوقت تک ہماری اخلاقی حالت پھر بھی درست تھی اور جو قیامت اب بپا ہے اس سے امن تھا تو زیادہ مؤثر وسائل کی طرف توجہ مبذول نہ ہوئی۔ زمانہ حال میں مرد نہایت بیباکی سے ہوس رانی اور عیاشی میں مصروف ہوتے ہیں تو منکوحہ عورتوں پر کئی طرح سے غضب ڈھاتے ہیں۔ داشتہ عورتوں کو گھر میں لے آتے ہیں بیبیوں سے بطور کنیز کے خدمت لیتے ہیں۔ مار پیٹ کے اندر رکھتے ہیں۔ کھانے اور کپڑے کی خبر نہیں لیتے یا گھر سے نکال دیتے ہیں تو طلاق نہیں دیتے۔ اور انکو تمام عمر تنہائی اور بے کسی میں بسر کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ انکے زیور اور کپڑے چھین لیتے ہیں اور بد اطواری میں اُڑا دیتے ہیں۔ ان تکلیفوں سے عورتیں یہاں تک عاجز آتی ہیں کہ باوجود مذہب کو مردوں کی نسبت زیادہ عزیز رکھنے کے ارتداد پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ ایسے واقعات بکثرت پیش آئے ہیں اور عورتیں مرتد ہو کر شوہروں کے ظلم سے رہا ہوئی ہیں تو مسلمانوں کو خیال پیدا ہوا ہے۔ مگر دادبار کا زمانہ بھی بُری چیز ہے۔ اسوقت میں عقل

(باقی بر صفحہ ۱۰۱)

اور مدعیانِ علم کو بھی خالی نہیں چھوڑا - مدعیانِ علم چاہتے ہیں کہ اُنکے اجتہادیات اور مسلمات کو من و عن تسلیم کر لیا جائے اور جس رستے پہ وہ گامزن ہوتے ہیں نہ کوئی اُنکی مزاحمت کرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰) برگشتہ ہوجاتی ہے تو صحیح رستہ نظر نہیں آتا۔ خیال دوڑاتے ہیں۔ محفلیں جاتے اور مشورے کرتے ہیں مگر ابھی تک تلاش اِس امر کی ہے کہ کسی شکل سے عورت مرتد ہونیکے بعد بھی شوہر کی زوجیت سے آزاد نہ ہو اور اپنی نجات کے لیئے یہ حربہ بھی استعمال نہ کر سکے۔ حالانکہ ضرورت اِس امر کی ہے کہ مرض کے سبب کو دور کیا جائے اور جس مصیبت سے نجات پانیکے لیئے عورت غیر مذہب کی پناہ لیتی ہے اسے دفع کرنے کی سبیل پیدا کیجائے اور جب شوہر عورت کے انسانی اور شرعی حقوق کو پامال کرنے میں بیباک ہو تو اُسکے پنجے سے رہائی دلائی جائے۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے جو رستے دریافت کیے تھے اُن پر عمل ہونے لگا ہے تو اب حکم خدا اور حدیث رسول علیہ السلام کو جناب علی مرتضیٰ رض اور امام شافعیؒ کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو سب قباحتوں کا علاج ہو سکتا ہے۔ حق تعالیٰ نے زن و شوہر کے ہر گونہ نزاع و فساد میں ایک شوہر کا رشتہ دار اور ایک عورت کا رشتہ دار، دو شخصوں کو منصف مقرر کرنے کا حکم دیا ہے اور حضرت علیؓ نے ایک ایسے موقع پر زن و شوہر کو مجبور کیا ہے کہ منصف مفارقت کا بھی حکم دیں تو تم کو تسلیم کرنا پڑے گا (تفسیر کبیر خازن بحوالہ مسند شافعی و ابن اشتہ) علمائے شافعیہ کا اتفاق ہے کہ منصف مفارقت کا حکم دیں تو زوجین کو ماننا پڑے گا۔ (نووی شرح صحیح مسلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک عورت اظہار کرتی ہے کہ شوہر سے کوئی شکایت نہیں وہ اچھا سلوک کرتا ہے اور محبت کرتا ہے مگر میرے دل میں نفرت ہے حقوق زوجیت ادا نہیں کر سکتی ہوں مفارقت کا حکم ہو۔ حضرت صلعم اُسے مہر واپس کرنے کا اور شوہر کو طلاق دینے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ تمام احکام صاف ہیں۔ رشتہ دار جو منصف بنائے جائیں گے تمام اندرونی حالات سے واقف ہونگے۔ غلط اور صحیح شکایات کا وزن کرینگے۔ عورت اور مرد کے قلبی میلان کو دیکھینگے ممکن ہوگا تو مصالحت کی کوشش کرینگے۔ مرد کو قصوروار پائیں گے یا عورت کو بیزار دیکھیں گے تو مفارقت کا حکم بھی دے سکیں گے۔ یہ حکم خدا کی تعمیل ہوگی۔ اُسوۂ رسول علیہ السلام کا اتباع ہوگا۔ جناب مرتضیٰؓ اور امام شافعی کی تقلید ہوگی اور علمائے احناف کے گذشتہ طرز عمل کی تائید ہوگی اور جو واقعات پہلے شاذ و نادر اور اب بکثرت پیش آنے لگے ہیں اُن کا قرار واقعی علاج ہوگا۔

مذہبی خدمت | تازہ ضرورتوں کا جیسا طوفان زمانہ حال میں آیا ہے پہلے دیکھا نہیں گیا۔ پھر بھی جو انقلاب ہوتا رہا ہے علمائے اسلام اسکا اہتمام کرنے میں قاصر نہیں رہے۔ اذان۔ امامت۔ تعلیم قرآن اور تعلیم علوم دین کا اہتمام مسلمانوں پر فرض ہے اور ادائے فرض میں خوشنودی حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی غرض نہ ہونی چاہیئے۔ اسلیئے زمانہ قدیم کا فیصلہ یہ تھا کہ اِن خدمات کا معاوضہ ناجائز ہے لوگوں میں دین کی محبت تھی معاش کے لیئے مختلف پیشے اختیار کرتے تھے۔ اور خدمت مساجد اور تعلیم دین کا عوض نہ لیتے تھے پھر ایسا زمانہ آیا جس میں ایک طرف مصارف زیست گراں ہوگئے اور انسان کو کسب معاش نے عدیم الفرصت کر دیا۔ دوسری طرف ایثار کا مادہ کم ہوا لوگ لوجہ اللہ کام کرنے سے کترانے لگے تو اندیشہ ہوا کہ جب تک فکر معاش سے فارغ نہ کیا

(باقی بر صفحہ ۱۰۲)

نہ انکی پیروی سے سرتابی کرے اور ہمارے اہل علم طبقے نے تاحال ضروریات حاضرہ کی نسبت غور و تامل کرنیکے فرض کو زیادہ اہمیت نہیں دی اور انکی نسبت قرآن و حدیث میں تفکر کرنے کی ضرورت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱) جائے گا۔ اذان۔ امامت اور تعلیم کا کام نہ ہوسکے گا اور یہ نہ رہا تو مذہب ہی نابود ہو جائے گا۔ اس ضرورت نے یہ فریضہ عائد کیا کہ جو لوگ اپنے تئیں ان خدمات پر وقف کریں مسلمان انکے مصارف کا بار اٹھائیں۔

مساجد کو دلکش بنانے کیلئے آراستہ کرنا۔ ایک آبادی میں ایک سے زیادہ مساجد کے اندر نماز اور جمعہ کا اہتمام کرنا اور اس قسم کے اور کئی مسائل ہیں جن کا ضرورت داعیہ یا عموم بلوے کی بنا پر زمانہ مابعد میں فتوے دیا گیا ہے۔

نابالغ بچوں کو جو قرآن حفظ کر لیں نوافل میں امام بنانے کا فتوے بھی زمانہ مابعد میں علمائے بلخ نے دیا ہوا ہے اکثر بلاد اسلامیہ میں اسپر عمل ہونے لگا ہے۔

اسلامی اصول کے رو سے بادشاہ کو انتخاب کیا جاتا ہے۔ پہلے خلیفہ منتخب ہوئے ہیں تو انھوں نے کام بلا عوض شروع کیا۔ مگر ثابت ہوا کہ اسکے ساتھ کسب معاش کا کام نہیں ہو سکتا۔ سب کے مشورے سے وہ معاوضہ مقرر ہوا جو عوام الناس کو سپاہیانہ خدمات کے لیئے ملتا تھا۔ خلافت راشدہ میں یہی معمول رہا۔ خلافت نے شاہانہ صورت اختیار کی تو من مانی مرادیں پوری کرنے لگے اور کسی میں روکنے کی قوت نہ رہی۔ مگر علماء کا اپنا دربار الگ ہو۔ اسکے فیصلے شاہی رعب داب سے رکا نہیں کرتے۔ از دیاد مصارف اور اہل دنیا کی نظر میں شاہانہ عظمت کو قائم رکھنے کی ضرورت تسلیم کیگئی تو بجائے سپاہی کے فوجی افسر کی تنخواہ بادشاہ کے لیئے تجویز ہوئی۔ آئندہ پھر ترقی دی گئی تو ایک مدبر سلطنت کے برابر معاوضہ مقرر ہوا۔ اس سے زیادہ شاہی صرف کا بار خزانے پر ڈالنا بے جا ستانی اور ظلم قرار پایا۔

ترکی سلطنت میں سلطان سلیم ثالث نے ۱۷۹۱ء میں جنگ روس سے فارغ ہو کر فوج کو جدید اسلحہ سے آراستہ اور جدید قواعد سے واقف کرنا چاہا ہے تو اسکی فوج نے بہت مخالفت کی اور چونکہ ہمیشہ سے تیر و سناں استعمال ہوتے رہے تھے اور احادیث کے اندر فنون حرب کے ماہر ہونے کی ترغیب دی گئی ہے تو اکثر انہی قدیم اسلحہ کا نام لیا گیا ہے۔ اسلیئے عوام الناس کو ان سے یک گونہ انس تھا جسکی وجہ سے اشتعال پیدا ہوا اور سلطنت کے اکثر حصوں میں ابتری پھیلی مگر بات خفیف تھی کچھ عرصہ کے اندر شورش فرو ہو گئی۔ اور علمائے نے تسلیم کیا کہ جنگ و پیکار کی روش بدلنے میں کوئی قباحت نہیں۔ اسوقت کے فتوے کو ہمارے موجودہ زمانے نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ آج توپ کا گولہ ساٹھ میل پر مار کرتا ہے۔ اور بغیر دیکھے بھالے لڑنے والوں کے ساتھ بے گناہ اور امن پسند آبادی کو اور سب بوڑھوں بچوں کو بھون ڈالتا ہے۔ زہریلی گیس چھوڑی جاتی ہے تو کسی جاندار کو زندہ نہیں چھوڑتی۔ ہوائی جہاز سے شیل پھینکے جاتے ہیں تو قصوروار اور بے قصور کو مع ان کے در و بام کے تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ ایجادیں نہ صرف اسلام بلکہ کسی ملت و مذہب کے رو سے اور عدل و انصاف اور انسانیت کے کسی قاعدہ سے جائز نہیں ہو سکتیں۔ مگر کہے کون۔ جو دماغ ایجاد و اختراع کی طرف متوجہ ہیں وہ غرض کے سامنے انسانیت اور شرافت کی پرواہ نہیں کرتے مذہب کے نام سے بیزار ہیں۔ دنیا انہی کی روش کو پسند کرتی ہے۔ انکے دماغوں کی یہی رفتار رہی تو طاقتور کمزوروں کا ملک خالی کرانے کے واسطے ایسے حربے استعمال کریں گے جو مرنے والوں کے ساتھ رنج

(باقی بر صفحہ ۱۰۳)

شدت کے ساتھ محسوس نہیں کی۔ وہ ابھی تک جدید حالات میں کتب قدیمہ کی ورق گردانی کو کافی سمجھتے ہیں۔ اور جواز یا عدم جواز کا جو فتویٰ صریح الفاظ میں لکھا پاتے ہیں اُسی کو زمانہ حال کی ضرورتوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲) والوں کو بھی خاک سیاہ کر دیا کرینگے۔ اور جس قوم پر حملہ آور ہونگے اُس کا نام و نشان نہ چھوڑیں گے۔ تہذیب اور ترقی تہذیب کی تعریفیں ہوتی ہیں مگر سامان جنگ کی تہذیب جو رنگ لائے گی تو پہلے آدھی دنیا کو خالی کرا لے گی اور پھر جو رہ جائیں گے اُن میں چپقلش ہوگی تو شاید کوئی ایک دو قومیں دنیا میں باقی رہ جائینگی یا دونوں طرف سے گیس پھیلانے والی مشینوں کو چابی دیدی جائے گی تو شاید کوئی بھی زندہ نہ رہیگا۔ یہ ایجادیں دنیا کے لئے مبارک نظر نہیں آتیں۔ ہاں اور کئی طرح سے دنیا نے ترقی کی ہے اور اس کے ساتھ کئی طرح کی جدید ضرورتیں پیدا ہو گئی ہیں۔

بینک سسٹم۔ ان میں سے ایک بینک سسٹم بھی ہے۔ بینک کئی طرح کی ناجائز خواہشوں کو برلانے کا کام دیتا ہے۔ کئی طرح کے دور رس نقصان پہنچاتا ہے اور کئی قسم کے فوائد رکھتا ہے۔

ناجائز خواہشوں کو پورا کرنے کا ذریعہ یوں بنتا ہے کہ عیش پسند اور آرام طلب لوگ کسی تدبیر اور حیلے سے یا دولتمند عزیزوں کی وفات پر اُنکے ترکے سے مال و زر کی کچھ مقدار مہیا کر لیتے ہیں تو بینک میں دے کر اُسکی منفعت پر بسر اوقات کرتے ہیں اور دین و دنیا کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ دوسری جانب جو لوگ عیش و عشرت میں برباد کرنے کیلئے قرض لینا چاہتے ہیں تو ساہوکاروں کی ہر گونہ نازبرداری کرنے کی بجائے مقررہ شرائط پر بینک سے بے تامل روپیہ حاصل کر سکتے ہیں۔

بینک کی دوررس مضرتیں یہ ہیں کہ قوم کے کمزور افراد کا روپیہ خفیف سود کے لالچ سے چند مرکزوں میں جمع ہو کر طاقتور افراد کے تصرف میں چلا جاتا ہے اور وہ لوگ اس روپے سے کام لیتے ہیں اور بڑی بڑی منفعتیں حاصل کرتے ہیں تو اور زیادہ طاقتور ہو کر ملک میں افراد پر تفوق حاصل کر لیتے ہیں اور ملک کا انتظام جمہوری ہو جب بھی تفوق اور اثر کی وجہ سے وہی لوگ جو ملک کی دولت پر قابض ہوتے ہیں سیاہ و سفید کے مالک ہو کر اہل ملک کو جس طرح چاہتے ہیں نچاتے ہیں۔ اور مہذب ممالک میں انتظامی حالت کیسی ہی اعلیٰ ہو مزدور پیشہ اور غریب افراد کی زندگی سرمایہ داروں کے رحم پر منحصر ہوتی ہے اور سرمایہ داروں اور مزدوروں کی جو کشمکش ان ممالک میں دیکھی جاتی ہے اور کئی طرح کی پیچیدگیاں پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے اِسکا سبب یہی ہے کہ مزدوروں نے اور عام افراد نے اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی چند پیسوں کی طمع سے سرمایہ داروں کے ہاتھ میں دے کر اُنھیں سرمایہ دار بنا دیا ہے۔ اگر اس لالچ سے تمام ملک روپیہ نہ دیتا تو سرمایہ دار ایسی گرانقدر منفعتوں کے مالک اور ایسے صاحب اثر نہ ہوتے۔ پس یہ سود خواری کا چسکہ اور بینک سسٹم کی لعنت ہی جس نے عوام الناس کو سرمایہ داروں کے ظلم میں مبتلا کیا ہے۔ قرآن کریم میں سود خواری کی ممانعت کا ذکر ہوا ہو تو لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فرمایا گیا ہے یعنی سود نہ لو نہ ظالم بنو نہ مظلوم۔ اس آیت کا صحیح مفہوم آج ہی روشن ہوا ہے سود خوار ظالم ہمیشہ دیکھنے میں آئے ہیں مگر سود خوار مظلوم آج ہی بینک سسٹم سے پیدا ہوئے ہیں۔ بالخصوص جبکہ کوئی کمزور قوم سود کے لالچ سے اپنا روپیہ زبردست قوم کے ہاتھ میں دیدیتی ہے تو انتظام ملک میں نقصان اٹھانے کے علاوہ ہر طرح کے اقتدار اور حکومت کے امکان سے محروم ہو جاتی ہے اور زبردست قوم انہی کے روپے سے ان کا سر

(باقی بر صفحہ ۱۰۴)

پر منطبق کر دیتے ہیں جن سے جہانتک ہماری نفسانی خواہشوں اور اخلاقی کمزوریوں کا تعلق ہے بیشک جواب باصواب میسر آ سکتا ہے مگر ضرورتوں کی نسبت سوال ہوتا ہے تو قدیم قاعدوں کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳) چلنے کے لیے سامان مہیا کرتی رہتی ہے۔

مگر فی زمانہ بینک سسٹم کے ضروری اور مفید ہونے سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ تجارت نے ایسی شکل اختیار کر لی ہے کہ بینک کے بغیر چل نہیں سکتی۔ مال بڑی بڑی مقدار میں منگوایا جاتا ہے اور اس سے بہت زیادہ بڑی تعداد میں کارخانوں کے اندر تیار کیا جاتا ہے تو فائدہ بخشتا ہے۔ اتنے بڑے مال کی نقد قیمت ادا کرنے کیلئے سوداگروں کے پاس روپیہ نہیں ہوتا۔ اور ایسے بڑے بڑے کارخانے جو تمام دنیا کے اندر اپنا مال تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک دو یا چند افراد کے سرمائے سے تیار نہیں ہو سکتے۔ ممالک غیر کے ساتھ لین دین کیا جاتا ہے اور خطوں اور تاروں کے ذریعے سے سوداگروں سے سودا ہوتا ہے۔ خریدار کے پاس کوئی جائداد ہو تو وہ بھی دکھائی نہیں جا سکتی اور غیر ملک کے کارخانہ دار معتبر اور غیر معتبر کو پرکھ نہیں سکتے۔ کارخانہ کھولنے کا اور مال خریدنے کا اور ممالک غیر سے تجارت کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ کسی معتبر بینک سے معاملہ کیا جاتا ہے اور اُسکی کفالت سے صنعت و حرفت اور تجارت کا سلسلہ چلتا ہے۔ قیمت وقت پر ادا نہیں ہوتی سود بھی دینا پڑتا ہے۔ مال بنا کر یا منگوا کر دوکان داروں کو دیا جاتا ہے تو نقد قیمت وہ بھی ادا نہیں کرتے۔ بینک کی کفالت پر مال لیتے ہیں اور سود دیتے ہیں۔ سود سے پرہیز ہو تو نہ بینک سے معاملہ ہو سکتا ہے۔ نہ خرید اور فروخت کی قیمتوں کا توازن قائم رہ سکتا ہے۔ آج کل قومی عزت اور قوت تمامتر تجارت پر منحصر ہے جو قوم اس سے محروم ہے وہ غلام ہے اور اُسکی ہستی اغیار کے رحم پر منحصر ہے۔ شریعت اسلامیہ ایسی ضرورت کے سرانجام سے قاصر نہیں رہ سکتی اور مقام شکر ہے کہ حضرات علماء کی توجہ بھی اس طرف مبذول ہوئی۔ مال قرض دیا جائے تو اسکی قیمت نقد سودے کی نسبت زیادہ لگانے کی اجازت فقہ حنفیہ میں موجود ہے۔ جمعیۃ العلمائے ہند کے محترم صدر نے اسکے مطابق فتویٰ دیا اور قرض مال خریدنے کی وجہ سے جو رقم سود میں دینی پڑتی ہے اور اُسکے مقابلے میں چھوٹے سوداگروں سے اسی تناسب سے زیادہ قیمت وصول کی جاتی ہے عوام کو اسکا جواز معلوم ہو گیا بینک سے لین دین رکھنے اور سود وصول کرنے کی محترم صدر اور اُنکے رفقاء نے اجازت دی مگر سود کو اپنے صرف میں لانے کی ممانعت کی اور غربائے قوم میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ ان دونوں فتووں نے تجارت کی ضرورتوں کو ایک حد تک پورا کر دیا۔ نیز قوم کے کاہل افراد کی ناجائز خواہشوں کو روک دیا۔ یعنی جو لوگ خدا کی دی ہوئی جسمانی قوتوں کو معطل رکھ کر محض سود کی آمد پر بیکار زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں یا جائز و ناجائز کے اختلاط سے مالدار بننا چاہتے ہیں اُنھیں ایسی آمدنی کے جواز پر یقین کرنے سے باز رکھا۔ بیشک اسلامی شان کا مقتضا یہی تھا کہ ضرورت کے مطابق اجازت دیدی جائے اور اعتدال سے تجاوز کرنے کی ہمت افزائی نہ ہو۔

تجارتی سود کی نسبت قرآنی ہدایت | مگر میں ادب سے گذارش کروں گا کہ ایک تو اس فتوے کے لیے شریعت اسلام میں کوئی نظیر موجود نہیں۔ اگر بینک کے سود کو اپنے صرف میں لانا ممنوع ہو تو وہ مال حرام ہوگا اور مال حرام کو صدقات میں صرف کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ دوسرے اس فتوے سے ضرورت حاضرہ کا پورے طور پر اہتمام بھی نہیں ہو سکتا

(باقی بر صفحہ ۱۰۵)

۹۵۷

تصریح انکو حل کرنے میں اکثر قاصر نکلتی ہے۔ آیندہ جو کچھ ظہور میں آئے گا خدا کو معلوم ہے۔ سرِدست جس بدحالی میں تمام طبقات مبتلا ہیں اسی رو بہ مد سے اہلِ علم بھی دوچار ہیں۔ ہمارے زمانے کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴) کارخانوں سے مال منگوانے اور چھوٹے سوداگروں کے ہاتھ فروخت کرنے کے لیے کچھ سہولت پیدا ہو گئی مگر یہ تجارت کی ادنیٰ شکل ہے۔ تجارت پر پورا تصرف اس صورت میں ہوتا ہے کہ ہر قسم کا صنعتی مال تیار کرنے کیلئے کارخانے کھولے جائیں جن کیلئے سرمائے کا اہتمام سودی روپیہ مہیا کرنے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس غرض کے لیے قوم کے پاس اپنے بینک ہونے چاہئیں۔ یہ سب عالیشان کارنامے سود دینے اس لین دین پر منحصر ہیں جسکی اجازت فقہ کے دفتر موجودہ سے نہیں مل سکتی۔ کارخانوں سے بنے بنائے مال کے منگوانے اور خرچ کرنے پر اکتفا کیا جائے اور کسی بینک کو اپنا کفیل بنانے کے لیے اسمیں کوئی رقم داخل کی جائے تو اس صورت میں بھی یہ قباحت موجود رہے گی کہ نامسلمان تجارت کے لیے جو رقم بینک میں داخل کرے گا اس کا سود اسی وقت سے لینے لگیگا مسلمان بینک میں رقم دے کر سود کو خیرات کرتا رہے گا تو اس عرصے کیلئے اسکی رقم بیکار رہے گی۔ اور آجکل مقابلے کی شدت نے تجارت کی حالت ایسی نازک کر دی ہے کہ ایک حیثیت کے دو سوداگروں کے کام میں تھوڑا سا تفاوت موجب بھی ایک کی کامیابی دوسرے کو نقصان پہنچا کر برباد کر سکتی ہے علماء نے تا حال ان قباحتوں کی طرف توجہ نہیں کی۔ مگر الحمدللہ قرآن کریم میں اسکی ہدایت موجود ہے۔ ارشاد ہے کہ باطل مال نہ کھاؤ مگر باہمی رضا مندی سے تجارت ہو تو مضائقہ نہیں۔ یہاں باطل کی ممانعت میں استثنا کیا گیا ہے اور تجارت کی اجازت دی گئی ہے۔ قدیم طرز کی تجارت میں باطل کی آمیزش ہوتی نہ تھی اسلئے استثنا کو منقطع سمجھا گیا ہے اور مانا گیا کہ اس آیت میں مال حرام کی ممانعت اور تجارت کی اجازت (یعنی دونوں باتوں) کا آپس میں کوئی تعلق نہیں اور اسی طرح اس آیت کے مابعد اور ماقبل کو بھی بے تعلق رکھا گیا ہے مگر تجارت نے جو شکل اب اختیار کی ہے اُس نے ان سب الفاظ کا رابطہ سمجھنے میں مدد دی۔ حکم کے پورے الفاظ یہ ہیں :-

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝ (نساء پ ۵ ع ۵)

خدا تعالیٰ تم کو توبہ کے رستے پر چلانا چاہتا ہے اور خواہشوں کی پیروی کرنے والے چاہتے ہیں کہ تم بالکل بھٹک جاؤ۔ خدا تمھارے لیے تخفیف کا حکم دینا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور مخلوق ہے۔ اے ایمان والو! آپس میں ناجائز مال نہ کھاؤ مگر باہمی رضا مندی سے تجارت کی صورت ہو تو مضائقہ نہیں (تجارت کو چھوڑ کر) اپنے تئیں ہلاک نہ کرو۔ خدا تم پر مہربان ہے مگر جو شخص باطل کی خواہش حد سے بڑھ کر اور ظلم کے طور پر کریگا ہم اُسے دوزخ میں ڈالیں گے یہ خدا کیلئے آسان ہے۔ اگر بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہوگے تو تمھارے چھوٹے گناہ ہم معاف کر دیں گے اور تم کو اچھا ٹھکانا عطا فرمائیں گے۔

روشن خیال علمائے ہندوستان کے اندر اپنی بیداری کا ثبوت دینے کے لیئے تیار ہوئے اپنی تمام ہمت مسیاسیات میں صرف کرنے لگے ہیں اور ہمیں بھی اسی رستے پر گامزن ہوئے ہیں جو برادران

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵) یہاں تجارت کی نسبت کوئی حکم دینے سے پہلے جو کچھ فرمایا گیا ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حکم میں ہمارے کسی قصور سے درگزر کرنے کی بشارت ہے اور ہم بالکل بھٹک نہ جائیں تو ہمارے لیئے کوئی آسانی پیدا کی جائے گی اور ہماری کمزوری پر رحم کیا جائے گا۔ ایسی تمہید کے بعد اگر صرف تجارت کرنے کی اجازت ہوتی تو اسمیں نہ کوئی تخفیف ہے نہ کسی قصور کو معاف کرنے کا موقع۔ بشارت اور انعام اور سہولت کا وعدہ دینے کے بعد ہمارے جس فعل کی اجازت دیگئی ہے اسمیں ضرور کسی قسم کی باطل کی آمیزش اور کوئی فروگزاشت ہو گی اور وہ ہمارے زمانے کی تجارتیں ہیں جو سود کے لین دین کے بغیر چل نہیں سکتیں۔ حکم کے تمام الفاظ کو دیکھو موجودہ ضرورت پر بالکل منطبق ہیں۔ لوگ چاہتے ہیں کہ سود کے بارے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور ہر خواہش کو پورا کیا جائے خدا اسپر پابندیاں عائد کرتا ہے۔ سود کے بغیر تجارت ہوتی نہیں خدا نے حکم میں ضرورت کے موافق تخفیف کر دی ہے۔ ہم تجارت نہ کریں تو اپنے تئیں ہلاک کرتے ہیں اس مصیبت سے بچایا ہے حد سے بڑھ جائیں اور سودی آمد پر زندگی بسر کرنے لگیں تو سزا کا مستحق ٹھہرایا ہے اور فرمایا ہے کہ باطل مال کھانے کی نیت نہ ہو تجارت کی غرض ہو اور لین دین میں باہمی رضامندی سے کوئی شرطیں مقرر ہو جائیں تو ایسی سیئات کو معاف کر دیا جائیگا۔

بینک کی ضرورت اور اجازت کی صورت تجارت کی غرض سے جس فعل کی اجازت دی گئی ہے اُسے پہلے باطل فرمایا گیا ہے اور حکم کے آخر میں اُسکے لیئے سیئات کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ دونوں الفاظ معنی خیز ہیں اور ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ بینک سسٹم دنیا کے لیئے ایک بلا ہے۔ مہذب ممالک میں عوام الناس کو مصیبت میں مبتلا رکھتی ہے۔ کمزور اقوام کو ہر طرح سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑتی رہتی ہے۔ مگر آجکل چونکہ اسکے بغیر تجارت، صنعت، حرفت کسی پیشے کو فروغ نہیں ہو سکتا اسلیئے خالص ایسے بینکوں کا جواز ثابت ہو سکتا ہے جو اپنی قوم کے ہاتھ میں ہوں اور اُن میں محض تاجرانہ ضرورت کے لیئے روپیہ داخل کیا جائے اور محض تاجرانہ اغراض پر صرف ہو۔ اُن لوگوں سے ہرگز لین دین نہ رکھا جائے جو محض سود کی غرض سے روپیہ داخل کرتے ہیں یا نفسانی خواہشوں میں اور نام و نمود کے موقعوں پر خرچ کرنے کے لیئے قرض لیتے ہیں تو ایسے بینکوں سے تعلق رکھنے اور انکی منفعت لیتے صرف میں لانے کی اجازت آیات بالا سے ثابت ہو گی۔ اور نہ صرف قومی بینک بلکہ قومی بیمہ کمپنیاں جو محض تجارتی اغراض کے لیئے قائم ہوں اور تجارتی مال اور تجارتی جہاز اور تجارتی کارخانوں کا بیمہ کریں۔ ذاتی اغراض کے لیئے لین دین کو جائز نہ سمجھیں۔ اُن کا کاروبار بھی تجارت کو فروغ دینے کیلئے ضروری ہوگا۔ آیات مذکورہ کے تمام الفاظ کو باہم مربوط سمجھا جائے اور اس مفہوم کے مطابق عمل کیا جائے تو تجارت کی بدولت صنعت و حرفت و زراعت کی کوئی ضرورت بند نہیں رہ سکتی اور نفسانی خواہشوں کیلئے کوئی آزادی نہیں مل سکتی اور چونکہ مال باطل کی اجازت محض تجارت کی غرض سے ہے اگر کبھی کوئی ایسا طریق پیدا ہو گیا جس میں سودی لین دین کے بغیر تجارت ہو سکتی ہو تو سود کی حرمت عود کر آئے گی اور اس زمانے کیلئے اسی آیت سے سودی کاروبار کی ممانعت ثابت ہو جائیگی۔ شریعت حقہ زمانے کے کسی انقلاب اور ضروریات داعیہ کے کسی تغیر و تبدیل کی نسبت احکام نافذ کرنے میں کوتاہ ثابت نہ ہو گی۔ علمائے وقت پر رفتار زمانہ کو سمجھنے اور واقعات و عوارض کے حسب حال احکام شریعت دریافت کرنے کا فریضہ عائد ہوتا ہے اسکو بجا

لایا جائے تو کوئی مشکل نہیں جو حل نہ ہو اور کوئی نقص نہیں جو رفع نہ ہو۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

وطن نے تلاش کیا ہے۔ اسلامی سیاست جسکو اس تحریر میں نمایاں کرنے کی کوشش کی جائے گی ہنوز علماء کی نظر سے مستور ہے اور وقتی ضرورتیں جن کا اہتمام نہ ہونے سے ہماری قوم سخت مصیبت میں اور ہمارے مرد کئی طرح کی غلط فہمی اور بے راہ روی میں مبتلا ہیں اب تک علماء کی نظر میں نہیں سمائیں اور باوجود کوشش و اہتمام کا وعدہ کرنے کے علماء کی جماعت سیاسی فرائض میں مصروف ہو کر اس جانب قدم اٹھانے کی فرصت نہیں پاتی۔

باب ہشتم

مسلمان حکومتوں کی حالت

قومی نقطہ خیال کا تفاوت۔ قومیت کو وسعت دینے کی نظیر۔ وضع قطع کا اہتمام۔ وضع قطع کی مصلحت اور مضرت۔ اقوام متمدن کا طرز عمل۔ وضع و لباس کا فطری اصول۔ ایں رہ کہ تو میروی بترکستان ست۔

قومی نقطہ خیال کا تفاوت | جب قوم کے تمام طبقات تنزل و ادبار میں مبتلا ہوں اور ترقی کی طرف رستہ نہ پائیں تو اسلامی حکومتیں اس چکر سے کیونکر رہا ہو سکتی ہیں۔ حکومت جمہوری ہو تو افراد ہی کا مجموعہ ہوتی ہے شخصی میں بھی افراد ہی برسر اقتدار ہوتے ہیں تو جو کیفیت افراد کی ہو اُسی سے حکومت بھی متکیف ہوگی۔ اور برسر اقتدار عموماً وہی افراد ہوتے ہیں جو علوم مروجہ اور ضروریات حاضرہ کے ماہر سمجھے جائیں اور روشن خیال تصور ہوں۔ پس روشن خیال طبائع کی جو افتاد ہو وہی طرز حکومت میں نظر آئے گی۔ ہماری قوم نے روشن خیالی اہل یورپ سے لی ہے جسکا ایک اثر یہ ہوا ہے کہ جمہوری ہو یا شخصی ہر ایک اسلامی حکومت نے اسلامی قومیت کے خیال سے دست بردار ہو کر اس قومیت کو مدار قرار دیا ہے جو ایک نسل یا ایک ملک سے تعلق رکھتی ہو۔ اس طرح ترکی اور مصری۔ ایرانی اور افغانی باہمی رشتے توڑ کر تمام ہمت انہی وسائل کو مہیا کرنے پر مبذول کر رہے ہیں جنھیں وہ اپنی نسل یا اپنے ملک

کے لیئے مفید سمجھتے ہیں اور ایک بہت بڑی اور وسیع قوم کے چند نادان گھر کو آباد رکھنے کے لیئے اپنی عظیم الشان ہستی کو نابود سمجھنے لگے ہیں۔ وہ ایسی قوم کے افراد ہیں جو تمام دنیا پر پھیلی ہوئی ہے اور دنیا کے بڑے بڑے خطوں پر بلاشرکت غیرے متصرف ہے۔ انکے باہمدگر مربوط رہنے سے جو قوت ان سب خاندانوں اور جماعتوں کو حاصل ہو سکتی ہے نسلی اور ملکی تعصب نے اس سے محروم کر دیا ہے اور جو مصیبت اور بلا کسی ایک خطے پر نازل ہوتی ہے۔ اسکے دفع کرنیکے بہت بڑے ذریعے کو انکے اس ناپاک خیال نے ضائع کر چھوڑا ہے اور لطف یہ ہے کہ آسمانی قوتیں انکی اس گمراہی پر تنبیہ اور تادیب کرنے میں مصروف ہیں اور زمین والے انکی غلطی سے فائدہ اٹھانے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ وہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں منقسم اور ایک دوسرے کے درد سے بے پروا ہوکر ضعیف ہوگئے ہیں۔ اغیار ان کی نسلی اور ملکی ہمدردی کو حُبِّ وطن کا خطاب دے کر تعریفیں کرتے اور انکے ضعف کو قوت کہکر دھوکا دیتے ہیں اور انکو غفلت کی نیند میں سُلا کر اسلامی دنیا کے مختلف حصوں کو دباتے چلے جاتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ اور سب طرف سے فارغ ہولیں گے تو ان چڑیوں کو جو چھوٹے چھوٹے گھونسلوں میں بیٹھکر اپنے تئیں محفوظ سمجھ رہی ہیں شکار کر لینا دشوار نہیں۔ مسلمانوں نے ایک دوسرے سے رشتہ توڑ دیا مگر اغیار سب کو ابھی تک مسلمان اور باہمدگر مربوط سمجھتے ہیں)۔ وہ فلسطین پر خود قابض ہوتے ہیں تو اسلیئے کہ ملک کی ہوس ہے مگر قابض ہوکر اُسے ایک اور گمنام قوم کے قبضے میں دینا چاہتے ہیں تو اسلیئے کہ مسلمانوں کا مقدس مقام ہے اور اسلامی دنیا کو اس سے محبت ہے وہاں مسلمان رعیت کی کثرت نہ ہونی چاہیئے۔ عرب کا بنجر اور غیر آباد حصہ ملک رانی کی ہوس رکھنے والوں کے لیئے اپنے اندر کوئی کشش نہیں رکھتا۔ وہاں کی آبادی جاہل ہے۔ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہے اور باہمدگر مصروف پیکار ہے۔ بیرونی دنیا کو اس سے کوئی خوف نہیں ہو سکتا مگر اسکے ساحلوں پر تصرف کیا جاتا ہے اور ملک کے اندر ریشہ دوانیاں ہو رہی ہیں تو اس لیئے کہ وہ مسلمانوں کا مرکز ہے اور تمام اسلامی دنیا اس سے تعلق رکھتی ہے۔

ان حالات کو دیکھ کر دنیا کے مسلمان افراد تلملا رہے ہیں اور اپنی طاقت کے موافق آواز بلند

کرتے ہیں۔ کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اسلامی حکومتیں بیدار ہوتیں۔ اسلامی قومیت کے درد سے آشنا ہوتیں باہم گر مربوط ہوتیں اور ایسے موقعوں پر متفقہ آواز بلند کرتیں تو بہت سی بلائیں توپ و تفنگ سے کام لینے کے بغیر دفع ہوجایا کرتیں۔ ابھی تک بخارا سے لیکر قسطنطنیہ تک تمام اسلامی حکومتوں کے حدود پیوستہ ہیں۔ دلوں میں بھی پیوستگی ہوتی تو کسی کو انکی طرف نظر بھر کر دیکھنے کی مجال نہ تھی۔ یہ بھی نہ ہوتا تو رواجی تعلقات آپس میں اغیار کی نسبت زیادہ رکھتے اور روش جدید پر کاربند ہوکر باہمی امداد کے عہد و پیمان کرتے رہتے اور دنیا کو اپنی پیوستگی دکھاتے رہتے جب بھی رعب قائم رہتا۔ اغیار کے ساتھ اغراض میں تصادم ہوتا تو اپنے مدعا کو نسبتہً زیادہ زور کے ساتھ پیش کر سکتے۔ اور محرومانِ حریت کو محض اخلاقی امداد پہنچاتے جب بھی ان کی بہت سی مشکلوں کو حل کر سکتے۔

قومیت کو وسعت دینے کی نظیر | یہ روش تہذیب جدید کے عین مطابق ہے۔ دنیا میں یہ سب کچھ ہورہا ہے۔ اغیار کے اسی اتحاد اور اسی قسم کی اخلاقی مدد سے خود مسلمانوں کے ہاتھ سے متعدد ممالک نکل چکے ہیں۔ کئی قومیں آزاد ہوچکی ہیں اور متمدن حکومتیں باوجود بڑی بڑی قوت رکھنے کے باہمدگر ایسے عہد و پیمان کرنے کی ضرورت محسوس کرتی اور اسکو بروے کار لاتی رہتی ہیں۔ موقع ہو تو مختلف طاقتیں فوجی مہمات میں شریک ہوجاتی ہیں۔ نہیں تو اپنے اتحاد کے دباؤ سے بغیر جنگ و پیکار کے بھاری بھاری مہمیں سر کرلیتی ہیں اور اتحاد کی مصلحت کو اور اس سے کام لینے کی تدبیروں کو یہانتک سمجھ گئی ہیں کہ جمعیۃ الاقوام کے نام سے بظاہر تمام دنیا کو ایک سلک میں منسلک ہونے کی دعوت دیتی ہیں مگر اس میں کام کرنے کی رفتار ایسی رکھی ہے کہ اقتدار ایک ہی پارٹی کے ہاتھ میں رہتا ہے اور وہی جس بات کو چاہتی ہے منوالیتی ہے۔ اسلامی حکومتیں بھی اسمیں شریک ہوتی جاتی ہیں حالانکہ اس امر کا امکان نہیں کہ کبھی انکی اغراض با اقتدار جماعت سے متصادم ہوں تو جمعیۃ انکے حق میں فیصلہ کرے مگر جمعیۃ اقوام میں شامل ہونا چونکہ فیشن میں داخل ہے۔ اسلیئے مسلمان بھی تیار ہیں۔ اسلامی خلافت اسلامی

اصول کے مطابق قائم رہتی۔ ایک مرکز سے پیوستگی ہوتی اور مشاورت سے فیصلے کیے جاتے، تو جمعیۃ الاقوام سے زیادہ فائدہ پہنچتا۔ یہ انتظام نہ رہ سکا تھا اور کوئی شخص خردماغ ہوکر اپنے تئیں کسی اور کے زیر اثر نہ رکھ سکتا تھا اور ہمیں اغیار کی تقلید پر ہی کاربند ہونا تھا تو انکی سب اچھی چیز کی نقل اُتارتے اور مرکزی قوت نہ سہی برابر کی حیثیت میں ایک اسلامی جمعیۃ قائم کر لیتے تو غیروں کی دستبرد سے محفوظ رہنے کا سامان اسوقت کی نسبت سے بہتر مہیا کر سکتے۔ مگر آہ اسکا کسی کو خیال نہیں آتا اور تہذیب جدید جن محاسن و برکات کا اہتمام کرتی ہے مسلمان تقلید کرتے ہوئے بھی انکی توفیق نہیں پاتے۔

وضع قطع کا اہتمام | تہذیب جدید نسلی اور ملکی تعصب کی سرپرستی کرتی ہے تو اُسے ایسا دل آویز بنا دیتی ہے کہ قوم کا ہر فرد اپنی قوم اور اپنی حکومت کے نام پر جان فدا کرنے کو تیار ہوتا ہے اور قومی عظمت کو بحال رکھنے اور اُسے ترقی دینے کیلیے جس قسم کی علمی جدوجہد، تمدنی اصلاح اور تجارتی اور صنعتی کاروبار کی ضرورت ہوتی ہے ہر شخص اُسکے سرانجام میں ساعی اور اسکی مصلحتوں سے واقف ہوتا ہے۔ اسلامی حکومتوں نے یورپ سے یہ سبق سیکھا تو اُسپر عمل ایسے اناڑی پن سے شروع کیا ہے کہ تمام ضروری اصلاحوں کی اہمیت محسوس کرنیکے باوجود سب سے پہلے اور سب سے زیادہ جس کام پر زور دیا ہے وہ وضع قطع اور لباس کی اصلاح ہے۔ حالانکہ ہر شخص بادی النظر معلوم کر سکتا ہے کہ قومی اصلاح تخیل کو بلند اور قوتِ عمل کو زندہ کرنے پر منحصر ہے۔ وضع قطع اور لباس کو اسمیں ذرا بھی دخل نہیں۔ عرب نے جب تخیل کی بلندی اور عمل کی قوت پاکر زندگی حاصل کی ہے تو اُنھی بدویانہ لباس میں تراش خراش کی دل آویزی اور نام و نمود کی شہرت رکھنے والی تمام قوموں پر حاوی ہوگئے۔ اُنکے سفیر دنیا کے بڑے بڑے درباروں میں پہنچے۔ اُنکے فوجی افسر غیر اقوام کی چھاونیوں میں بُلائے گئے۔ اور ہر موقع پر زرق برق وردیوں میں باڈی گارڈ اور دستہ ہائے فوج کو آراستہ کرکے اُنھیں مرعوب کرنا چاہا۔ درباروں میں زریں کرسیوں کی قطاریں آراستہ کی گئیں اور امتحان کرنا چاہا کہ اسلامی سلطنت کے نمایندے درباری آداب کو سمجھتے اور اپنی نشست

کے موقع و محل کو پہچانتے ہیں یا نہیں اور شیر شتر اور سوسمار کھانے والے کیانی تاج اور قیصری تخت کو دیکھکر لرزتے ہیں یا نہیں۔ وہ فیض یافتگان دربار نبوتؐ اپنی عادت کے مطابق نیچی نظر کیے ہوئے فوجی قطاروں میں سے گذرتے چلے جاتے ہیں اور دربار میں پہنچکر کرسیوں کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتے۔ سیدھے میر دربار کے سامنے جاکر بلند آواز السلام علیکم کہتے ہیں اور زمین پر دوزانو بیٹھکر تلوار کو میان سے کسیقدر نکالکر زانو پر رکھ لیتے ہیں۔ گفتگو میں کوئی تکلف نہیں کرتے۔ یا عظیم القوم کہکر خطاب کرتے ہیں۔ اور ہر بات کا فیصلہ کن اور مختصر جواب دیتے ہیں، اہل دربار اُنکی سادگی سے اور بے تامل سوال و جواب کرنے سے دنگ رہ جاتے ہیں۔ لجاجت سے بات کرتے ہیں اور تعظیم و احترام کے ساتھ رخصت کرتے ہیں۔ یہ سب قومی زندگی کا اثر ہے اور کوئی قوم یا کسی زمانے میں قوم کے افراد قوت عمل سے محروم ہوجاتے ہیں تو اُنکی وضع قطع کی نمائش اور فیشن کی پابندی اغیار کی نظر میں اور ذلت کا باعث ہوتی ہے سکندر اعظم، دارا کے خیموں ڈیروں کے اندر تکلفات کو دیکھتا ہے تو ہنسکر کہتا ہے شائد ایشیا والوں کے نزدیک سلطنت انہی تکلفات کا نام ہے۔ ہلاکو خاں خلیفۂ بغداد کے محل میں آتا ہے اور خزانے کے نفائس و ذخائر کا ڈھیر سامنے لگواتا ہے تو کھانا کھانے کی ایک پرتکلف قاب اٹھاکر اسمیں جواہرات بھرتا ہے اور کھانے کے طور پر خلیفہ کے سامنے پیش کرتا ہے اور اُسکا مذاق اُڑاتا ہے۔ بادشاہ دہلی اپنی شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ نادر کی ملاقات کو جاتا ہے تو وہ ہنسکر کہتا ہے۔ جان برادر! اسی تن زیب اور ململ کے لباس نے تمھیں دو مہینے میں دلی سے پانی پت پہنچایا۔ ہم جھلستی ہوئی گرمیوں میں پوستین اور چمڑے کی ٹوپی پہن کر کابل سے یہاں تک آپہنچے۔

وضع قطع کی مصلحت اور مضرت | ہمارے اہل وطن قابلیت سے بے بہرہ اور قوتِ عمل سے عاری فیشن ایبل لباس ہیں کھٹ پٹ کرتے ہوئے حکام وقت کی ملاقات کو جاتے ہیں تو وہ دل میں ہنستے ہونگے کہ کوا ہنس کی چال چلتا ہے مگر اسمیں بھی ایک راز ہے جسکو وہ بخوبی سمجھتے ہیں اور بظاہر خوشنودی کا اظہار کرتے ہیں۔ اُن کا لباس ہوگا اور اسی طرز کی ماند و بود ہوگی تو تمام ضروریات بھی انہی کے کارخانے

مہیا کرینگے اور انکی تجارت کو فروغ ہوگا۔ دوسرے کوئی شخص پردیس میں جائے اور بے یار و مددگار ہو۔ کسی قسم کی واقفیت بہم پہنچانا چاہتا ہو۔ کسی ضرورت میں مدد کا خواہشمند ہو تو اُسکو اپنے کسی ہم قوم کی تلاش ہوگی جسکو اپنے قومی لباس میں دیکھے گا اُسکی طرف لپکے گا۔ اور اکثر مدعا میں کامیاب ہوگا۔ پردیس میں ایک قوم کے دو آدمی مل جائیں تو اُن میں ہمدردی بھی زیادہ ہوتی ہے کسی کو اپنا قومی لباس پہنے یا اپنی زبان میں گفتگو کرتے دیکھا جاتا ہے تو دل میں بیساختہ محبت کی لہر پیدا ہوتی ہے۔ غلام آقاؤں کی وضع اختیار کریں اُنکی زبان میں گفتگو کرتے پھریں اور کوئی صاحب بہادر ان سے امداد کے طالب ہوں تو غلاموں کی کیا مجال ہے کہ بے مروتی دکھائیں وہ اُن کے ہم قوم سے بڑھ کر مدد کرینگے۔ مگر غلاموں کا ہم قوم کیسا ہی حاجتمند ہو اپنے بھائیوں کو صاحب بہادر کی شکل میں دیکھ کر بات کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا اور کوئی کرے تو بید کی چھڑی یا بوٹ کی نوک سے جواب پاتا ہے۔ اقبالمندوں کی وضع اختیار کرنے میں ہر طرح انہی کو فائدہ پہنچتا ہے تو خوشنود کیوں نہ ہوں۔ ہنسکر بات کرنے اور ہاتھ ملا کر کرسی پر بٹھا لینے میں اُن کا کیا حرج ہے۔ پس غلط ہے جو کہتے ہیں کہ غیر قوم سے تشبہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ تجربہ بتاتا ہے کہ تشبہ کرنے والے اُسی قوم میں سمجھے جاتے ہیں اور اُنکی ہمدردی بے اختیار اسی قوم پر صرف ہوتی ہے* ۔ اور اپنی قوم کے دکھ

* ہندی مسلمانوں کے سب سے بڑے ریفارمر نے مسلمانوں کو وضع کے بارے میں بے لگام کرنا چاہا ہے تو بہت بڑے مغالطے سے کام لیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود رومی کوٹ زیب تن فرمایا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر قوم سے تشبہ کرنا ناجائز نہیں۔ حالانکہ اپنے قومی لباس اور قومی وضع کے اندر کسی وقت میں ایک اجنبی کپڑا استعمال کرنے سے تشبہ پیدا ہی نہیں ہوتا اور کسیکو ایسے شخص کی نسبت اجنبی ہونے کا گمان نہیں گزرتا۔ ہمارے ہندوستانی بھائی شلوار اور کلاہ دار پگڑی کے ساتھ کماچ دار کوٹ اور فُل بوٹ پہن لیتے ہیں تو فرنگیوں سے مشابہت پیدا نہیں ہوتی اور کیسے ہی گورے چٹے ہوں ہندوستانی سمجھے جاتے ہیں۔ سمجھنے میں غلطی جبھی ہوتی ہے کہ سر سے پاؤں تک تمام لباس بدل دیا جائے اور یہی صورت ہو جسے تشبہ کہا جاتا ہے اور یہی صورت ہے جسکو اختیار کرنیکے لیئے ہمارے ریفارمر ایک رومی کوٹ کو استعمال کرنے سے سند لیتے ہیں جو ڈھیلے ڈھالے تہبند بڑی سی پگڑی اور لمبے بالوں کے ساتھ پہنا گیا ہوگا۔ پورے تشبہ کے لیئے اُس زمانے میں کوئی سند نہیں مل سکتی جبکہ فوجوں کو ممالک غیر میں بھیجا جاتا تو مختلف ہدایات کے اندر یہ بھی تاکید کی جاتی تھی کہ گرمی پیدا کرنیکے لیئے دھوپ میں بیٹھنے کی عادت جو بدویوں کا خاصہ ہے کبھی نہ چھوڑنا۔ اور عیش پسندوں کے تکلفات دیکھکر اپنی سادہ عادات میں تغیر نہ آنے دینا۔ جناب فاروق رضؓ نے حضرت

(باقی برصفحہ ۱۱۳)

وردیں اِن سے بہت کم مدد ملتی ہے اور باوجود اسکے وہ غیر قوم کے فرد بن نہیں سکتے۔ وہ اپنی اغراض کے لیئے چندوں کی فہرست کھولتے ہیں تو اپنوں سے زیادہ اپنا بننے والوں سے مدد لے لیتے ہیں مگر قومی حقوق میں اُنکو اپنے برابر ہرگز نہیں سمجھتے۔ قومی حقوق کا مرحلہ بہت دور ہے۔ معمولی عُہدوں پر جو اس قوم سے مخصوص ہوں باوجود سینیئر ہونے کے چند روز کی قائم مقامی دینے میں بھی تامل کرتے ہیں۔ ہاں اپنی پارٹیوں میں برابری کے انداز سے شریک کر لیتے ہیں تو زیادہ گراں قیمت پارٹیوں کا خرچ انکی جیب سے نکلوا لیتے ہیں۔ خود لطف اٹھاتے ہیں۔ قومی تاجروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ ہر طرح جمیت میں رہتے ہیں۔ مگر ہمارے بھائی قومی جذبات سے ایسے ناآشنا اور قومی خصوصیات کو قائم رکھنے کی مصلحت سے ایسے جاہل ہیں کہ مذہب نے جو تشبہ بالاغیار کے نقائص سے آگاہ کیا ہے تو اُسپر تمسخر اڑاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اقبالمندوں کے لباس میں کوئی جادو ہے جو پہنتے ہی آدمی کو قابلیت میں اُنکے برابر بنا دیتا ہے۔

اقوام متمدن کا طرز عمل | مذہب کی نہ سنو قومی خصوصیات کو قائم رکھنے کی مصلحت اقبالمندوں سے پوچھو وہ ایسے ایسے ممالک میں جاتے اور اپنے بیوی بچوں سمیت سالہا سال رہتے ہیں جہاں آب و ہوا کے اقتضا سے اور لوازم صحت کو قائم رکھنے کے لیئے لباس میں تغیر کرنے کی ضرورت ہے مگر نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ قومی خصوصیات کو نمایاں کرنے کی ضرورت پردیس میں زیادہ ہے جو بھی تقلید کرے گا اس سے اُنکی قوم کو فائدہ پہنچے گا اور اُن کا ہم قوم جو وہاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲) خالد بن ولید رضہ کو معزول کرنے کی وجوہات میں یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ رومی حکام کی طرح اپنے دروازے پر پہرہ دار کھڑا کرتے ہیں ایسے لوگوں کے تشبہ کی مثال کہاں مل سکتی ہے۔ تشبہ ہمارے زمانے کی ایجاد ہے جبکہ سٹیشن پر پہنچکر ٹرین میں اسباب رکھتے ہیں اور فیشن کے مطابق پلیٹ فارم پر چہل قدمی کرتے ہیں تو اپنے ٹرنک کے اوپر ہیٹ رکھ دیتے ہیں۔ غریب دیہاتی میلی کچیلی گٹھڑیاں لیکر ڈبے میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو فرنگی ٹوپی دیکھکر پچھلے پاؤں بھاگتے ہیں اور خواہ ریل میں سوار ہونے سے رہ جائیں اور مختلف قسم کا نقصان برداشت کریں اپنے ہم قوم کو صاحب سمجھکر ہیٹ پوش ٹرنک کے پاس نہ بیٹھ سکتے ہیں نہ میلی گٹھڑیاں رکھ سکتے ہیں تو کیا یہ اصول غلط ہے کہ تشبہ کرنے والا اسی قوم میں شمار ہوتا ہے اور کیا اس تشبہ سے وہ اپنے غریب بھائیوں کو جان بوجھکر تکلیف نہیں دیتے ؟۔

آ نکلے گا اُن کی رفاقت اور تقلید کرنے والوں کی مدد سے آرام پائیگا۔ عرب کے بدوی جنگلوں میں رہتے تھے تو رات کو کسی بلند مقام پر آگ روشن کر دیتے تھے کہ بھولا بھٹکا مسافر آئے تو اُنکی مہمان نوازی کا لطف اٹھائے۔ پردیس میں قومی وضع قطع کو نمایاں رکھنا اسی آگ کا کام دیتا ہے اور ہم وطنوں کو آرام پہنچاتا ہے۔ ہم اپنے گھروں میں غیروں کے لیے آگ جلاتے ہیں اور اُنکے لیئے آرام کا اہتمام کرتے ہیں جن کو آرام کی کمی نہیں مگر پیٹ سوٹ پہنکر اپنے عزیز کا مردہ قبر میں نہیں اُتار سکتے نماز جنازہ کے لیئے وضو نہیں کر سکتے پھر کہتے ہیں کہ تشبہ بالاغیار میں کوئی حرج نہیں اور سمجھتے ہیں کہ تشبہ سے روکنے والے بیوقوف ہیں۔ ہماری بے اصول حکومتیں خاص وضع پر مجبور کرنیکے لیئے قید اور جرمانے کی سزائیں تجویز کرتی ہیں اور ٹرکی اور افغانستان میں بیسیوں کو اسی جرم میں قتل کر چکی ہیں یعنی وضع اور لباس پر مجبور کرنے کا استحقاق اس شدومد سے رکھتی ہیں اور جو مذہب قومیت کی بنیاد رکھنے میں تمام مذاہب سے ممتاز ہے کہتے ہیں کہ اسے وضع اور لباس کے بارے میں ہدایت دینے کا کوئی حق نہیں۔

وضع و لباس کا فطری اصول | اِس بارے میں قاعدۂ قدرت یہ ہے کہ زمانے کے انقلاب سے تھوڑا تھوڑا تغیر خود بخود ہوتا رہتا ہے جس سے پختہ طبیعتیں ضرورت کے مطابق متاثر ہوتی ہیں۔ خام طبیعتیں اپنے تئیں اہلِ وجاہت میں شمار کرنے کے لیئے بدلنے میں جلدی کرتی ہیں اور بعض طبیعتیں ایسی قدامت پسند ہوتی ہیں جو کسی ضرورت کے لیئے بھی تغیر کو پسند نہیں کرتیں یا بہت دیر میں کرتی ہیں۔ متانت کے ساتھ عمل پیرا ہونے اور معقولیت کے ساتھ غور کرنے سے اِن تغیرات میں سے کسی کو اچھا اور کسی کو بُرا قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر نہ ایسے تغیرات کو کوئی روک سکتا ہے نہ اسکے لیئے کسی کو مجبور کرنے کا حق ہے۔ اور نہ ایسے تغیرات میں جب تک قومی امتیاز قائم رہے کوئی بڑی قباحت ہے۔ ہماری حکومتوں نے غضب کیا ہے کہ جو وضع پسند کی ہے اُسے تلوار کے زور سے تمام ملک میں پھیلانا چاہا ہے اور حکومت کے نشے میں مست ہوکر قوانین قدرت پر اختیار برتنے لگے ہیں اور مجبور کرنے لگے ہیں کہ دفعتہً نئے رنگ سے رنگین ہوجائیں

اس جبر نے نارضامندی سب ممالک میں پیدا کر دی ہے جو کہیں پوشیدہ سازشوں کی شکل اختیار کرتی ہے اور کہیں علانیہ بغاوت اور انقلاب کی صورت میں تخت و تاج کو الٹ دینے کا باعث بنتی ہے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ جس وضع کو وہ رواج دینے کے آرزومند ہیں اسکے لیئے ایسی سخت جدوجہد کی ضرورت بھی نہیں۔ ترقی یافتہ اقوام کی تقلید میں زمانہ خود اس طرف آرہا ہے۔ اپنی مثال پیش کرنے کی ضرورت تھی، یا رواجی تعلیم کو وسعت دینے کی۔ ہر کہ و مہ اسی روش کا پابند نظر آنے لگتا۔ چند کہن سال بڈھے رہجاتے جو چند روز میں خود فنا ہو جاتے۔ ہماری حکومتوں میں عقل سلیم کے فقدان نے اور طفلانہ عجلت پسندی نے ہاتھ پر سرسوں جمانی چاہی اور محض اس شوق میں کہ کل کا کام آج ہو جائے ملک میں نارضامندی پھیلادی۔ انہی باتوں سے قیاس ہو سکتا ہے کہ وہ کیسا دل و دماغ اور ملک کو حقیقی بہتری کی طرف لیجانے کے لیئے کیسی قابلیت رکھتے ہیں۔

این رہ کہ تو میروی بترکستان ست

غرض حکومتوں نے اصلاح کا زور اور ریفارم کا جذبہ ظاہر کرنا شروع کیا ہے تو سب سے پہلے اور سب سے بڑھکر انہی فضولیات پر وقت ضائع کیا ہے۔ اور قوم کی دماغی اصلاح اور جسمانی اور روحانی تربیت کی طرف توجہ کرنے کی فرصت اگر کسی حکومت کو ملی ہے تو وہ اپنی تمام اجتماعی اور اقتصادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیئے اسی شاہراہ پر گامزن ہو گئی ہے جسکو دیگر اقوام متمدنہ نے اپنی مصلحتوں کے لیئے اختیار کیا ہے اور جن کا مذہبی، اخلاقی اور تمدنی معیار اسلامیوں کے نقطۂ خیال سے (کسی صورت میں زیادہ اور کسی میں کم) مختلف ضرور ہے۔ اور گو انھوں نے زمین کی بہت سی قوتوں کو قابو میں لانا اور آسمان کی کئی طاقتوں سے کام لینا سیکھ لیا ہے مگر اس تمام جدوجہد کے اندر ان کا منتہائے نظر مادی فوائد اور جسمانی راحتوں سے لطف اٹھانے کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہماری کسی حکومت نے کبھی یہی ترقی کی مگر اسلامی خیالات سے ہمدردی نہ رکھی۔ دنیا کے مسلمانوں سے تعلق نہ رکھا اور مادی ترقی پر روحانی تربیت کا اضافہ نہ کیا تو مسلمانوں کو ان کی ترقی سے وہی مسرت ہوگی جو آدمی کو سرکس کا جانور دیکھ کر ہوتی ہے کہ وہ بعض حرکتیں انسان کی مانند کرنے لگتا ہے مگر انسان نہیں بنتا۔

باب ۹ نہم

ترقی کے امکانات

ناکامیٔ تدبیر - بقائے امید - سہ گانہ اسبابِ ترقی - علامت اول احساس مرض - حیوانی ترقی انسانی ترقی - اسلامی ترقی - اولوالعزمی کی ضرورت - علامت دوم قومیت کی پختہ بنیاد - زبان کا اتحاد - وطن کا اتحاد - نسل کا اتحاد - مذہب کا اتحاد - مسلمانوں کا موجودہ میلان - سخن ناشناسیٔ تبلیغ کا عذر - تباہی کے عنوان - علامت سوئم اقتدار حاصل کرنے کا طریق - قوت کا ذریعہ - قانونی طریقہ - امداد کا طریقہ - قوی اور ضعیف کا باہمی تعلق - باشندگان ملک کا استحقاق - اسلامی حکومتوں کا اقتدار - اسلامیوں کی موجودہ روش - مقاومت مجہول - دنیا والوں کا مدار محض قوت پر ہے -

ناکامیٔ تدبیر قومی چمن کی بہار دیکھنے کے بعد خزاں کا منظر سامنے آیا تو گوشے گوشے کو تلاش کیا - ہر گل اور ہر ثمر کو دیکھا - کسی میں تازگی، بالیدگی اور رونق کا نشان نہ پایا - بیشک مسلمان تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں - اور ان سب کی واقعی حالت سرسری طور پر سیاحی کرنے سے بھی معلوم نہیں ہوسکتی اور کشف حقیقت کے لیئے ہر جماعت کے ساتھ ایک عرصے تک ارتباط رکھنے کی ضرورت ہے - لیکن جو نقشہ اِس قوم کے تمام طبقات کا گزشتہ اوراق میں کھینچا گیا ہے اگر دنیا کے کسی گوشے میں کسی طبقے کی حالت اسکے خلاف ہوتی تو اسکا شہرت سے محروم رہنا اور اس کی بہتری و برتری کی اطلاع سے دنیا کا ناواقف ہونا بھی قرین قیاس نہیں - بھلے اور برے حالات تمام دنیا کے معلوم ہوتے رہتے ہیں تو مسلمان اِس سے مستثنےٰ کیونکر ہوسکتے ہیں - ہم صرف اسقدر سنتے ہیں کہ چینی مسلمانوں کو وہاں کے سیاسی اور ملکی انقلابوں میں کچھ دخل ہے یا افریقیا کے بعض حصوں میں مسلمان نسبتہً بہتر حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں - مگر یہ اطلاعیں دل خوش کن نہیں ہیں - حالت ہر جگہ بے بسی کی ہے - اس حالت کے اندر کسی تجارت پیشہ قوم نے اپنی مالی حیثیت کچھ

سنبھالے رکھا یا کسی جماعت نے غلامی کے اندر خوش اسلوبی سے خدمت کی۔ آقاؤں نے کسی طرح کے حقوق دے کر طاقتور بنا دیا اور وہ سیاسی انقلابوں میں ہموطنوں کے ساتھ شریک ہونیکے قابل ہوگئے، تو اگرچہ ان حالات کو سُن کر کسیقدر اطمینان ہوتا ہے مگر جسکو مسرت کہتے ہیں وہ کیفیت اس سے زیادہ نمایاں اور تابناک ترقی پر منحصر ہے۔ اور یہ حالت یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ آجکل مسلمانوں کی کسی جماعت اور جماعت کے کسی طبقے کو میسر نہیں۔ اور روحانی۔ اخلاقی۔ سیاسی اقتصادی اجتماعی اور جسمانی ہر حیثیت کے اندر مسلمانوں کی قوم دیگر اقوام سے پست۔ راحت طلبی کی مشتاق اور تلافی و تدارک کی ہر ایک تدبیر سے بیگانہ ہے۔ اور چونکہ دنیا کا ایک ذرہ بھی کبھی ایک حالت پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ بلندی کی طرف نہیں جا سکتا تو ضرور پستی کی طرف گامزن ہوتا ہے اسی طرح یہ قوم بھی اگر عروج کی طرف جانے کی قدرت نہیں رکھتی تو موجودہ حالت پر بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ ہم کسی جماعت کو پستی کی طرف جاتے نہ دیکھتے ہوں جب بھی اگر اُسکی رفتار عروج کی جانب نہیں ہے تو وہ ضرور نزول کی طرف حرکت کر رہی ہے کیونکہ دنیا نام اجتماع حرکات کا ہے۔ اِس نظام نے سکون پیدا ہی نہیں کیا۔ اور مسلمانوں کی حالت میں اس قیاس و استدلال کی بھی ضرورت نہیں۔ ہم یقین کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور ہر جگہ کی نسبت سچی آوازیں سنتے ہیں کہ اِس قوم کے موجودہ افراد تمام و کمال پستی کیطرف جا رہے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر جگہ اپنے تنزل پر واویلا اور ترقی کرنے کے لیئے جدوجہد ہو رہی ہے مگر اسکی شکل بھی ہر جگہ اور ہر طبقے میں یکساں ہے کہ ہر شخص اپنے تئیں نقائص سے پاک سمجھ کر تمامتر الزام دوسروں پر رکھتا ہے اور اپنے اطوار میں کوئی اصلاح کرنیکے بغیر دوسروں کے لیئے علاج و تدبیر کا خاکہ تیار کرتا ہے بلکہ جو لوگ اصلاح کا بیڑا اٹھاتے ہیں وہ قابل تقلید نمونہ اپنے ذاتی اطوار کو قرار دے کر فیصلہ کرتے ہیں کہ تمام قوم یہی وتیرہ اختیار کرے گی تو ترقی کی طرف گامزن ہوگی۔ ایسے علاجوں اور تدبیروں کو کم یا زیادہ عرصے تک عمل میں بھی لایا جاتا ہے اور بعض تدبیریں ہمیشہ کے لیئے بھی جاری رکھی جاتی ہیں مگر مرض دور نہیں ہوتا یا کسی ایک آدھ عارضے

میں افاقے کی صورت نظر آتی ہے تو اُسکی بجائے کوئی اور خوفناک یا مہلک مرض پیدا ہو جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت تک قومی مرض کا کوئی صحیح علاج کسی نے دریافت نہیں کیا۔ علاج اچھے سے اچھے خیال میں آتے ہیں اور دیکھا جاتا ہے کہ ان علاجوں کو دنیا کے اور مریض مؤثر سمجھتے اور اپنے شفایاب ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ مگر شاید ہمارے معالج ہمارے اور دیگر مریضوں کی طبائع کا اختلاف نہیں دیکھتے۔ یا کسی ایک مرض کا نسخہ دوسرے مرض کیلئے یا نوخیز مریض کا نسخہ ضعیف العمر کے لیئے یا منطقہ باردہ میں رہنے والے کا نسخہ منطقہ حارّہ میں سانس لینے والے کیلئے تجویز کر دیتے ہیں۔ یا دبائی امراض کے اُن جراثیم کا دفعیہ نہیں کرتے جو سانس کے رستے سے اور تمام جسمانی مساموں کی راہ سے ہر وقت مریض کے جسم میں داخل ہو رہے ہیں اور دوا کا اثر ضائع کرتے رہتے ہیں یا حقیقت میں دنیا کے اندر کوئی دوا ہی نہیں رہی اور ایک قسم کا نشہ ہے جو کسی کو غفلت میں ڈال دیتا ہے تو اُسے تندرست سمجھ لیا جاتا ہے۔ کوئی بھی وجہ ہو یہ یقین ہے کہ ہمارے مرض میں اس وقت تک اضافہ ہو رہا ہے اور صحت کی علامت نمودار نہیں۔

بقائے امید تو کیا یہ مرض لاعلاج اور مہلک ہے اور مسلمانوں کی حالت سے قطعاً مایوسی ہو چکی ہے؟ اور یہ قوم تنزل کے بعد عروج کی طرف نہیں جاسکتی؟ اس سوال کا جواب آسان نہیں اور آیندہ کی نسبت قطعی فیصلہ انسانی عقل کے لیئے دشوار ہے۔ موجودہ رفتار بیشک انحطاط کی جانب ہے اور مسلمان ہر طرف اور ہر طرح سے مٹ رہے ہیں مگر ابھی حالت ایسی نہیں گری جو امید کو بالکل منقطع کر دے اور یاس کے سوا کوئی صورت نہ چھوڑے۔ قومی زندگی میں دو تین سو سال کا عرصہ بڑا وزن نہیں رکھتا اور مسلمانوں کے اندر تو ابھی وہ اشخاص موجود ہیں جنھوں نے اگرچہ زوال کے اندر آنکھیں کھولی ہیں اور حقیقی اقبال کے دن نہیں دیکھے مگر وہ زمانہ پایا ہے جس میں جاہ و جلال کی نمائش دنیا کے اکثر حصوں میں اسلامیوں کے ساتھ مخصوص تھی اور گو حکومت و اقتدار اکثر و بیشتر اغیار کے تصرف میں جا چکا تھا مگر متعدد ممالک میں انہی کے نام سے

حکومت ہوتی تھی۔ اور چند اطراف میں اب تک بھی اگرچہ انکی کمزور ہستی اغیار کے نرغے میں محصور ہے مگر بظاہر وہ خود مختار اور صاحب استقلال نظر آتے ہیں۔ یہ وقت نشۂ حکومت میں مست ہونے کا بیشک نہیں رہا مگر بادۂ دوشینہ کا خمار اترنے کا وقت بھی ابھی نہیں آیا اور قوم ہوش و حواس کی بحالی میں دل و دماغ سے صحیح غور و فکر کا کام لینے کے لائق نہیں ہوئی۔ دنیا میں مختلف اقوام کو اس سے زیادہ عرصوں تک ادبار میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے اور ہم نے اس تحریر کے ابتدائی اوراق میں اکثر اقوام کے ایسے اُتار چڑھاؤ کا تماشا بہت دیکھا ہے تو مسلمانوں کے لئے ایسے قلیل عرصے میں جسکی یادو لوں سے محو نہیں ہوسکی اور جسکی ظاہری نمائش کو دیکھنے والے اس نسل کے اندر موجود ہیں کیونکر ناامیدی کا فیصلہ ہوسکتا ہے۔ یہ قوم اقبال کے اندر دنیا کی ممتاز اور مستثنٰے اقوام میں شمار ہوئی ہے اور خدائی دن سے بھی کچھ زیادہ عرصے تک قوت و اقتدار سے بہرہ اندوز رہی ہے تو ادبار کے اندر دن کے چوتھائی حصہ میں اُسکے فضل سے مایوس ہونے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔

سہ گانہ اسباب ترقی | مختلف الاقسام امراض کا ہجوم ہے۔ قوت کا فقدان ہے اور ضعف نقاہت کا روزانہ اضافہ۔ مگر مریض کے سخت جان اور مرض کے علاج پذیر ہونے کی بھی تین زبردست علامتیں موجود ہیں۔ اگرچہ ساتھ ہی وبائی ہوا نے جو جراثیم فضا میں پیدا کردیئے ہیں وہ باہر سے حملہ آور ہورہے ہیں اور اُنکے اثر نے جسم کے اندر داخل ہوکر مریض کے اپنے بعض اعضا کو ایسا ماؤف کردیا ہے کہ وہ خود جسم کو فنا کرنے میں مصروف ہیں اور اس بیرونی اور اندرونی حملے سے جانبری کی تینوں علامتوں کو نابود کرنے کی کوشش ہورہی ہے اور مریض پر وہ حالت طاری ہے جس کو قدیم طبابت میں بحران کہا جاتا تھا یعنی مرض کو غالب کرنے والا اندرونی اور بیرونی مواد ایک طرف اور طبیعت دوسری طرف دونوں مصروف پیکار ہیں جو فریق غالب آئے گا دوسرے کو نابود کردے گا۔

علامت اول۔ احساس مرض | شفا کی پہلی علامت یہ ہوتی ہے کہ مرض کا احساس ہو اور مریض اسکو آسان سمجھ کر تدابیر اندفاع سے غافل نہ رہے۔ مسلمانوں کے اندر شفا کا یہ ذریعہ بفضل خدا موجود ہے،

اور اپنی طاقت اور ادراک کے مطابق مرض کے خلاف سعی ہو رہی ہے۔ اور زوال کے بعد نسبتہً بہت جلد یہ احساس پیدا ہو گیا ہے۔ ہندو قوم کے اقتدار پر ۶۰۰ء سے حملے ہونے لگے ہیں اور رفتہ رفتہ تمام ملک و دولت پر اغیار کا تصرف ہو گیا۔ ہندوؤں کی مدافعانہ جدوجہد جو زور سے کمزوری کی طرف آتی رہی اور آخر ختم ہو گئی۔ وہ جیسی کچھ بھی رہی ہے حکومت کی حکومت کے خلاف تھی۔ ورنہ قوم نے اقبال سے محروم ہو کر جس غفلت میں وقت بسر کیا ہے۔ اُس سے آج انگریزی راج میں نجات پائی ہے اور اپنی بہتری کے لیئے جدوجہد شروع کی ہے۔ بنی اسرائیل نے ۵۸۰ ق م میں آزادی اور ۶۳ ق م میں اندرونی اختیارات کو ضائع کیا ہے تو اپنے قدیم وطن پر قابض ہونے کے لیئے اور وہ بھی دوسروں کی ترغیب و تحریص سے ۱۹۱۸ء کے اندر آمادہ ہوئے ہیں۔ مگر مسلمان جن کو اقبال نے دھوکا اٹھارہویں صدی میں دیا ہے آج انیسویں صدی کے اختتام پر تمام دنیا میں مضطرب اور کسی نہ کسی طرح کی کوششوں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ یہ شگون بہت مبارک ہو اور مریض کا مرض کو محسوس کرتے ہی علاج کی طرف متوجہ ہونا صحت کے لیئے فال نیک ہو۔ اگر یہ سرگرمی رہی اور اپنی تدبیر کی کوتاہی دیکھکر علاج کی شکلیں بدلتے رہے تو غالب گمان ہے کہ کسی وقت صحیح تدارک تک رسائی ہو سکے گی اور مرض دور ہو جائے گا۔

حیوانی ترقی

مگر اس بارہ میں ایک قباحت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ بعض اوقات بعض مریض کے درد اور تکلیف کو دیکھکر اور تدبیر سے عاجز آکر معالج افیون کی پچکاری کر دیتا ہے یا کوکین۔ شراب یا کوئی نشہ آور دوا کھلا دیتا ہے اور مریض کو اس سے فوری راحت میسر آتی ہے تو وہ ایسی پچکاری یا دوا کا عادی ہو جاتا ہے جس سے سردست محسوس تکلیف باقی نہیں رہتی مگر مُنشّی دوا کا زہر غیر محسوس طور پر قوے کو مضمحل کرتا ہوا کچھ عرصے میں ہلاک کر دیتا ہے۔ اِسی قسم کا اندیشہ مسلمانوں کی نسبت ہے وہ سردست اُن محسوس تکلیفوں سے بیقرار ہیں جو مادی پستی سے اور دنیوی وجاہت کے فقدان سے پیدا ہوئی ہیں۔ اِن تکلیفوں سے اقوام متمدنہ کو آزاد اور ہر طرح کی راحت و آرام سے لطف اندوز دیکھتے ہیں تو اپنی بہتری کیلئے کوشش کرتے ہوئے مادی ترقی کو منتہائے نظر قرار دیتے ہیں اگر اسمیں کامیاب

ہوگئے اور دنیوی راحتوں سے بہرہ اندوز ہوکر اسی پر قناعت کر بیٹھے تو نشۂ دولت میں مست ہوکر اسی کے خوگیر ہوجائینگے جسکے بعد روحانی موت کا یقین ہے - ایسی ترقی دنیا کے تمام مسلمانوں نے حاصل کر لی اور مادی کامیابی میں اقوام متمدنہ کے برابر ہوگئے تو یہ حیوانی ترقی ہوگی - کیونکہ جسمانی لذتوں سے لطف اندوز اور تکالیف سے نفور ہونے کا احساس حیوان بھی رکھتے ہیں اور اپنی ضرورت کے مطابق آسائش کا سامان مہیا کرنے اور قابل نفرت حالات سے نجات پانے کے لیئے کوشش میں مصروف رہتے ہیں اور حشرات الارض جو اجتماعی زندگی کے محتاج ہیں اپنی جماعت کو اپنی کوشش سے کامیاب بنانے میں رات دن منہمک نظر آتے ہیں انسان نے بھی اپنی زندگی کو انہی اغراض پر وقف کیا تو اسے حیوانات سے زیادہ کامیاب نہیں کہہ سکتے بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس فضیلت میں وہ حیوانات کے بھی برابر نہیں ہوسکتا - حیوانات اگر بیرونی آفات سے محفوظ رہیں اور ناجنسوں کے ہاتھ سے یا آسمانی آفتوں سے ہلاک نہ ہوں تو وہ اپنے مدعا میں مدۃ العمر کامیاب رہتے ہیں - لیکن انسان پر ناجنسوں کے حملے اور آسمانی آفتوں کے صدمے نہ آئیں تو جب بھی وہ اپنے ہم جنسوں کے مقابلے سے اور اپنی مختلف اور بہت پیچیدہ ضرورتوں کی وجہ سے پورے عاقلانہ طرز پر کام کرتا ہوا بھی اپنی ضروریات کے سرانجام میں اکثر ناکام رہتا ہے - اپنے کاروبار میں نقصان اٹھاتا ہے اور بیشمار دماغی - جسمانی اور مالی تکلیفوں سے دوچار ہوتا رہتا ہے* - پس اسے جسمانی راحت میں حیوانات کے برابر کامیابی کہاں نصیب ہوسکتی ہے - اور یہی ثبوت ہے اس امر کا کہ انسان کو ایسے فوق العادت فضائل سے بہرہ ور اور

* انسان سردیوں میں کمرے کے اندر آگ جلا کر اور نرم گدیلے پر گرم لحاف میں لپٹ کر اس سے زیادہ راحت نہیں پاتا جو ایک ریچھ کو برفانی پہاڑی کے غار میں لیٹ کر میسر آتی ہے اور انسان نہایت سعی و کوشش اور عاقلانہ تدبیروں کے باوجود ایسی راحتوں کو مہیا کرنے سے اکثر عاجز رہتا ہے - اور بڑے بڑے اقبالمند اور دانا بغیر اپنی کسی کوتاہی اور قصور کے سفر اور حضر میں بہت سی راتیں تکلیف میں بسر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں - حالانکہ ریچھ کو اگر شکاری کی گولی سے زخمی نہ ہو تو تمام عمر کے اندر کبھی ایک شب بھی ایسی راحت سے محروم ہونے کا موقع پیش نہیں آتا - پس اپنی تمام علوم و فنون کی قابلیت کو جسمانی راحتوں کے سرانجام میں خرچ کرنے پر انسان ریچھ کی نسبت کونسی فوقیت کا دعوے کرسکتا ہے -

عقل و شعور کی نعمت سے مالا مال بنا کر بھیجا گیا ہے اور تمام چرند و پرند بلکہ اکثر قوانین قدرت کو اسکے زیر حکومت رکھا گیا ہے تو اس سے صرف جسمانی راحت کا حاصل کرنا اور عیش و آرام میں مست رہنا مقصود نہیں۔ اتنا ہی کام ہوتا تو اسکی ضرورتوں کو محدود رکھنا اور کسی اچھے سے اچھے حیوان کے برابر شعور دے دینا کافی ہوتا۔ اتنا بڑا فہم اور ادراک عطا کرنے اور ایسے اعلیٰ کمالات سے امتیاز بخشنے کا اور اسکی ضرورتوں کو غیر متناہی شکل دینے کا مدعا ہی یہ ہے کہ یہ ہر طرح کا تجربہ کرے اور دیکھے کہ جب جسمانی راحتوں میں وہ باوجود اتنے بڑے اہتمام کے حیوانات کے برابر بھی نہیں ہو سکتا تو ضرور اسے کسی اور کمال تک پہنچنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے جس میں وہ کوشش کرتا ہے تو ضرور کامیاب ہوتا ہے اور اس کامیابی کے بعد اُسکو جسمانی راحتوں سے محروم رہنے اور تکالیف سے محصور ہونیکا مطلق رنج و افسوس نہیں ہوتا۔*

* سکندر اعظم کو دیوجانس کا استغنا دیکھکر رشک پیدا ہوا اور اس نے دل میں دیوجانس بننے کی تمنا کی تو کیا تعجب ہے کیونکہ اس ننگے دھڑنگے فلسفی کو تمام عمر میں کبھی اس افسوس سے سابقہ نہ پڑا ہوگا جو سکندر کو اُٹھانا پڑا ہے جبکہ اسکی فوج نے ہندوستان میں پیشقدمی کرنے سے انکار کر دیا ہی بلکہ دیوجانس کو مرنے کے وقت بھی وہ حسرت نہ ہوئی ہوگی جو اپنی فتوحات سے لطف اٹھانے کے بغیر جوانی میں دنیا سے جانے پر سکندر کو برداشت کرنی پڑی ہو گجرات میں کوہستانی غار کے تنگ دامنے میں لیٹ کر آنے اور جانیوالے لنگوٹ بند سادھو کو دیکھکر جہانگیر نے جو افسوس اپنی حالت پر کیا ہے اسمیں کیا استبعاد ہے جبکہ جہانگیر کو اپنی توزک میں فوج کی ناکامیوں کا۔ بیٹوں کی بغاوت کا اور ہر وقت کے تفکرات کا جا بجا حسرتناک الفاظ میں ذکر کرنا پڑا ہے اور آخر عمر میں طویل بیماریوں میں جان سے بیزار ہونیکا موقع پیش آیا ہے مگر اُس سچے سنیاسی کو غم و رنج ایک طرف رات دن میں ایک بار گنتی کے چار لقمے بغیر چبائے نگل جانے کے سوا اور دن میں دو دفعہ دریا پر نہانے کے سوا اور کسی فکر سے بھی سابقہ نہیں پڑا اور جیسا کہ اس نے بیان کیا جب سے اس نے روحانی جد و جہد میں قدم رکھا ہے رفتار میں سستی اور چستی کا فرق تو پڑتا رہا ہے مگر ناکامی کا منہ کبھی نہیں دیکھا اور ایسے قلبی اطمینان سے لطف اندوز رہا ہے جسکو وہ سمجھتا ہے کہ بعد از مرگ بھی زائل نہ ہوگا بلکہ اور ترقی پائے گا اور اسی لیئے وہ موت کا نہایت اشتیاق سے منتظر ہے۔ قرآن کریم میں بھی روحانی کمال کا معیار موت کی تمنا کو گردانا گیا ہے اور جو لوگ ایسے کمال کا غلط دعوٰے کرتے ہیں ان سے کہا گیا ہے کہ ایسے ہو تو تمھارے دل میں موت کی تمنا کیوں نہیں ایسے فلسفیوں اور سادھوؤں نے اپنی خواہشوں کو محدود کرنے میں بیشک کمال کیا اور تسکین قلب کا انعام پایا اگر اسکے ساتھ وہ خدمت خلق اللہ کا فرض بھی ادا کرتے تو نہ صرف اپنے دل میں تسکین محسوس کرتے بلکہ ہر عاقل انکی نسبت یہی فیصلہ کرتا کہ وہ موجودہ اور آئندہ زیست میں ہمیشہ راحت سے بسر کرینگے۔ مگر اب گوشۂ تنہائی میں عمر بسر کرنیکے بعد وہ اس جواب دہی سے سبکدوش نہیں ہو سکتے کہ تم نے اپنے چار لقموں کے لیئے خلق اللہ سے خدمت لی اور اپنی بے نظیر قوت سے انکی کوئی خدمت بجا نہ لائے۔

انسانی ترقی | پس انسان حیوانی کمال سے گذر کر انسانی کمال تک اسی صورت میں پہنچ سکتا ہے کہ اپنے تئیں کسی نظام اور قانون کے ماتحت رکھے۔ دل کو پاکیزہ خیالات کا مخزن بنائے اور اعضاء و جوارح کو بے لگام ہونے سے روکے اور خواہشوں کے سرانجام میں مصروف رہنے سے باز رکھے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ دل میں ایمان پیدا کرے اور اعمال صالحہ پر کاربند ہوکر سیئات سے محترز رہے۔ اسی صورت سے قلب کے اندر وہ روشنی پیدا ہوگی جس سے فانی لذائذ کی بے وقعتی اور پائندہ فضائل کی حقیقت منکشف ہوئی اور دل کو وہ سکون اور اطمینان حاصل ہوگا جسکو حاصل کرنیکے لیئے جسمانی ذرائع و اسباب کو جمع کرنے میں وہ شب و روز منہمک رہتا ہے اور نہیں پاسکتا۔

اسلامی ترقی | مگر اس کیفیت کو پیدا کرنیکے بعد بھی انسان محض اس ترقی کا فخر کرسکتا ہے جسے بحیثیت انسان ہونیکے پاسکتا ہے مسلمان ہونے کی وجہ سے اسپر اور فرائض بھی عائد ہوتے ہیں اور اسلام اپنی ذات خاص کی اصلاح و تکمیل کے بعد آدمی سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنی کوشش کو یہاں پہنچکر ختم نہ کرے۔ کیونکہ اسکا ایک رشتہ خدا سے ہے جو اپنی تمام صفات کمال میں لاانتہا ہے اسکا دوسرا رشتہ اپنے بنی نوع سے ہے جو متمدن جماعت ہے اور باہمی امداد کے بغیر نہ قائم رہ سکتی ہے نہ کسی کمال تک پہنچ سکتی ہے۔ اور اسکا تیسرا رشتہ تمام مخلوق سے ہے جو مفید و مضر دونوں طرح کے عناصر سے مرکب ہے۔ پہلے رشتہ کی وجہ سے اسکو ذات باری کی معرفت سے بہرہ اندوز ہونے کی ضرورت ہے اور اس کام کیلئے لاانتہا جدو جہد کی حاجت۔ دوسرے رشتے کی وجہ سے اسپر اپنی ذات کی اصلاح کرنیکے بعد تمام ابنائے جنس کی اصلاح میں مصروف رہنے کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ اور تیسرے رشتے کی وجہ سے منافع کو وسعت دینے اور مضرتوں کو کمتر یا نابود کرنے کی کوشش میں مصروف رہنا اور ان خدمات جلیلہ کی بجاآوری میں ہر طرح کی صعوبت کو برداشت کرنا اسکے فرائض میں داخل ہے یعنی اسکا فرض نیک بننا بھی ہے نیک بنانا بھی ہے۔ بدی سے بچنا بھی ہے بدی سے بچانا بھی ہے۔ طاغوتی قوتوں کو شکست دینا ہے۔ لاہوتی جاہ و جلال کو پھیلانا ہے اور خلیفۃ اللہ بنکر دنیا کے تمامتر انتظاموں کا بار اپنے سر پر اٹھانا ہے۔ یہی فرائض ہیں جنہیں لاانتہا

جدوجہد کی ضرورت ہے اور انہی کی بجا آوری سے لامتناہی ذات ربانی تک رسائی حاصل کرنے کا موقع۔ اس مدعا کو مدنظر رکھکر وہ اسلامی ترقی کے معیار پر پورا اتر سکتا ہے اور اسی کمال کو اپنا مقصد قرار دینے کے بعد اُسے مسلمان کہا جا سکتا ہے۔ اِس درجے سے نیچے رہنے کی صورت میں اگر اس نے صرف جسمانی راحت پر انحصار رکھا تو اپنی نیت کے لحاظ سے حیوانات کے برابر اور نتیجے کے لحاظ سے حیوانات سے کمتر رہیگا۔ آگے بڑھ کر ایمان اور اعمال صالحہ کی حد پر ٹھہر گیا اور اپنے فوج کی خیر منانے کے سوا اور کوئی مدعا پیش نظر نہ رکھا تو اگرچہ انسان کہلانے کا مستحق ہوا مگر مسلمان نہ بن سکا۔

اولوالعزمی کی ضرورت ہماری قوم جدوجہد میں مصروف ہے۔ اگر پہلے درجے پر ٹھہر گئی اور جسمانی لذتوں کی خوگیر ہو گئی تو اسکی روحانی موت کا یقین ہے۔ اگر کچھ ترقی کی اور ایمان و اعمال صالحہ کی دولت تک پہنچکر اپنے تئیں مکمل سمجھ لیا اور ابنائے جنس کے درد سے سروکار نہ رکھا تو اس غرور کا نشہ بھی روح کو ہلاک کرنے کیلئے کافی ہوگا۔ پس ہماری قوم کا جذبہ اگرچہ مبارک ہے مگر نشۂ امارت اور نشۂ تقدس دو دو زہر ہیں جن میں سے کسی کو بھی اگر دوا سمجھ کر استعمال کرنا شروع کر دیا تو اندیشہ ہے کہ محسوس تکلیفوں سے نجات پاکر مرض کے تدارک سے بیفکر ہو جائے گی اور انجام اچھا نہ ہوگا۔ حقیقی ترقی کی یہی صورت ہے کہ مسلمان جسمانی حالت کو درست کریں تو ایمان کو فراموش نہ کردیں اور ایک ملک کے مسلمان ترقی کریں تو دیگر ممالک کے مسلمانوں سے بیفکر نہ ہو جائیں۔ دنیا بھر کے مسلمان ترقی کر جائیں تو اپنے ابنائے جنس کی اصلاح و تربیت سے غافل نہ رہیں۔ انفرادی زندگی اسی جدوجہد میں ختم ہو قومی زندگی اسی درد میں بسر ہو۔ زمانے کی وسعت اس کام میں خرچ ہو جائے۔ دنیا کی عمر اس دُھن تمام ہو جائے۔ زمین و آسمان کچھ نہ رہے تو مسلمان بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی آواز لامحدود فضا کو سناتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوں۔ ایسی لامتناہی کوشش ہو تو اسکے بعد لامتناہی خدا کا قرب میسر آئے یہی خدمت ہے جسکے صلے میں اس قوم کو خیر الامم کا خطاب مل سکتا ہے اور یہی صورت ہے جس سے ملت دنیا و آخرت کے خسران سے نجات پا سکتی ہے۔ ارشاد ہے :-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ تم سب سے بہتر قوم ہو جو نوع انسانی میں پیدا کئے گئے ہو نیکی

بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (پارہ ۴۔ آل عمران ع ۱) | ترغیب دیتے ہو بدی سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہو اور عرفان الٰہی کے مستحق ہو۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر۔ پارہ ۳۰) | تمام زمانے کو دیکھکر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کیلئے خسارہ ہی خسارہ ہے ہاں جو لوگ ایمان لائیں نیک کام کریں اور لوگوں کو حق پر قائم رہنے اور تکالیف میں صبر کرنے کی ترغیب دیتے رہیں

ایسے ایسے متعدد فرامین الٰہیہ کے مطابق مسلمانوں کی جو نسل اور نوع انسانی کا جو طبقہ اشاعت حق سے غافل اور ترویج دین ہدایت سے بے پروا ہوگا وہ خیر الامم کے لقب سے محروم اور خسران دنیا و آخرت کا مستوجب ہوگا۔ اور اسکی مادی ترقی یا خود غرضانہ پارسائی کچھ مفید نہ ہوگی۔

علامت دوئم۔ قومیت کی پختہ بنیاد | موجودہ انحطاط سے نجات پانے کی دوسری علامت مسلمانوں کے اندر انکی قومیت کی پختہ بنیاد ہے۔ دنیا میں قومیت کی بنیاد اکثر و بیشتر نسل پر رکھی گئی ہے یا وطن اور زبان پر اور یہ سب چیزیں متغیر اور فانی ہیں۔

زبان کا اتحاد | زبانیں بدلتی اور نابود ہوتی رہتی ہیں۔ مصری زبان دنیا کے پردے پر نہ رہی گاتھ قوم نے ہسپانیہ کی زبان اختیار کرلی تو جو اتحاد افراد انسانی میں ایک زبان بولنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے وہ قبطی اور گاتھ قوم کو بالطبع ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کی زبان بولتے ہیں مغل قوم نے وطن سے نکلکر شہرت حاصل کی ہے۔ مذہب بھی اُنھوں نے چین میں جاکر کچھ اور اسلامی ممالک میں آکر کچھ اور اختیار کرلیا اور عرصہ ہائے دراز تک انکی مختلف جماعتیں ایک دوسرے سے جُدا رہیں۔ اُنکے اندر باہمی اتحاد اور ہمدردی کا باعث اگر کچھ باقی رہا تھا تو وہ صرف زبان کی وجہ سے تھا اب مغل جہاں جہاں ہیں مختلف زبانیں بولتے ہیں تو اُنکے لئے کبھی ایک سلسلے میں منسلک ہوکر گذشتہ عظمت حاصل کرنے کا احتمال کہاں باقی ہے۔

وطن کا اتحاد | وطن کا اتحاد دنیا میں بہت مشہور ہے اور حُبِّ وطن کے ترانے ہر قوم میں گائے جاتے ہیں۔ مگر حبِ وطن کے کارنامے جو مختلف ممالک میں دکھائے گئے ہیں اُن میں ہمیشہ

ہمدردی اور محبت انہی لوگوں کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے جو نسل میں بھی شریک ہوں ورنہ غیر نسل کے ساتھ وطنی اتحاد بُرے سے بُرا سلوک کرتا نظر آیا ہے۔ آریا قوم اپنے وطن سے نکلی اور مختلف ممالک میں آباد ہوئی۔ اسکا ایک نمونہ ہمارا ہندوستان بھی ہے۔ اسکو انھوں نے وطن بنایا تو اپنے ہموطنوں سے جو کبھی اس ملک کے مالک تھے جو بدسلوکی کی اسکی نظیر دنیا میں نہیں ملتی وہ آجتک ناپاک سمجھے جاتے ہیں۔ اور اپنے باقبال ہموطنوں کے ساتھ کسی طرح کا ارتباط قائم نہیں کر سکتے۔ پہلے کا ذکر ایک طرف اب جو حُبِ وطن کے نغمے سنائے جاتے ہیں اور ملک کو ترقی دینے کے لیئے جد و جہد ہو رہی ہے۔ اس وقت بھی اپنی سیاسی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیئے اور قوم کی تعداد بڑھانے کیلئے ہموطنوں کو ہم قوم کہا جاتا ہے مگر ملکی حقوق دینے اور اعزاز و احترام کا سلوک کرنیکے لیئے کسی طرح تیار نہیں ہوتے اور سوراج کے منصوبے گانٹھتے ہیں تو اس میں نہ اچھوت جاتیوں کو کوئی حصہ دینے کا ذکر کرتے ہیں نہ دیگر ہموطنوں کو جو انکی طرح باہر سے آکر آباد ہوئے ہیں کسیطرح اپنے برابر سمجھنے پر رضامند ہوتے ہیں یہاں والوں کو ہم تہذیب میں پست سمجھ کر معذور بھی کہہ سکتے ہیں مگر یورپ والوں کو دیکھو انکی ایک دو قومیں ابھی کل کی بات ہے کہ وطن کو چھوڑ کر امریکا میں آباد ہوئی ہیں تو ایک طرف تو وہ پکڑتے ہی انھوں نے اپنے قدیم وطن کی گرفت کو تلوار کے زور سے توڑا اور اُس سے کوئی ہمدردی باقی نہ رکھی دوسری طرف امریکا کو وطن بنایا تو وہاں کے قدیم باشندوں کو طرح طرح کے ستم ڈھاکر برباد کیا اور جن بیچارے حبشیوں کو پکڑ پکڑ کے ساتھ لیگئے ہیں اور جنکی شبانہ روزی محنت سے ملک کو رشکِ ارم بنایا ہے اُنپر جو جو ظلم ہوتے رہے ہیں اور جنکے تذکرے اب بھی کبھی کبھی سُننے میں آتے ہیں اُنکی یاد سے روح کانپتی ہے۔ وہ بیچارے ملک میں کوئی حقوق نہیں رکھتے۔ جانوروں سے بدتر سمجھے جاتے ہیں اور اُنپر غصہ آتا ہے تو بسا اوقات زندہ جلا دیئے جاتے ہیں تو کیونکر سمجھا جائے کہ وطن کے اتحاد سے قومی بنیاد پختہ ہوتی ہے

نسل کا اتحاد

البتہ نسل ایک چیز ہے اور ایک نسل کے افراد باہمدگر ہمدرد اور اپنی عظمت کو قائم رکھنے کیلئے ساعی ہو سکتے ہیں مگر اسکی عمر مختصر ہے۔ ہُن کی طرح اکثر قومیں دنیا میں بڑے بڑے

زلزلے ڈالکر ایسی تباہ ہوئیں کہ اُن کا نام لیوا بھی کوئی باقی نہیں۔ گاتھ کی طرح بہت سی قومیں کہا جاتا ہے کہ فلاں ملک میں موجود ہیں مگر دیگر اقوام میں ایسی مخلوط ہوگئی ہیں کہ نہ خود اسکے افراد ایک دوسرے کو پہچان سکتے ہیں نہ اور لوگ اُنکے کسی فرد کا نشان دے سکتے ہیں۔ مغلوں کیطرح کئی قومیں موجود بھی ہیں شناخت بھی کیجاتی ہیں مگر ایسی پراگندہ ہوئی ہیں کہ واحد مدعا کے لیئے مشترکہ سعی کرنے کے لائق نہیں رہیں۔ جو قومیں اسوقت موجود ہیں اور اپنی نسلی قوت سے برسر اقتدار ہیں اُنکے ہمیشہ قائم رہنے کی کیا ضمانت ہے۔ جو روز بد دنیا کی اور نسلیں دیکھتی چلی آئی ہیں دیر میں یا جلد انکی بھی اُسی طرح سے تواضع کی جائے گی۔

مذہب کا اتحاد باقی و پائندہ خدا کا نام ہے۔ جب تک اُسکی مخلوق باقی ہے اُسکے نام کی تحمید و تقدیس ہوتی رہے گی۔ دنیا کی تمام موجودہ نسلیں مادیات میں غرق ہوجائیں اور اُسکے نام کو بھول جائیں تو وہ اس کام کے لیئے اور مخلوق پیدا کر دے گا۔ اُسکا وعدہ ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (پ ۶ ع ۱۲)	اے ایمان والو اگر تم میں کوئی دین کو چھوڑ دے تو کچھ مضائقہ نہیں کبھی نہ کبھی خدا ایسے لوگ پیدا کردیگا جن سے خدا کو پیار ہوگا اور جنکو خدا سے پیار ہوگا خدا کو ماننے والوں کے سامنے وہ عاجز ہونگے منکرین پر غالب ہونگے خدا کے رستے میں جہاد کرینگے ملامت کرنیوالوں سے نہ ڈرینگے یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے دے اللہ وسیع قدرت اور علم کا مالک ہے

پس مبارک ہیں وہ لوگ جو قومیت کی بنیاد خدا کے نام پر رکھتے ہیں۔ وہ اپنے وطن کو چھوڑ دیں زبان کو بدل دیں، اُنکی اپنی نسل تباہ ہوجائے، کوئی انقلاب آئے، اُنکی قومیت تباہ نہیں ہوسکتی جو خدا کا نام لے گا جو اسکے رستے پر گامزن ہوگا اور جو اُسکے نام کی منادی کرے گا وہی اُنکا بھائی ہے وہی اُن کا عزیز ہے اور وہی اُنکا ہم قوم ہے۔ اُنکو مشرق و مغرب کے فاصلے پر رہتے ہوئے اور مختلف زبانیں بولتے ہوئے ایک دوسرے سے ہمدردی ہوگی اور سب ملکر اُس مدعا کے لیئے ساعی ہونگے

جو انکی قومیت کی بنیاد ہے۔ وہ اللّٰہُ اکبر کی صدا سنکر متحد ہو جائینگے اور اس رشتے میں منسلک ہوکر ایک دوسرے پر جان فدا کرینگے۔ مگر اُن لوگوں سے جو نسل کے لحاظ سے اُنکے بھائی ہیں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے میں شریک نہیں اُنکے تعلقات ناصحانہ ہونگے برادرانہ نہ ہونگے۔ مسلمان جب تک قومیت کو اس بنیاد پر منحصر رکھتے ہیں انھیں تباہ و برباد ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں اور وہ اپنی ہستی کے لیئے کسی ترکی و تاتاری، ایرانی و افغانی کے دست نگر نہیں ہیں۔ انھیں خدا کا نام چاہیئے جو ہمیشہ قائم رہیگا۔ نبی عربی (علیہ السلام) کی اطاعت چاہیئے جسنے انھیں اس نام سے روشناس کیا۔ یہ چیزیں نابود ہونے والی نہیں ہیں اور ایسی قوم کی ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہیں۔

مسلمانوں کا موجودہ میلان اندیشہ موجودہ مسلمان نسلوں کی نسبت ہے جن کو زمانے کی زہریلی ہوا نے متاثر کر دیا ہے۔ وہ ایک طرف قومیت کی بنیاد عرب، ایران اور ہند و افغانستان پر رکھنے لگی ہیں تو دوسری طرف مذہب اسلام کو دیکھنے کے لیئے نئی روشنی کا اہتمام کرتی ہیں اور اسکے لیئے فلسفۂ مذہب، تاریخ مذاہب، تاریخ انقلاب، علم انساب اور نہ معلوم کیا اور کیا نام لیکر سادہ مسلمانوں کو مرعوب کرتی ہیں اور ان سب کو معیار گردان کر فیصلہ کرنا چاہتی ہیں کہ مذہب نام ہے محض خدا اور بندے کے روحانی تعلق کا اور یہ تعلق ہر شخص کی اپنی طبیعت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے پس نہ مذہب کے لیئے کسی ایک اصول کی ضرورت ہے نہ کسی قسم کی فروعی پابندیوں کی۔ ایک جانور یا درخت کو خدا سمجھ لیا ہے اور کسی شکل سے اسکے ساتھ لو لگالی ہے تو یہی سہی۔ نادیدہ خدا کو مانا ہے اور کسی طرح کا تعلق اُسکے ساتھ قائم کر لیا ہے تو یہی سہی۔ کسی قوم کا کوئی قومی معبود قرار پا گیا ہے اور تمام قوم نے اسکے لیئے خاص خاص مراسم کی پابندی کر لی ہے تو یہی سہی۔ ایسی قوم کا کوئی فرد قومی خیال سے علیحدہ ہو کر دل کو کسی اور طرف لگا بیٹھا ہے تو یہی سہی۔ مطلب یہ کہ ایسی دُھن اور ایسے اعمال جو دنیوی ضروریات کے سرانجام میں کار آمد نہوں انسان ضروری سمجھ کر اختیار کر لے تو خواہ وہ لغو اور بیہودہ ہوں خواہ کوئی نہ کوئی اثر رکھتے ہوں اُنھیں مذہب کہتے ہیں اور وہ ہر شخص کا اپنا کام ہے دوسرے کو اسکی تردید کرنی اور

بت خیال کی ترغیب دینے سے سروکار نہ ہونا چاہیئے۔ اِس اصول کو مان کر وہ نظرِ عنایت مذہب
اسلام کی طرف مبذول کرتے ہیں تو انھیں مسلمانوں کو نماز کی ترغیب دینا بھی ناگوار ہوتا ہے
وہ نماز کی پابندی اسکی خاص شکل اور اسکے اندر چھوٹی چھوٹی جزئیات کے اہتمام کو ناگوار قید
سمجھتے ہیں تو اسلام کے دیگر قوانین اور مخصوص مراسم کی اُنکی نظر میں کیا وقعت ہوسکتی ہے
وہ اپنی انسانی آزادی کا تمام زور اسی پر صرف کرتے ہیں کہ مذہب کے نام سے جس کام کو اپنا دل
چاہے وہ کرینگے اور کچھ نہ چاہیں گے تو کچھ نہ کرینگے۔ اُخروی نجات اور فوز و فلاح وغیرہ کا دردِ سر مول
نہیں لیتے۔ ایسا مذہب مان کر وہ اپنے تئیں ایک مکمل انسان سمجھتے ہیں۔

سخن ناشناسی یہ سب خیالات عالمانہ اور سائنٹفک اصول پر پورے اُترتے ہوں
یا نہ ہوں یا ان میں سے بعض صحیح ہوں اور بعض غلط۔ اسمیں سردست کلام کرنے کی ضرورت نہیں
یہ فیصلہ یقینی ہے کہ یہ سب روشن خیال بزرگوار اسلام کو نہیں سمجھے۔ وہ اسلام کو محض مذہب سمجھتے
ہیں اور مذہب کے لیئے جو اصول قرار دے چکے ہیں۔ اُسی کے مطابق اُسے پرکھنا چاہتے ہیں حالانکہ
اسلام محض مذہب نہیں ہے۔ بلکہ وہ مذہب بھی ہے اور ایک سوسائٹی بنانے والا نظام بھی ہے جسکا
تعلق خدا سے بھی ہے۔ اپنے ہم خیالوں سے بھی ہے۔ بنی نوع سے بھی ہے اور عام مخلوقات سے
بھی ہے۔ وہ اپنے فیشن کے مطابق سب سے برتاؤ کرنیکے قاعدے وضع کرتا ہے اور تمام اشیائے
گرد و پیش سے کام لینے کے اصول قائم کرتا ہے۔ اُسکے مذہبی عنصر کو پرکھنے کے لیئے جو اصول قرار
دینا چاہیئے اُسکی بحث الگ ہے[1] اسکے دوسرے عنصر کے لیئے محض مذہبی اصول کو دیکھو گے تو غلط
ہوگا۔ اِسکے لیئے سوسائٹی کا قانون دیکھو۔ جو کئی طرح کے اندرونی اور بیرونی مراسم کی پابند ہوتی ہے
جن کے بغیر نہ باہمدگر تمیز ہوسکتی ہے نہ آدمی سوسائٹی میں داخل رہ سکتا ہے۔ سپاہی فن جنگ سے
ماہر ہو تو ہر شکل میں دشمن کا مقابلہ کرسکتا ہے مگر نہیں۔ چلنے پھرنے۔ سونے جاگنے اور کھانے
پینے میں ہر وقت اسکو خاص قاعدوں کا پابند رہنا پڑتا ہے۔ خاص لباس اور وضع کو اختیار کرنا پڑتا ہے

[1] میں اپنی استطاعت کے مطابق اسپر کتاب برج دانش میں بحث کر چکا ہوں۔

فری میسن سب سے انوکھی اور سب سے مخفی سوسائٹی ہے۔ اسکے ارکان کو بھی کئی طرح کے قاعدوں کی بجا
آوری کرنی پڑتی ہے جس سے وہ ایک دوسرے کو شناخت کرتے ہیں اور جسکے بغیر سوسائٹی میں
داخل نہیں رہ سکتے۔ ہر ایک کلب کا ایک فیشن ہے۔ ہر ایک ٹیم کی ایک وضع ہے، ہر ایک کالج،
ہر ایک یونیورسٹی، ہر ایک ہائیکورٹ اور ہر ایک کونسل کے لیئے ایک علامت ہے۔ اور ایسی وضع اور
ایسی علامتوں کو قائم رکھنے پر یہانتک زور دیا جاتا ہے کہ بعض تقریبی محفلوں میں جبتک نکٹائی
نہ لگی ہو کوئی ممبر داخل نہیں ہو سکتا۔ تو ایسی بڑی سوسائٹی کے لیئے جو مشرق سے مغرب تک پھیلی
ہوئی ہے اور جسکو اپنے ہمخیالوں سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔ ہمجنسوں کے بڑے بڑے
معاملوں کو بھگتنا ہے۔ ہر ملک میں لاکھوں کے لیئے مختلف قسم کی امداد کا اہتمام کرنا ہے۔ کروڑوں
کو امداد کے لیئے آمادہ کرنا ہے۔ ملکوں کا انتظام کرنا ہے۔ میدانوں کو فتح کرنا ہے اور اپنے جمہوری
نظام کے سب فرائض کا بار اپنے ہر فرد پر عائد کرنا ہے کیا اسکو ضرورت نہیں کہ خویش و بیگانہ کو تمیز
کرنیکے لیئے قاعدے وضع کرے اور متحد ہونیکے لیئے کوئی قانون بنائے۔ اسکو ہر وقت ہوشیار رہنے
کی ضرورت ہے۔ ہر کس و ناکس سے آگاہ رہنے کی ضرورت ہے۔ اُسکا تمام نظام اسی اصول پر بنایا گیا
ہے کہ بھرے مجمع میں انکا ایک فرد ہو تو ممتاز نظر آئے۔ کھلے میدان میں دور سے نظر آئے تو پہچانا جائے
شکل سب سے الگ ہو۔ وضع سب سے جدا ہو۔ اطوار سب سے علیحدہ ہوں۔ بات کا سچا ہو۔ قول کا پکا ہو
پناہ میں لے تو جان لڑا دے۔ مدد کرے تو مال لٹا دے۔ کسی سے عداوت ہو جب بھی لوگ یقین رکھیں کہ
مسلمان ہے بے انصافی نہ کرے گا۔ بھائی سے رنجش ہو تو تین دن کے بعد یقین ہو کہ دل صاف ہو گیا ہوگا
کسی سے مقابلہ ہو تو قدم پیچھے نہ ہٹے۔ مارا جائے تو زخم سینے پر کھائے۔ کام کو شروع بسم اللہ سے کرے
اور ختم الحمد للہ پر۔ اذان کی آواز آئے تو اس جماعت کے تمام گھر تمام دکانیں اور کھیت خالی اور مسجدیں معمور
ہو جائیں۔ عبادت کریں تو سب کا رخ ایک طرف ہو۔ سب کی زبان پر ایک کلام ہو۔ سب کے دلمیں ایک
تمنا ہو۔ خدا کی تحمید کریں تو یک زبان ہو کر اور دعا کریں تو یک دل ہو کر، قرآن خوانی کا وقت آئے تو
ایک تلاوت کرے اور سب خاموش ہو کر سنیں۔ کھڑے ہو کر، جھک کر، لیٹ کر، اور بیٹھ کر خدا کی طرف توجہ

کریں۔ جس حالت میں اور جس قدر حضور قلب میسر آئے گا اسی قدر عبادت کا فریضہ ادا ہو جائیگا کوئی برگشتہ بخت کسی وقت بھی خدا کی طرف دل نہ لگائے تو عبادت کے فیض سے محروم رہے گا سوسائٹی کی برکات سے بے بہرہ ہو گا۔ اسکے علاوہ تنہائی میں کسی طرح کی عبادت کرنی چاہے تو رکاوٹ نہیں علیحدہ ہو کر دین ودنیا کی کوئی خواہش پوری کرے تو مزاحمت نہیں۔ پس مذہبی جذبے کا کونسا فرض ہے جو اس طریق پر کاربند ہو کر ادا نہیں ہوتا۔ اور سوسائٹی کی کونسی ضرورت ہے جو اس روش پر چلکر پوری نہیں ہوتی۔ ہم نے یہ سب کچھ چھوڑ دیا ہے۔ برکات سے محروم ہو گئے ہیں۔ پرانے لوگوں میں کچھ ظاہرداری رہ گئی تھی باقی باتوں پر افسوس تھا ممکن تھا کبھی افسوس کارگر ہوتا اور پوری تعمیل ہونے لگتی۔ مگر قدرت کو ابھی ہماری اصلاح منظور نہیں۔ نئی پود نے افسوس کو بھی اڑا دیا۔ مسجدوں کے خالی رہنے سے ندامت ہوتی تھی اب کہتے ہیں اسکی ضرورت ہی نہیں۔ صبح شام یا جب جی چاہے اپنے کسی محبوب سے لو لگا لیں عبادت ہو جائے گی۔ نہ سب کے جمع ہونے کی ضرورت ہی نہ ایک طرف توجہ کرنے کی۔ نہ ہم زبان ہونے کی ضرورت ہے نہ ہم آہنگ ہونے کی۔ جس قدر ہو سکتا ہے شیرازے کو پراگندہ کریں اور مذہب کے نام سے کوئی قید وبند باقی نہ چھوڑیں۔ یہ ہماری اصلاح ہے اور یہ ہمارے روشن خیالوں کا اسلام ہے۔ وہ اسلام کو مذہب اور مذہب کو ایک سادھوؤں کا پنتھ بنانا چاہتے ہیں کہ ایک سنگت کے سیوک کہلاکر کبھی کسی کے من میں لہر آئے تو کسی جگہ بیٹھ کر کسی طرف کسی طرح سے دھیان لگا لے۔ نہیں تو جہاں سینگ سمائیں چرتا چگتا پھرے۔

تبلیغ کا غدر کہتے ہیں متمدن قومیں اسلامی اصول کو پورے طور پر سمجھ نہیں سکتیں۔ ہماری تمام روش پر کاربند ہو نہیں سکتیں۔ انکو شامل کرنیکے لیے سہولتوں کی ضرورت ہے۔ مگر یہاں بھی خود مذہب کی حقیقت سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ مذہب دل کی پیداوار ہے نہ دماغ کی اور اسکی بنیاد محبت پر ہے نہ عقل پر۔ خدا کو اور دیوتاؤں کو کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ اُخروی تاریخ کو کوئی خیال میں لا نہیں سکتا جن افراد کے دل میں مذہب کی لہر اٹھتی ہے ان میں غیر معمولی اوصاف حمیدہ اور اخلاق فاضلہ ہوتے ہیں جو دیکھنے سننے والوں کے دل کو پکڑتے ہیں اور وہ باوجود عقل وادراک کی مخالفت کے کھنچے چلے

آسکتے ہیں۔ محبت کے دام میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو محبوب کی ہر ادا کو پسند کرنے لگتے ہیں۔ متمدن اور مہذب قومیں آج ہی پیدا نہیں ہوئیں۔ اپنے اپنے زمانے میں ہمیشہ تہذیب و تمدن نے آن بان دکھائی ہے اور اکڑنا چاہا ہے مگر محبت کی زنجیر میں جکڑے گئے ہیں تو جو ناچ نچایا ہے ناچتے رہے ہیں۔ یہ جادو چل جاتا ہے تو جان و مال اور اولاد کو بھی قربان کر دیتا ہے۔ زیست کی روش کو بدل دینا کیا بڑی بات ہو۔ آج بھی مہذب اقوام کی کچھ خوبیاں ہیں جو ہمیں مسحور کرتی ہیں ہم انھیں حاصل نہیں کرسکتے تو انکی ظاہری روش کے پابند ہو کر انکے برابر ہونا چاہتے ہیں ہمارے قدامت پرستوں میں یہ نقص ہے کہ اپنی خوبیاں کھو بیٹھے ہیں۔ اپنی روش کی طرف بلاتے ہیں کوئی آتا نہیں۔ ہمارے جدت پسندوں میں یہ عیب ہے کہ دل کو اغیار کی روش پر قربان کر چکے ہیں۔ خود کوئے یار میں پہنچنا چاہتے ہیں اور بہانہ کرتے ہیں کہ انھیں بلانے کیلئے رستہ بناتے ہیں۔

تباہی کے عنوان | آہ۔ ہمارے برادرانِ عزیز کی حالت کیسی قابلِ رحم ہے۔ ہم کو اپنی طرف بلاتے ہیں مگر خود شاہ راہ کو چھوڑ کر ایسے مرغزار میں در آنا چاہتے ہیں جہاں ان میں سے کوئی دو شخص بھی برابر برابر رستہ چل نہیں سکتے اور سب جدا جدا اپگڈنڈیاں اختیار کرتے ہیں۔ کسی کو نماز میں ایک طرف توجہ کرنے کی مصلحت سے انکار ہے۔ کسی کو نمازیوں کے ساتھ شریک ہونے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کوئی پابندیٔ وقت کا قائل نہیں اور کوئی اظہارِ تمنا میں متحد ہونے کی حاجت نہیں رکھتا۔ جب سوسائٹی کے سب سے بڑے کمر بند کو کھول دیا گیا تو اور کونسی پابندی ہے جس میں متحد ہو کر ایک دوسرے کی ہمدردی حاصل کرینگے۔ سب کی ضرورتیں الگ الگ ہونگی اور سب اپنی ضرورتوں کے سرانجام میں دوسروں سے بیفکر ہونگے۔ ان میں کچھ اتحاد ہوگا تو ہندی اور افغانی یا ترکی اور ایرانی ہونے کا۔ یہ اتحاد ذاتی ضرورتوں پر ملکی ضرورتوں کا اضافہ کرے گا۔ اسمیں مصروف ہونگے اور زمانے کے مطابق چلیں گے تو خواہ اپنی قومیتوں کو آفتاب ماہتاب بنا کر آسمان تک پہنچا دیں پھر بھی کمزور رہینگے۔ اور ایک نہ ایک دن فنا ہو جائیں گے اور ایک کے فنا ہونے پر دوسرے کو افسوس نہ ہوگا بلکہ بہت ممکن ہے کہ ایک دوسرے کے ہاتھ سے فنا ہوں۔ مذہب کو بنیاد قرار دینا

اور مذہبی امتیازوں کو قائم رکھیں تو وہ سب تن واحد کے اعضا ہونگے اور ایک کے درد سے سب بیقرار ہو کر تدارک کرنے پر مجبور ہونگے۔ دنیا میں ہمیشہ قائم رہنے اور بقائے دوام حاصل کرنے کی یہی ایک صورت ہے۔ اسکے سوا اور کوئی نہیں۔

علامت سوئم۔ اقتدار حاصل کرنیکا طریق | قومیت کی ایسی پختہ بنیاد جس طرح مسلمانوں کو انحطاط سے نکالنے کا باعث ہو سکتی ہے۔ اسی طرح انکو قومی اقتدار حاصل کرنے کا جو طریق سکھایا گیا ہے اُن تمام طریقوں سے بہتر ہے جو مختلف اقوام استعمال کرتی ہیں یا کرتی رہی ہیں اور نیز اُنکے گذشتہ اقتدار کی روایات کو محفوظ رکھنے کا ایسا اہتمام ہوا ہے کہ تا بقائے عالم اُن کے فراموش ہونیکا اندیشہ نہیں۔

قوت کا ذریعہ | قدیم زمانے سے اقتدار حاصل کرنے کا ایک ہی طریق چلا آیا ہے کہ جو قوم طاقت اور تعداد میں زیادہ ہوتی تھی وہ بغیر کسی وجہ اور بغیر کسی عذر اور بہانے کے اُن اقوام پر جو طاقت اور تعداد میں کمتر ہوں حملہ آور ہوتی تھی اور اپنی برتری کی وجہ سے کامیاب ہو جاتی تھی۔ اگر فریق ثانی آسانی سے مغلوب ہو جاتا تھا تو غلاموں کی بلکہ جانوروں کی زندگی بسر کرتا تھا۔ اگر کچھ شدت دکھاتا تھا تو حملہ آور غضب میں آکر اُنکے زن و بچہ کو قتل کر دیتے تھے۔ شہروں کو آگ لگا دیتے تھے۔ اور آبادی کو ویرانہ بنا کر اور زر و مال سمیٹ کر آگے بڑھتے تھے۔ جو لوگ خوف زدہ ہو کر اطاعت اختیار کرتے تھے وہ اُنکی جماعت میں شامل ہو کر تعداد کو بڑھاتے تھے حوصلے بلند کر دیتے تھے تو فاتحین برابر دوسروں سے بھی جا ٹکراتے تھے اور طاقت کو بڑھاتے ہوئے بڑے بڑے ملکوں کو زیر کرتے چلے جاتے تھے جب تک طاقت قائم رہتی تھی ظلم و انصاف میں تمیز کرنے کے بغیر جس طرح چاہتے تھے حکومت کرتے تھے۔ کمزور ہو جاتے تھے تو کسی اور قوم کے ہاتھ سے خود وہی روز بد دیکھتے تھے۔ یہی دستور ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ اب تک بھی قوی کا سلوک ضعیف سے کچھ اچھا نہیں۔

قانونی طریقہ | مگر ہاں مہذب ملکوں میں قاعدے اور قانون زیادہ بننے لگے ہیں تو کینہ و انتقام کے طریقے بھی مدوّن ہو گئے ہیں۔ اور قوی کمزور کو دبانا چاہتا ہے تو کوئی نہ کوئی بہانہ پیدا کر لیتا ہے۔

جسکی بنیاد ہوتی سینہ زوری پر ہے مگر بظاہر صلح کا ڈھنگ ڈالکر ایسے حقوق حاصل کر لیئے جاتے ہیں جن کو کمزور پورا نہ کر سکے اور جب موقع آتا ہے اور خود ساختہ حقوق کے سوال میں پیچیدگی پیدا ہوتی ہے تو اپنے بنائے ہوئے بین الاقوامی قوانین سے مدد لی جاتی ہے اور انکی سند پر فوجکشی کی ضرورت ثابت کی جاتی ہے اور بظاہر مجبور ہو کر افواج کو نقل و حرکت کا حکم دیا جاتا ہے۔

امداد کا طریقہ | بعض اوقات کمزور ممالک میں ایسے فتنے اور فساد پیدا ہو جاتے ہیں جنسے اہل ملک برباد ہونے لگتے ہیں۔ فساد کا اثر ہمسایہ ممالک تک پہنچتا ہے اور کمزور حکومت کے بنائے کچھ نہیں بنتی تو جو حکومتیں مہذب اور طاقتور ہوتی ہیں دخل دیتی ہیں اور جنگ سے یا معاہدے سے انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہیں۔ اگرچہ یہ بھی قوت کا ضعف پر حملہ ہوتا ہے جسکا تدارک نہیں ہو سکتا اور بڑے بڑے وعدہائے آزادی کے باوجود کبھی تجربہ نہیں ہوا کہ انتظام کرنے والوں نے اہل ملک کو تہذیب اور قابلیت کے کسی درجے تک پہنچایا اور آزاد کر دیا ہو۔ مگر انصاف یہی ہے کہ اکثر ایسے موقعوں پر زبردست کا غالب آنا مظلوم آبادی کے لیئے سر دست ابر رحمت ہوتا ہے قتل و غارت کی جگہ امن و آسائش اور بے لگامیوں کی جگہ آئین اور ضابطہ کا دور چلنے لگتا ہے۔ آیندہ کے لیئے اور قسم کی قباحتیں پیدا ہو جائیں اور حکمران اپنی منفعت کو اہل ملک کی مصلحت پر ترجیح دینے لگیں تو اور بات ہے۔ پہلے پہلے مہذب حکومت اور قانون کی پابندی سے اہل ملک آسائش ضرور پاتے ہیں اور اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے کی قابلیت حاصل کر لیتے ہیں۔ مہذب حکومتوں کی ان برکات سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور دنیا میں جہاں جہاں مہذب حکمران کمزوروں پر غالب آگئے ہیں وہاں کے لوگ اپنی آزادی کے لیئے جس قدر آئینی جدوجہد یا بے آئین کوششیں کرتے نظر آرہے ہیں اُنکے طریقے انہی مہذب حکومتوں نے سکھائے ہیں اور انہی کے دیئے ہوئے ہتھیار ہیں جو وہ انکے خلاف استعمال کرنے لگے ہیں ورنہ انکے مقابلے میں انہیں ممالک کے اندر ایسے خطے بھی موجود ہیں جہاں مہذب حکومت نہیں ہے تو وہاں کی آبادی قومی حقوق کے نام سے بھی آشنا نہیں اور کوشش ایک طرف کسی کو آزادی کا لفظ بھی زبان پر لانے کا یارا نہیں بلکہ باشندے ایسے کمینہ ہو جاتے ہیں کہ جبر اٹھاتے ہیں اور خوشامد کے طور پر حکام کی تعریف

کرتے ہیں۔ تہذیب یا بے تہذیبی کے اس نمایاں تفاوت سے کون انکار کرسکتا ہے۔

قوی اور ضعیف کا باہمی تعلق

مگر تہذیب کی ترقی نے قوی اور ضعیف کے باہمی تعلقات میں جو اصلاح کی ہے وہ اسیقدر ہے کہ کمزور کی آنکھیں کھولدی ہیں۔ وہ اپنی کمزوری اور بے بسی اور حکمرانوں کی خوشحالی اور فارغ البالی کا تفاوت سمجھنے لگا ہے۔ اور پہلے قید خانوں کے دروازے بند ہوتے تھے تو قیدیوں کو باہر کے مناظر کا علم نہ ہوتا تھا اور اپنی حالت پر قانع رہتے تھے مالک آہستہ آہستہ ذبح کرتے رہتے تھے۔ کھاتے رہتے تھے کبھی غافل ہوجاتے تھے تو قیدی پرندے خود ایک دوسرے کے پر نوچنے لگتے تھے۔ اب قید خانے پہلے سے زیادہ محفوظ ہیں۔ ذبح کسی کو کرتے نہیں نشتر لگا کر خون نکال لیتے ہیں۔ آپس میں چونچیں لڑنے نہیں دیتے۔ دروازوں میں ٹھوس کواڑوں کی بجائے سیخیں لگا دیتے ہیں۔ پرندے اندر بیٹھے ہوئے باہر کی سیر کرتے ہیں اور آزادی کی فضا میں اڑنے والوں کی کلیلیں دیکھکر للچاتے ہیں پھڑپھڑاتے ہیں اور نکل نہیں سکتے تو اپنے سر دیواروں سے دے دے مارتے ہیں عیش و راحت کا سامان باہر سے اندر لاتے رہتے ہیں۔ ضروریات زیست اندر سے باہر لے جاتے رہتے ہیں۔ قیدی آدھا پیٹ کھاتے ہیں آرام طلبی کے خوگیر ہوجاتے ہیں خود کوئی چیز مہیا نہیں کرسکتے۔ چہچہے چلانے کی اجازت عام ہے مگر نہ قید خانے کا انتظام انکے ہاتھ میں دیا جاتا ہے کہ اسی دھندے میں لگے رہیں اور خوش ہوجائیں۔ نہ ایسے بال و پر پیدا ہونے دیتے ہیں کہ باہر نکلکر آزاد فضا میں زندگی بسر کرسکیں۔ وہ قید کی حالت میں اداس رہتے ہیں نکلنے کے لیئے زور لگاتے ہیں تو گردنیں مروڑ دی جاتی ہیں۔ بمنت کرتے ہیں تو انکی کمزوری کا عذر کیا جاتا ہے اور باہر منڈلانے والے عقابوں اور شاہینوں سے ڈرایا جاتا ہے۔

باشندگان ملک کا استحقاق

اب ہمارے زمانے میں قومی اقتدار پیدا کرنے کی ایک اور تدبیر ایجاد ہوئی ہے اور امریکا کے پریسیڈنٹ ولسن نے ۱۹۱۸ء میں امن قائم کرنے کی جو شکلیں پیش کی ہیں اُن میں ایک اصول یہ بھی ہے کہ ہر ملک پر وہاں رہنے والی قوم حکمران ہو۔ سب آزاد ہوں کوئی کسی پر جبر نہ کرنے پائے۔ بین الاقوامی پیچیدگیوں کو جمعیۃ الاقوام سلجھاتی رہے۔ یہ اصول نہایت

خوشنما ہی اور یوگوسلافی قوم اسی اصول کی تعمیل میں آزاد ہوئی ہے اور کہتے ہیں کہ روس میں بخارا وغیرہ بعض ریاستیں اسی قاعدے کے موافق آزادی کا لطف اٹھانے لگی ہیں۔ دور کی باتیں ہیں گوشہ نشینوں کو یقین نہیں آسکتا کہ حقیقت کیا ہے۔ کچھ بھی ہو تمام دنیا کے مالک یوگوسلوواکیا نہیں بن سکتے۔ وہ مہذب اور طاقتور لوگ ہیں یوں نہیں تو اور کسی طرح ایک نہ ایک دن آزاد ہوجاتے مصیبت یہ ہے کہ دنیا کے پردے پر کمزور قومیں بھی موجود ہیں۔ ان میں سے بعض بعض کو جو پہلے ایک سلسلے میں منسلک تھیں اور کسیقدر طاقت رکھتی تھیں جدا جدا کرنیکے لیئے اسی اصول کا حوالہ دیکر قومی آزادی کی امید دلائی گئی ہے۔ وہ سب اتفاق سے ہیں مسلمان۔ مگر قومیت کی بنیاد اسلام کی بجائے نسل پر رکھنے کی آندھی چلکر آجکل زور سے چل رہی ہے اسلیئے رسیئے اپنے پرانے رشتے توڑکر اس ہوا میں اڑنے کا ٹھان لی مگر جدا جدا ہوکر کمزور اور بھی زیادہ ہوگئے تھے اپنے تئیں سنبھال نہ سکے کیونکر۔ یہی ہوا کہ بعض زبردستوں نے کمزوری کا علاج کرنیکے لیئے انکو اپنی حمایت اور حکمبرداری میں لے لیا ہے اور اب واقع میں وہ کمزور بھی ایسے ہوگئے ہیں کہ آزاد کردیا جاتا تو اپنی ہستی کو قائم نہ رکھ سکتے۔ ایک پنجرے سے نکل بھی جاتے تو دوسرا شکاری پکڑ لیتا۔ دنیا کی تمام قومیں خود مختار اور آزاد ہوکر قومی اقتدار کو اسی صورت میں قائم رکھ سکتی ہیں کہ سب تہذیب تمدن اور قوت و تمکنت میں باہم برابر ہوں۔ ایسا زمانہ آجتک نہیں آیا اور آیندہ بھی کوئی عنوان نظر نہیں آتے تو جبتک جہان میں قوت و ضعف کا تفاوت ہی کمزور ضرور کسی زبردست کی حمایت میں رہ کر زندگی بسر کریگا اور زبردست کو یہ اختیار حاصل رہیگا کہ وہ اپنی غرض کو کمزور کی مصلحت پر مقدم سمجھکر اس کا خون چوستا رہے یا اپنی برتری کا شکر ادا کرے تو کمزور کو تربیت دیکر خوشحال کردے۔

اسلامی حکومتوں کا اقتدار

فی زمانہ مسلمان تمام دنیا میں اسی قسم کی قیدوں اور حکمبرداریوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ جو آزاد و خود مختار کہلاتے ہیں ان کا اقتدار بھی انکی اندرونی قوت کا زیادہ رہین منت نہیں بلکہ اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ زبردست قومیں جو انپر غالب آسکتی ہیں باہمی دیرینہ رقابتیں رکھتی ہیں اور ایک کو کامیابی کا موقع ملے تو دوسرے رشک و حسد سے اسکے رستے میں

رکاوٹیں ڈالنے لگتے ہیں۔ اِس رشک و حسد کی آگ میں کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے مگر بہت دیرینہ عادت ہی دور نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم نے اسکی جو خبر دی ہے تجربے سے بالکل صحیح ثابت ہوئی ہے ارشاد ہے:۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (مائدہ ع ۳)	جو لوگ اپنے تئیں نصاریٰ کہتے ہیں ہم نے ان سے ایک عہد لیا تھا جسکا کچھ حصہ انھوں نے فراموش کر دیا تو ہم نے ان میں آپس میں اندر عداوت اور بغض پیدا کر دیا جو قیامت تک رہیگا۔

اس عداوت کے علاوہ انکی چیرہ دستی میں رکاوٹ اِس وجہ سے بھی پیدا ہو گئی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دنیا کے بڑے بڑے حصوں پر غالب آگیا ہے اور جو جو قومیں انکے ماتحت ہیں دنیا کی ہوا سے متاثر ہو کر آزادی کی خواہش کرنے لگی ہیں اور حکام ہمہ تن انکو دبانے کی مصروفیتوں میں منہمک رہیں اور خیال کو اور طرف دوڑانے کا موقع نہیں پاتے۔ تیسرے جنگ عظمیٰ کے بعد جو بعض بعض شریفانہ معاہدے کر بیٹھے ہیں انکی شرم بھی دامنگیر ہے اور پہلے کی طرح ممالک غیر میں ڈپلومیٹک چالوں کا جال دلیری سے نہیں بچھا سکتے۔ اِس وجہ سے بعض مسلمان حکومتیں امن کا سانس لے رہی ہیں۔ ورنہ بحالت مجموعی زمانہ سرتاسر مسلمانوں کے خلاف ہے۔

اسلامیوں کی موجودہ روش ایسے حالات سے نکلنے اور عزت و اقتدار حاصل کرنے کیلئے مسلمان جس عجیب طریقے کے بانی ہوئے یا بالفاظ دیگر جو طریقہ انکو حق تعالیٰ نے اپنا خاص الخاص پیغام بھیجکر سب سے برگزیدہ بندے (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی وساطت سے سکھایا تھا اُس سے اُنھوں نے کام لیا۔ اُسکے نیک ثمرات حاصل کیئے۔ اُسکی خوبیاں دنیا کو دکھائیں مگر پھر خود ہی بہت جلد بھول گئے۔ اگرچہ اُسکا اثر بہت دیر تک بلکہ اُنکی ہزار سالہ عمر میں ہمیشہ باقی رہا۔ اور مسلمان بادشاہوں کے ہر خاندان میں اور ہر ملک کے اندر متعدد فرمانروا کم و بیش اسلامی اصول کی پیروی کرنے والے پیدا ہوتے رہے اور دنیا میں اپنی تہذیب کی نیک یادگاریں چھوڑتے گئے مگر بالعموم اسلامی روش سے بیگانگی بڑھتی گئی۔ اور اسی رستے پر جو دنیاداروں نے ایجاد کیا تھا چلنے لگے یعنی

قوت پاکر محض قوت کے بھروسے پر زور دکھانے لگے اگرچہ اس عظمت و شوکت نے جو خدائی اصول پر کاربند ہونے سے چند سال کے اندر پیدا ہوگئی تھی دیر تک ساتھ دیا اور خمار میں گرفتار ہونیکے بعد مے دوشینہ کا سرور قرنہائے دراز تک باقی رہا مگر بالآخر دنیا والوں کے رستے پر چلنے کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اور خدا کو چھوڑ کر جس قوت پر بھروسہ کیا تھا وہ تقسیم ہوتی ہوئی نابود ہوگئی۔ مسلمان اس طرف سے مایوس ہوکر اپنی خاص روش کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور جو طریقے تازہ ایجاد ہیں انکی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ اگرچہ چلنا ان روشوں پر بھی دشوار ہے مگر چونکہ وہ پیش نظر ہیں اور دوسروں کو کامیاب کر رہی ہیں انکو بھی انہی پر کاربند ہونے کی ہوس ہے قوت کا ذریعہ جو پہلے استعمال ہوا کرتا تھا اب ٹکسال باہر ہوگیا ہے اور مسلمان قوت رکھتے بھی نہیں اس سے مایوس ہوکر دیکھا جاتا ہے تو دوسرا طریقہ جسکا ذکر "قانونی طریقہ" کے نام سے گزر چکا ہے سامنے آتا ہے۔ وہ اس زمانے میں ایک فن بن گیا ہے جو صدیوں کے تجربے سے مرتب ہوا ہے اور سالہا سال تک صبر و استقلال سے کام کیا جاتا ہے تو نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ دوستی گانٹھی جاتی ہے ہمدردی دکھائی جاتی ہے مدد کیجاتی ہے۔ رعایتیں حاصل کی جاتی ہیں جن کو بعد میں استحقاق فرض کرلیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے عرصوں تک یہ مشین چلتی رہتی ہے۔ کئی طرح کے الجھاؤ اور پیچیدگیاں پیدا کرتی ہے اور دوستی کے درخت میں عداوت کا پھل لگتا ہے تو جنگ و پیکار کے بعد ملک گیری کی ہوس پوری ہوتی ہے۔ موجودہ مسلمانوں میں نہ ایسی ہمدردی دکھانے کا سامان، نہ ایسا ضبط اور حوصلہ، نہ موقع پر ظاہر کرنیکے لائق ایسی قوت اور سینہ زوری، وہ فریبی اور چالباز بنیں بھی تو کچھ نہیں کما سکتے۔

مقاومت مجہول | کمزوروں کو آزادی دینے کے لیئے ایک بظاہر بے ضرر طریق ایجاد ہوا ہے جسکو آئینی جدوجہد کہتے ہیں اور مسلمان بھی آجکل کو دپڑے ہیں۔ اسکی ایک شاخ میں مظلوم بننے کا پیوند لگایا گیا ہے جسکو پیسو رزسٹنس کہتے ہیں یا مقاومت مجہول۔ اس درخت کو بھی آئرلینڈ میں ہی سرسبز ہوتے دیکھا گیا ہے جہاں اُنکے سب سے بڑے لیڈر کو قید کیا گیا، اُسنے خوراک چھوڑ کر صبر سے جان

دی تو ملکی حالت کو دیکھ کر گورنمنٹ کو یقین ہوگیا کہ ایسا حوصلہ صرف مرنے والے ہی میں نہ تھا تمام آبادی
اِس جوش و حوصلہ سے معمور ہے۔ ایک کی جگہ بیس اور بیس کی جگہ سو ایسا ہی حوصلہ دکھائیں گے۔
اور ملک میں آگ لگا دینگے اور پھر ان میں قوت اور زور بھی ایسا ہی موجود ہے کہ ایک سرے سے دوسرے
سرے تک ہر جگہ سپاہی نظر آئینگے۔ مریں گے تو ماریں گے بھی اور تباہ ہو جائینگے مگر کوئی ملک
سے غداری نہ کرے گا۔ ایسے لوگوں کے آگے جھکنے اور انکو رضامند کرنیکے سوا چارہ نہیں۔ اب ہمارے
ہندوستان کو دیکھو یہاں برادرانِ وطن کے اندر ایسے جوانمرد پیدا ہو گئے ہیں اور خودکشی کا ایک
بہادرانہ واقعہ بھی ۱۹۲۹ء میں پیش آچکا ہے مگر گورنمنٹ کو کچھ زیادہ پروا نہیں ہوئی اس لیئے
کہ اُسے ملکی حالت کا علم ہے۔ آبادی کا بہت بڑا بھاری حصہ ان خیالات سے بالکل بیگانہ ہے
تعلیم یافتہ طبقے میں بہت بڑی تعداد گورنمنٹ کی معاون ہے۔ جو گورنمنٹ کے خلاف ہیں اُن میں سے
اکثر اپنے تئیں خطرے میں ڈالنے کے لیئے آمادہ نہیں ہیں۔ یہاں ان حالات سے ایسا جوش پیدا
نہیں ہوسکتا جو ملک میں آگ لگا دے اور گورنمنٹ کو خطرے میں ڈالے۔ پس حقیقت میں آئینی جدوجہد
اور مقاومت مجہول کے اندر قوت کا قوت ہی سے مقابلہ ہوتا ہے بلکہ ایک طرف صرف مادی قوت
ہوتی ہے اور دوسری طرف ایثار اور حوصلہ کی اخلاقی اور مادی دو دو قوتیں قوم کے ہر ہر فرد میں
پیدا ہو جاتی ہیں تو کامیابی کا رستہ کھلتا ہے۔

دنیا والوں کا مدار محض قوت پر ہے

غرض قومی اقتدار حاصل کرنیکے لیئے دنیا والوں نے جو طریقے
ایجاد کیئے ہیں اُن میں دیکھا گیا کہ ڈپلومیٹک چالیں قوت کو کام میں لانیکا ابتدائی ذریعہ ہیں اور
مقاومت مجہول مُردہ قوت کو زندہ کرنے کا وسیلہ اور ثابت ہوا کہ بازی لیجانے کا سہرا جیسا کہ
ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے قوت ہی کے سر ہے۔ اور پھر ہم نے دیکھا کہ یہ طریقے بیشک کارآمد ہیں
مگر اُنہی اقوام کے لیئے جو قومیت کی بنیاد نسل یا ملک پر رکھتی ہیں ورنہ جس قومیت کی بنیاد
مسلمانوں کی طرح اتحاد عقائد پر ہو اور جو تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہو یا پھیل سکتی ہو اُسکے لیئے یہ طریقے
کچھ مفید نہیں ہیں۔ کیونکہ جب ہر ایک خطہ اپنے تئیں دوسروں سے الگ سمجھ کر اپنے فلاح کی خیر

منائے گا تو دوسروں کو کسی کے گھر میں گھی کے چراغ جلنے سے کیا روشنی میسر آسکتی ہے۔ مسلمان ان طریقوں پر کاربند ہو کر اگر کبھی پھولے پھلے تو وہ ترقی عراقیوں کی ہوگی، افریقیوں کی ہوگی، دنیا کے کسی اور خطے کی ہوگی، بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی نہ ہوگی۔

اسلامیوں کی ترقی کا واحد ذریعہ

اسلامی ایجاد۔ توحید فی الخشیۃ۔ حسن سلوک۔ دوستانہ ترغیب۔ حدود عفو و انتقام۔ عدم تعاون اور انصاف۔ کوشش کے ابتدائی نتائج۔ تکالیف کا ہجوم۔ ہجرت۔ ہجرت کا ثمر۔ دنیا میں نہیں تو عقبیٰ میں۔ فرائض کا اضافہ۔ مظلوموں کی امداد۔ آغاز بعثت کے گرانبار فرائض فریضۂ جنگ کی آسان شکل۔ ہرگونہ تکالیف کی برداشت۔ اخلاقی امداد کا فریضہ۔ مظلوم کی حمایت معاہدے کی پابندی۔ معاہدے کی خلاف ورزی اور اسکا تدارک۔ ظلم کی سزا اور اسکی شرائط۔ حملہ آور کا مقابلہ اور احتیاط کی ضرورت۔ فتنہ و فساد کا انسداد۔ تغلب اور اعلاء کی ممانعت۔ آزادی مذہب کی حمایت۔ دین تقلید کی مضرت۔ جبراً مذہب پھیلانے کی ممانعت۔ رفع فساد کی اور صورتیں۔ جنگ کی شکل۔ اطاعت کے بعد مسلمان ہوجانے کی صورت۔ اطاعت کے بعد اپنے مذہب پر قائم رہنے کی صورت۔ پیدائشی حق۔ صلح پسند اقوام سے سلوک کرنے کی صورت۔

اسلامی ایجاد | جو قومیت مسلمانوں نے پیدا کی ہے صرف ایک ہے دنیا میں اس نمونے کی قومیت اور کوئی نہیں۔ اسی طرح اسکی ترقی کا ذریعہ بھی صرف ایک ہی جو تجربے میں آچکا ہے اور جسکے سوا کوئی اور راستہ ایسی ترقی کا دنیا نے ایجاد نہیں کیا۔ مدار کار اس میں بھی قوت پر ہے مگر اسکو پیدا کرنے کیلئے خودکشی کی حاجت نہیں اور اسکو بروئے کار لانے کے لیئے نہ چالبازیوں کی ضرورت ہے نہ قوت کو بے جا استعمال کرنے کی۔ وہ قانون جو قومی ترقی کے لیئے اسلام نے مدوّن کیا ہے

چند دفعات رکھتا ہے۔ آؤ دیکھیں کہ ان میں قوت پیدا کرنے اور اسکو بروئے کار لانے کی کیا سبیل بتائی گئی ہے۔

۱۔ توحید فی الخشیۃ | کسی ملک میں مسلمان ایک ہو یا چند ہوں اور انکے سوا دنیا میں اور مسلمان موجود ہوں یا نہ ہوں اُنکو ہر حال میں پہلا سبق خدا پر بھروسہ کرنے کا اور ماسوا کی تمام طاقتوں سے بیخوف ہونے کا دیا گیا ہے۔ اس امر کی تاکید قرآن کریم میں بار بار کی گئی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی کے عالم میں فرعون کی طاغوتی قوتوں کو دیکھکر مرعوب ہوتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے:۔

لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ (طٰہٰ پ۱۶ ع ۳) موسیٰ! مت ڈرو۔ تم ہی غلبہ پاؤ گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ سفر کرتے ہیں اور صدیق اکبرؓ مخالفین کے ہر طرف منڈلانے سے فکرمند ہوتے ہیں تو حضرتؐ کی زبان سے فرمایا گیا ہے:۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (توبہ پ۱۰ ع ۶) فکر نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی تمام قوم کو مخالف دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں:۔

يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ (یونس پ۱۱ ع ۱۳)

میرے بھائیو اگر تم کو میرا قیام اور میرا وعظ جو احکام الٰہی کی نسبت ہے گراں گزرتا ہے تو سن رکھو مجھے خدا پر توکل ہے تم اپنے ارادے کو پختہ کرلو اور اپنے شرکاء کو یا معبودان باطل کو بلا لو اور جو کرنا ہو وہ ڈھکا چھپا نہ رکھو اور جو چاہتے ہو کر گزرو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم دشمن کی شدت و قوت سے خوف زدہ ہوتی ہے تو فرمایا جاتا ہے:

يَا قَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِينَ (یونس پ۱۱ ع ۹) بھائیو! اگر تم خدا پر ایمان لائے ہو اور اگر اسکے احکام کے آگے گردن جھکاتے ہو تو پھر اُسی پر بھروسہ رکھو۔

۲۔ حسن سلوک | مسلمان کے فرائض اپنے خدا کی جناب میں اور مخلوق کے ساتھ بتائے گئے ہیں تو حسن سلوک کی تاکید نہایت وضاحت سے کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۝ (نساء پ۵ ع ۶)

خدا کی عبادت کرو کسی کو اُس کا شریک نہ سمجھو اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور رشتہ دار ہمسایوں کے ساتھ اور غیر قوم کے ہمسایوں کے ساتھ اور رفیقوں کے ساتھ اور مسافروں اور ماتحتوں کے ساتھ۔ خدا اترانے والوں اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا جو کنجوسی کرتے ہیں اور کنجوسی کی ترغیب دیتے ہیں اور جو مال خدا نے دیا ہے اُسے مخفی رکھتے ہیں۔ ہم نے کفار کے لیے سخت عذاب تیار کیا ہے جو مال کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور خدا پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور شیطان جس کا دوست بن جائے اُس نے بُرا دوست اختیار کیا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۝ (بقرہ پ۲ ع ۱)

اور اسی طرح ہم نے تم کو سب سے بہتر قوم بنایا ہے کہ تم لوگوں کے لیے نمونہ بنو۔ اور رسول (علیہ السلام) تمہارے لیے نمونہ ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۝ (نحل پ۱۴ ع ۱۳)

خدا حکم دیتا ہے عدل کا اور احسان کا اور قرابت داروں سے سلوک کرنے کا اور خدا منع کرتا ہے بےحیائی سے بدی سے بغاوت سے۔ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ یاد رکھو جب خدا سے کوئی عہد کرو تو پورا کرو اور قسم کھاؤ تو خلاف نہ کرو۔ جب کہ تم نے اُس پر خدا کو گواہ بنایا ہے۔

۳۔ دوستانہ ترغیب | صلاح و تقویٰ پر کاربند ہونے اور دوسروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی ایسی روشن ہدایتوں کے ساتھ جو کلام الٰہی اور فرامین رسالت پناہیؐ میں بکثرت مذکور ہیں مسلمانوں پر ایک فریضہ یہ عائد کیا گیا ہے کہ اوروں کو بھی ایسے ہی عقائد و اعمال پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیں۔ مگر شرط یہ کی گئی ہے کہ پوری دانائی اور حسن تدبیر کے ساتھ نصیحت کی جائے اور بحث و تکرار پیدا ہو تو سخت کلامی کا جواب نرمی سے دیں تاکہ غصے کی بجائے محبت اور عداوت کی بجائے دوستی پیدا ہو۔ ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ (نحل پ۱۴ ع۱۶)

اپنے پروردگار کے رستے کی طرف دانائی سے اور نیک نصیحت سے بلاؤ اور بحث ایسے طریق سے کرو جو سب سے بہتر ہو۔ تمہارا پروردگار گمراہ ہونیوالوں کو اور ہدایت پانے والوں کو بہتر جانتا ہے۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ (حٰم سجدہ پ۲۴ ع۵)

نیک اور بد سلوک برابر نہیں ہو سکتا۔ مدافعت ایسے طریق سے کرو جو سب سے بہتر ہو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جس سے تمہاری عداوت ہوگی تمہارے مشفقانہ سلوک سے وہ سرگرم دوست بن جائیگا۔ یہ نیک عادت ہمارے دربار سے اُسی کو ملتی ہے جو صبر کا خوگیر ہو اور اُسی کو ملتی ہے جو بہت خوش قسمت ہے۔

۴۔ حدود عفو و انتقام | جو لوگ اس طرح پر قریب و بعید اور خویش و بیگانہ کے ساتھ احسان و مروت کے سوا کوئی سلوک نہ کرینگے ضرور ہے کہ دوسروں کو بھی ان سے ہمدردی اور محبت خود بخود پیدا ہونے لگے گی۔ مگر طبیعتیں مختلف ہیں۔ بعض لوگ احسان و مروت کے باوجود بد سلوکی کرتے ہیں اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔ ان تکالیف کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ کوئی تکلیف برداشت کے قابل ہوتی ہے اور کوئی نہیں ہوتی۔ اور برداشت کرنے کی طاقت بھی بعض لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے اور بعض میں کم۔ اسکے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ سزا دینا چاہو تو جتنی تکلیف اُٹھائی ہے اُس سے زیادہ ایذا نہ دو اور معاف

کرو تو بہت ہی بہتر ہے۔ ارشاد ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ (نحل ع ۱۶)	اگر سزا کا ارادہ ہو تو اسیقدر ستاؤ جتنا ستائے گئے ہو۔ اور صبر کرو تو یہ کام صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔
وَجَزٰۗؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۭ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَي الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (شوریٰ ع ۴)	اور بدی کا بدلہ اتنی ہی بدی ہے اور جو معاف کرے اور صلح کا ڈھنگ ڈالے تو اسکا اجر خدا دیگا۔ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو ظلم اٹھانے کے بعد بدلہ لے اُس پر گناہ نہیں گناہ اُن لوگوں پر ہے جو ظلم کرتے ہیں اور بے وجہ زمین پر فساد پھیلاتے ہیں اُن کو دردناک عذاب ہوگا۔ اور جو مظلوم صبر کرے اور معاف کردے تو یہ بہت ہی اعلیٰ وصف ہے۔

۵۔ عدم تعاون اور انصاف بداعمالی سے اور ناجائز خواہشوں سے روکنے اور نصیحت کرنے کی وجہ سے اکثر رنجشیں پیدا ہوتی ہیں نصیحت کرنے والوں سے استہزا کیا جاتا ہے۔ کج بحثی میں لغو باتوں پر زور دیا جاتا ہے۔ اِس سے بھی تسکین نہیں ہوتی تو علانیہ دشمنی کا اظہار ہونے لگتا ہے اور نکوکاروں کو آزار پہنچائے جاتے ہیں۔ حکم ہو کہ جب تک تمسخر کی باتیں کرتے رہیں اور دین داروں پر پھبتیاں اڑائیں پاس نہ بیٹھو۔ لغو بحثیں شروع کریں تو سلام کہکر علیحدہ ہو جاؤ۔ دشمنی کریں تکلیف پہنچائیں جب بھی اُنپر کوئی جبر و تعدی نہ کرو اور انصاف کو کبھی نہ چھوڑو۔ ارشاد ہے:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ (نساء ع ۱۹)	تم پر کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ اگر خدا کی آیات پر سُنو کہ انکار اور استہزا کیا جاتا ہے تو اُنکے پاس نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ اور گفتگو شروع کریں اگر بیٹھے رہوگے تو تم بھی اُن میں شمار ہوگے۔
وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا	(مہربان خدا کی رحمت کے مستحق بندے وہ ہیں کہ) جب جاہل

..... وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝
(فرقان پ ۱۹ ع ۶)

اُن سے مخاطب ہوں تو سلام کہہ کر جدا ہو جائیں ..... اور لغویات سنیں تو شریفانہ درگزر کریں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ (مائدہ پ ۶ ع ۲)

اے ایمان والو خدا کے خوف سے حق پر قائم رہنے والے اور انصاف کے گواہ بنے رہو اور کسی قوم کی عداوت تم کو یہ ترغیب نہ دے کہ کوئی بات انصاف کے خلاف کرو۔ انصاف کرو۔ یہی پرہیزگاری کا طریق ہے۔

۷۔ کوشش کے ابتدائی نتائج | ان تمام احکام پر کاربند ہونا آسان نہیں۔ خدا کی یاد اور حرام حلال کی تمیز میں اپنی خواہشوں کو روکنا پڑتا ہے۔ اپنی آسائش کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھ کر اُن کے لیے کوشش کرنی پڑتی ہے۔ نکوکاری کی ترغیب دینے اور بدی کے نتائج سمجھانے میں وقت خرچ کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے بیوجہ تکلیف پہنچائیں لین دین میں خیانت کریں تو غصہ آتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ قرار واقعی سزا دیں۔ مگر صبر کرنا اور معاف کرنا پڑتا ہے۔ وعظ و نصیحت دلسوزی سے کی جاتی ہے اور آگے سے کبھی تمسخر، کبھی کج بحثی، کبھی دشمنی سے سابقہ پڑتا ہے تو دل پر جبر کرنا اور انتقام کی ہر ایک خواہش کو رد کرنا پڑتا ہے۔ ان سب مراحل سے سلامت روی کے ساتھ گزرنا عام انسانی طبیعت کے لیے نہایت دشوار ہے مگر مسلمان کی صعوبتوں کا یہ ابتدائی مرحلہ ہے۔ اُسکی تکلیفیں اسکے آیندہ فرائض کی بجا آوری میں اور زیادہ ہو جاتی ہیں صورت یہ ہوتی ہے کہ ایسی نفس کشی اور ایثار کی کوششیں جو اہلِ دل کرتے ہیں تاثیر کے بغیر نہیں رہتیں۔ اور تمسخر اور کج بحثیوں کے باوجود سعید روحیں حق کو قبول کرنیکے لیے آمادہ ہونے لگتی ہیں۔ اور ہوس رانیوں کو چھوڑ کر اور اپنی قوم کی پیدا کی ہوئی بندشوں کو توڑ کر صداقت کی طرف آنے لگتی ہیں۔ اُن کا یہ فعل قوم کے خوشحال اور صاحب اقتدار افراد کو بالطبع ناگوار گزرتا ہے اور جن لوگوں کی نادانی اور ضعیف الاعتقادی سے وہ کئی طرح کی منفعت حاصل کرتے رہتے ہیں اُن کا اپنے تصرف سے نکل جانا برداشت نہیں کرسکتے تو علانیہ مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور اُن تمام

لوگوں کو جو اُنکے زیر اثر ہوتے ہیں بھڑکاتے ہیں اور نیکو کاروں کو ہر طرح سے اذیت پہنچاتے ہیں ہر نیک تحریک کے موثر ہونے کے بعد ایسی مخالفت کا پیدا ہونا قانونِ قدرت ہے - خدا فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (سبا پ۲۲ ع ۴)

ہم نے کبھی کسی گاؤں میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا جہاں کے خوش حال لوگوں نے نہ کہا ہو کہ ہم تمہارے پیغام کو ماننے سے انکار کرتے ہیں

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ (مومن ع ۵)

دوزخ میں وہ جھگڑا بحث کرینگے اور ماتحت اپنے بالادستوں سے کہیں گے کہ ہم نے تمہاری اطاعت میں شورہ پشتی کی تھی اب ہماری تکلیف کا کچھ حصہ برداشت کرو۔

تکالیف کا ہجوم

اس حالت میں جو تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں شمار نہیں ہوسکتیں خرید و فروخت، میل جول، رشتہ ناطہ سب چھوڑ دیا جاتا ہے - مارپیٹ کی عجیب عجیب شکلیں ایجاد کی جاتی ہیں - جان سے مارا جاتا ہے تو پہلے جسم کو زخموں سے گلزار بنایا جاتا ہے۔ ہر قسم کی تکلیفیں تہذیب تمدن کے اختلاف سے مختلف ضرور ہوتی ہیں مگر سب اپنے وقت کے مطابق سخت سے سخت ہوتی ہیں اور ایسی ہوتی ہیں کہ مومنین بلبلا اُٹھتے ہیں۔ اس موقع پر فرمایا گیا ہے کہ یہ کڑی آزمائش ہے اور کیا تم سمجھتے ہو کہ اسکے بغیر ہی جنت لے لوگے اس حالت میں ثابت قدم رہو تو خدا مدد دے گا۔ ارشاد ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۠ اَخْبَارَكُمْ (محمد پ۲۶ ع ۴)

ہم تم کو آزماتے ہیں تا جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے ممتاز ہو جائیں اور تمہارے دعوے پرکھے جائیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (بقرہ پ۲ ع ۲۶)

کیا سمجھتے ہو کہ بہشت لے لوگے اور پہلے لوگوں جیسی تکلیفیں نہ اٹھاؤ گے اُنکو اندیشناک حالات اور اندوہناک واقعات سے سابقہ پڑا اور اُنپر زلزلے آئے حتّٰی کہ رسول اور اُنکے ہمراہی چلا اُٹھے کہ خدا کی مدد کب آئیگی۔ ہاں اب خدا کی مدد کا وقت آیا۔

۸- ہجرت | تکلیفوں کی نوعیت ہر شخص کے لیے اور برداشت کی طاقت ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے مگر کچھ بھی ہو بغاوت سے روکا جا چکا ہے۔ حکام وقت کا مقابلہ جب تک اُنکی حدود حکومت میں رہیں نہیں کر سکتے تو حکم ہوتا ہے کہ گھر بار چھوڑو، جائداد چھوڑو، یگانوں سے قطع تعلق کرو اور بے یار و مددگار گھر سے نکل جاؤ اور اگر تکالیف کے ساتھ احکام مذہب کی بجا آوری سے بھی روکا جاتا ہے تو ایسی حالت میں ہجرت پر عمل کرنا اور وطن کو چھوڑنا فرض ہو جاتا ہے۔ البتہ جو لوگ کمزور ہیں اور صعوبات سفر برداشت نہیں کر سکتے انکو جس طرح بن پڑے گھروں میں رہنے کی اجازت ہے۔ ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ
قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ
فِي الْأَرْضِ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً
فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ
وَسَآءَتْ مَصِيرًا ۝ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ
حِيلَةً وَّلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝ فَأُولٰٓئِكَ
عَسَى اللّٰهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا
غَفُورًا ۝ (نساء پ۵ ع ۱۴)

جن کی روح فرشتے قبض کرتے ہیں اگر وہ گنہگار ہوں تو فرشتے دریافت کرتے ہیں کہ تم کس حالت میں رہے تھے کہ گناہ سے محفوظ نہ رہ سکے وہ کہتے ہیں کہ ہم وطن میں کمزور تھے فرشتے کہتے ہیں کہ کیا خدا کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم وطن چھوڑ دیتے ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہ بُری جگہ ہے۔ مگر جو لوگ واقع میں کمزور ہیں مرد ہوں عورتیں ہوں یا بچے ہوں جنکو رہائی کی تدبیر اور جانے کا رستہ میسر نہیں آسکتا امید ہے کہ حق تعالیٰ ایسے لوگوں کی کوتاہیوں کو معاف کر دیگا وہ معاف کرنے اور مغفرت کرنے والا ہے۔

۹- ہجرت کا ثمر | جو لوگ اپنے محبوب وطن، پیارے گھر بار اور عزیز رشتہ داروں سے جدا ہو کر محض ایمان کی حفاظت کرنے کیلئے سر بصحرا نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ خدا کا وعدہ ہے کہ انکو امن، راحت اور خوشحالی سے بہرہ ور کیا جائے گا۔ ارشاد ہے:

وَمَن يُّهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ
مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَّسَعَةً (نساء پ۵ ع ۱۴)

جو اللہ کے رستے میں ہجرت کرتا ہے دنیا میں بہت خوشحالی اور فراخی دیکھتا ہے۔

۱۰- دنیا میں نہیں تو عقبیٰ میں | مگر اس امن و راحت اور خوشحالی کی نوعیت کیا ہے۔ ایک تو

ارشاد ہوتا ہے کہ اسکا زندگی میں میسر آنا ضرور نہیں۔ یہاں نہیں تو آئندہ زندگی میں راحت پائے گا۔ فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (نساء پ۵ ع۱۴)

جو شخص اپنے گھر سے خدا اور اُس کے احکام کی بجا آوری میں ہجرت کرتا ہے اور فوت ہو جاتا ہے اُس کا اجر بارگاہ حق تعالیٰ میں مقرر ہو چکا خدا غفور الرحیم ہے۔

۱۱۔ فرائض کا اضافہ

دوسرے حالت جس قدر بہتر ہوگی کم از کم اُس سے دگنی تکلیف ضرور اُٹھانی پڑے گی کیونکہ آزادی کی نعمت میسر آئی ہے، تکالیف سے نجات ملی ہے، احکامِ الٰہی کو بجالانے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی تو اسکا شکر موجب ازدیاد نعمت ہے اور کفران باعث عذاب ارشاد ہے:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ○ (ابراہیم پ۱۳ ع۱۳)

خدا کے اس اعلان کو یاد رکھو کہ اگر شکر ادا کروگے تو ہم نعمت زیادہ کرینگے اگر ناشکری کی تو ہمارا عذاب سخت ہے

۱۲۔ مظلوموں کی امداد

پس اگر وہ اپنی آزادی سے مسرور ہو کر اپنے اُن بھائیوں سے غافل ہو جائیں جو بوجہ مجبوری اور کمزوری کے ظالموں کے پنجے میں گرفتار ہیں اور رہائی نہیں پا سکتے تو ناشکر گزار ہونگے۔ تعداد پہلے ہی کم ہے۔ اس جرم کی پاداش میں اپنی آزادی کھو بیٹھیں گے۔ ارشاد ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○ (نساء پ۵ ع۱۰)

تم خدا کے رستے میں اور اُن کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے کیوں جنگ نہیں کرتے جو کہتے ہیں یا اللہ ہم کو اس بستی سے نکال جہاں کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہم کو اپنی بارگاہ سے ہمارا کوئی خیر خواہ اور کوئی مددگار عنایت فرما۔

إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا (توبہ پ۱۰ ع ۶)

اگر حملہ آوری کے لیے نہیں نکلتے ہو تو خدا تم کو دردناک عذاب دیگا اور تمھاری بجائے کوئی اور کام کرنے والی قوم پیدا کردیگا اور تم خدا کے کارخانہ قدرت میں کچھ خرابی پیدا نہ کرسکوگے

۳۴۱- آغاز بعثت کے گرانبار فرائض

اقوام کے ترقی کرنے اور ذلت سے رہائی پانے کا یہی راز ہے کہ جو لوگ خوشحال ہوں اور جو لوگ آزاد ہوں وہ اپنی خوشحالی اور آزادی کے تمام وسائل کو اپنے بھائیوں پر قربان کردیں جو ان نعمتوں سے محروم ہیں اور جب تک سب کو ایک سطح پر نہ لے آئیں ہر قسم کا آرام اور ہر طرح کی راحت اپنے اوپر حرام سمجھیں۔ یہی فریضہ مذہب کی طرف سے عائد کیا گیا ہے کہ اپنے بھائیوں کو تکلیف سے نجات دینے کے لیے کوشش کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں اور تمام طاغوتی قوتوں سے جو اس کوشش میں مزاحم ہوں مقابلہ کرنے کیلیے تیار ہوجائیں۔ یہ فریضہ آغاز بعثت میں اس شدت کے ساتھ عائد کیا گیا تھا کہ اگر دس گنا طاقت سے مقابلہ کرنے میں وہ پہلوتہی کرینگے تو گنہگار ہونگے۔ اور سو کے مقابلے میں دس مسلمان خوف زدہ ہوکر پیٹھ پھیرینگے تو حرام موت مرینگے۔ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ

اے نبی! مسلمانوں کو جنگ پر آمادہ کرو۔ اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے بہادر ہونگے تو وہ دو سو پر غالب آئینگے اور اگر تم میں سے ایک سو ہونگے تو ہزار بیدینوں پر غالب آئینگے۔ کیونکہ وہ لوگ امداد خداوندی کے راز کو سمجھ نہیں سکتے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (انفال پ۹ ع ۱)

اے ایمان والو! جب تمھارا مقابلہ کفار کی کسی جماعت سے ہو تو پیٹھ نہ دکھاؤ اور جو شخص پیٹھ پھیر کر دیا۔ حملہ کرنا چاہتا ہے یا کسی اور طریق میں شامل ہونا چاہتا ہے اسکو پیٹھ دکھانا جائز ہے۔ اس ارادے کے بغیر پیٹھ دکھائے تو وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہوگا اور دوزخ میں جلیگا جو برا ٹھکانا ہے

۱۴۔ سرفروشی کی ضرورت | آغاز جنگ کی آسان شکل | آغاز عہد نبوت میں ایسی بے نظیر سرفروشی کی ضرورت تھی کیونکہ علمبرداران صداقت کی تعداد بہت ہی کم تھی اور قوم اور ملک میں انکو نابود کرنے کا جذبہ موجود کے اندر موجزن تھا۔ اس وقت نہایت قلیل تعداد نے بڑے بڑے جرار لشکروں کے مقابلے میں پامردی دکھائی ہے اور ایسی بے سرو سامانی سے یورشیں کی ہیں کہ ہر شخص کو آٹھ پہر میں کھانے کیلئے صرف ایک کھجور تقسیم ہوئی ہے۔ برہنہ پا سفر کیا ہے اور پاؤں کو چیتھڑے لپیٹ کر سنگریزوں پر چلے ہیں۔ ہر مرحلے میں محنت کشی اور ہر میدان میں جوانمردی کا ثبوت دیا ہے تو اسلامی قومیت کی ہستی تسلیم ہوئی ہے۔ مظلوم ظالموں کے پنجے سے رہائی پاکر آزاد جماعت میں شامل ہوتے گئے ہیں۔ اللہ کے پاک بندے اپنی عناد اور اصرار کو چھوڑ کر صداقت کے حلقہ بگوش بنتے گئے ہیں۔ دس گنا طاقت سے مقابلہ کرنے کی ضرورت نہ رہی حکم میں تخفیف ہوئی مگر پھر بھی چونکہ خیر کی نسبت شر ہمیشہ تعداد میں اور ظاہری سامان میں زیادہ رہتا ہے اسلئے ایک اور دو کا تناسب ہمیشہ کے لئے قائم رکھا گیا اور حکم دیا گیا کہ دس کو بیس کے مقابلے سے ہرگز گریز نہ کرنا چاہیے۔ ارشاد ہے:

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ تَكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ تَكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (انفال ع ۹)	اب اللہ نے تمہارے لیے تخفیف کر دی اور تمہاری کمزوری کی وجہ سے رحم کیا۔ اب اگر تم سو کی تعداد میں ہوگے تو دو سو پر غالب آؤ گے اور ہزار ہوگے تو دو ہزار پر خدا کے حکم سے غالب رہو گے خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

۱۵۔ ہر گونہ تکالیف کی برداشت | اسی طرح ظاہری سامان کی قلت کو نظرانداز کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (توبہ پ ع ۶)	فوج کشی کرو سامان کم ہو یا زیادہ۔ اور اپنے مال سے اور اپنی جان سے خدا کے رستے میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ کاش تم کو یقین ہو۔

مسافت کی دوری اور سفر کی درازی سے بے پروا ہونے کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّا	اگر فائدہ قریب ہوتا اور سفر آسان ہوتا تو منافق تمہارے
اتَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ	ساتھ جاتے لیکن فاصلہ بعد کا تھا۔ وہ خدا کی قسم کھا کر کہتے
وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ	ہیں کہ اگر ممکن ہوتا تو ہم ضرور رفاقت کرتے۔ یہ لوگ خود اپنے
يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (توبہ پ ۱۰ ع ۱۲)	تئیں تباہ کرتے ہیں اور خدا جانتا ہے کہ وہ دروغ باف ہیں

موسمی تکالیف کا عذر پیش کرنے سے منع فرمایا گیا ہے:

وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ	منافق کہتے ہیں کہ گرمی میں (رسول اللہ کی) رفاقت نہ کرو
أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝ (توبہ پ ۱۰ ع ۱۱)	ان سے کہہ دو دوزخ کی آگ اس سے زیادہ گرم ہو گی کاش تم سمجھ سکو

بھوک پیاس اور ہر طرح کی زحمت برداشت کرنے پر آمادہ کیا گیا ہے:

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ	یہ فریضۂ جہاد اس لیے ہے کہ جو کچھ پیاس اور تکلیف اور
وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُونَ	بھوک کی شدت برداشت کرتے ہیں اور کفار کی سرزمین میں
مَوْطِئًا يَّغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ	جہاں جہاں قدم رکھتے ہیں اور دشمن پر جس قدر غلبہ حاصل
نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللّٰهَ	کرتے ہیں انہیں سے ہر کام پر انکو نیک ثمرات عطا کیے جاتے
لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ (توبہ پ ۱۱ ع ۱۵)	ہیں۔ خدا نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اور جامع الفاظ میں قومی برتری حاصل کرنے کا راز یہ بتایا گیا ہے کہ موجودہ صدموں اور نقصانوں پر غمگین نہ ہوں اور آیندہ سستی نہ کریں:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ	نہ سستی کرو نہ افسوس کرو۔ اگر تم مومن ہو تو غلبہ تمہارا ہی
إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ (آل عمران پ ۴ ع ۱)	حصہ ہے۔

۱۶۔ اخلاقی امداد کا فریضہ

مظلوموں کی امداد اور ظلم کی بیخکنی کرنے کے واسطے ہر گونہ صعوبتوں کو برداشت کرنے کی ایسی تاکید کے باوجود قوم کے ضعیف افراد کی حالت کو فراموش نہیں کیا گیا۔ اور جو لوگ سفر کی مشقت، بے سامانی کی زحمت اور حرب ضرب کی شدت برداشت نہیں کر سکتے انکو ادائے فریضہ سے معاف رکھا گیا ہے اور امید کی گئی ہے کہ یہ لوگ خلوص دل سے اسلامی

اغراض کے معاون رہیں گے اور اپنی اخلاقی امداد اور دعاہائے نیم شبی سے جانبازوں کو تقویت پہنچانے کا باعث بنیں گے۔ ارشاد ہے:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ (توبہ پ ع ۱۱)

کمزوروں پر، بیماروں پر، اور اُن لوگوں پر جو زادِ راہ نہیں رکھتے کوئی مواخذہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ خدا اور رسول کی خدمت میں خلوص رکھتے ہوں۔ نیکو کاروں پر کوئی مواخذہ نہیں، اور اللہ غفور رحیم ہے اور نہ ان لوگوں پر الزام ہے جو تمہارے پاس آکر سواری طلب کرتے ہیں اور تم کہتے ہو کہ سواری کوئی نہیں تو وہ واپس ہوتے ہیں اور اُنکے اشک جاری ہوتے ہیں اس غم میں کہ رستے کا خرچ نہیں رکھتے۔

۱۷۔ مظلوم کی حمایت اور معاہدہ۔ یہاں تک جو ہدایات دی گئی ہیں اُنسے قومیت پیدا ہوتی ہے۔ قومیت میں اضافہ ہوتا ہے اور قوت اور سامان کا اہتمام کرنے سے زیادہ قوم کو اپنا فرض ادا کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہے اور وہ جذبات پیدا کیے جاتے ہیں جو زبردست اپنی اغراض کے لیے ڈپلومیٹک چالوں سے اور کمزور خودکشی اور مقاومت مجہول سے پیدا کرتے ہیں۔ اب ان جذبات سے کام لینے اور فرائض کو بجا لانے کا وقت آتا ہے تو فرمایا جاتا ہے کہ تمھاری قوم دو عنصروں سے مرکب ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں جو ایمان کی جنس گرانمایہ کو ظالموں کے ہاتھ سے محفوظ رکھنے کیلیئے دنیوی دولت کو چھوڑ کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جنھوں نے ایسے بیوطنوں کو اپنے گھر میں پناہ دی ہے اور مدد کی ہے۔ تم ہر دو فریق کو باہم اگر سب سے زیادہ محبت اور ہمدردی ہونی چاہیئے۔ اور جن لوگوں نے ایمان لانیکے باوجود وطن، مال اور دولت کی محبت کو ترجیح دی ہو اور خویش و اقارب سے قطع تعلق کرنے اور وطن چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ جب تک وہ اپنی ہوسِ باطل سے نجات پانے اور تمھاری غریب الوطنی میں شریک ہونے پر آمادہ نہ ہوں تم پر اُنسے ہمدردی کرنے کا فریضہ عائد نہیں ہوتا۔ اُنکو اُنکے حال پر چھوڑ دو۔ لیکن اگر وہ خود ملتجی ہوں اور ظالموں کے

پنجے سے نجات پانے کیلئے تم سے مدد طلب کریں تو وہ تمھارے بھائی ہیں انکو مدد دینا تم پر فرض ہے۔ اس غرض کو پورا کرنے اور مظلوم کو ظالم کے پنجے سے رہائی دلانے کے لیے اگر صاحبانِ اقتدار سے نبرد آزما ہونا پڑے تو مضائقہ نہیں مگر یہ شرط ہے کہ اگر پہلے کوئی معاہدہ ہو چکا ہو تو اُس کے خلاف ہرگز نہ کیا جائے اور جس قوم کے ساتھ صلح کا عہد و پیمان ہو اُسپر حملہ آور نہ ہوں۔ ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (انفال پ۱۰ ع ۱۰)

جو لوگ ایمان لائیں۔ ہجرت کریں اور اپنے مال اور جان کے ساتھ خدا کے رستے میں جہاد کریں اور جو لوگ پناہ دیں اور امداد کریں وہ لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو لوگ ایمان لائیں مگر ہجرت نہ کریں اُنسے تمہارا دوستی کا کوئی تعلق نہیں جبتک ہجرت نہ کریں البتہ اگر دین کی اغراض میں وہ مدد طلب کریں تو تم پر مدد فرض ہو لیکن اگر مدد ایسی قوم کے خلاف طلب کریں جس کا تمھارے ساتھ معاہدہ ہو تو مدد فرض نہیں۔ اللہ تمھارے اعمال سے واقف ہو۔

۱۰۹۔ معاہدے کی خلاف ورزی اور اسکا تدارک

اگر کسی قوم سے مصالحت ہو اور باہمدگر اتحاد کا یا کچھ عرصے تک کینہ و پیکار سے محترز رہنے کا عہد ہو چکا ہو یا کسی قوم نے اطاعت قبول کر لی ہو۔ ان سب صورتوں میں اگر اُن کی طرف سے بغیر کسی وجہ کے معاہدے کی خلاف ورزی ہو، اتحاد پر کاربند نہ ہوں یا مخالفت کرنے لگیں، وقت معین سے پہلے شرائط معاہدہ کو توڑ دیں، دشمنوں کو مدد پہنچائیں یا خود جنگ و بغاوت پر آمادہ ہوں تو کوئی قوم اس حالت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر ذرا سستی کریں اور ایک دفعہ معاہدے کی خلاف ورزی پر خاموشی اختیار کریں تو ایسی قوم کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔ اغیار ہر طرف سے یورشیں کرنے لگتے ہیں اور اپنی قوم کے افراد غداری اور بیوفائی پر آمادہ ہو کر قومی اقتدار کو نقصان پہنچانے لگتے ہیں۔ اُس وقت تلوار پر ہاتھ رکھنے اور پیمان شکن کو معاہدے کے احترام پر مجبور کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اپنی طرف سے آمادگی میں کوتاہی نہ ہونی چاہیئے۔

بدعہدی کی علامات ظاہر ہوں تو آگاہ کر دینا چاہیئے کہ ہم پر بھی معاہدے کی پابندی عائد نہیں رہی۔ خونریزی کی ضرورت ہو تو اسمیں بھی تامل نہ ہونا چاہیئے بلکہ ایسی سزا دینی چاہیئے کہ اوروں کو عبرت ہو۔ لیکن اگر اور صورت سے امن قائم ہو سکتا ہو تو جنگ پر اصرار بھی نہ ہونا چاہیئے۔ اہلِ بغاوت جلاوطن ہونا منظور کریں اور فتنہ انگیز عنصر حدودِ مملکت سے نکالا جا سکتا ہو یا وہ پشیمان ہو کر دوبارہ اتحاد اور اطاعت پر کاربند رہنے کا معاہدہ کرلیں تو اُنکی ایسی درخواستوں کو رد کرنا بھی منع ہے۔ بلکہ فرمایا گیا ہے کہ انکی طرف سے دھوکے اور فریب کا اندیشہ ہو جب بھی صلح کی درخواست کو رد نہ کرو وہ بیوفائی کرینگے تو وفا شعاروں کا مددگار خدا ہوگا۔ تمہارا باہم اتحاد ضروری ہے۔ غداروں کی غداری کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ ارشاد ہے:

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا
فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ
ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ
لَا يَتَّقُونَ ۝ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ
فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ
وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ
عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝
وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ
لَا يُعْجِزُونَ ۝ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم
مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ
عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ
لَا تَعْلَمُونَهُمُ ۚ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا
مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ

زمین پر چلنے والوں میں بدترین اشخاص وہ ہیں جو کفر کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے یعنی ایسے لوگ کہ تم اُن سے معاہدہ کرو تو بار بار عہد کو توڑتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے۔ ایسے لوگوں سے مقابلہ ہو تو عبرتناک سزا دو تاکہ اور لوگ نصیحت لیں اور اگر قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو اُنکو آگاہ کر دو کہ اب ہم بھی معاہدے کی ذمہ داری سے بری ہیں اور ہم تم برابر ہیں۔ بیشک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور یہ نہ سمجھو کہ کفار ہمارے عذاب سے بچ جائینگے وہ ہمپر غالب نہیں آسکتے۔ اور تیار رکھو جہانتک ہو سکے سامانِ جنگ اور لشکرگاہ میں بندھے ہوئے گھوڑے جس سے رعب ڈال سکو۔ تم خدا کے دشمن اور اپنے دشمن پر اور اُنکے سوا اور لوگوں پر جنکی عداوت کا حال تم کو معلوم نہیں اللہ کو معلوم ہے۔ اور جو خرچ تم خدا کے رستے میں کرو اُسکا

لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (انفال پ ۱۰ ع ۷)

اجر پورا پاؤ گے اور تم پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اگر صلح کے بعد وہ دھوکے کا ارادہ رکھتے ہونگے تو خدا کی مدد تمھارے لیئے کافی ہے خدا ہی نے اپنی نصرت خاص سے تمھاری مدد کی ہے اور مومنین سے مدد بہم پہنچائی ہے اور مومنین کے دلوں کو ایک پر آمادہ کیا ہے اگر تم دنیا کی تمام نعمت خرچ کر ڈالتے جب بھی تو مومنین

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

خدا ہی تو ہے جس نے کفار (بنی نضیر) کو پہلی بار اُن کے گھروں سے نکالا تم کو گمان نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ اُنکے قلعے اُنکو عذابِ الٰہی سے بچا لیں گے لیکن خدا نے ایسے طریق سے عذاب بھیجا جو اُنکے گمان میں نہ تھا یعنی اُنکے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ اپنی غداری کے خوف سے خود ہی اپنے گھروں کو مسمار کرنے لگے اور اُنکے جانے کے بعد مسلمانوں نے اُنکی زمین کو صاف کیا عقل والو اس واقعے سے عبرت لو۔ اگر خدا نے اُنکے لیئے جلاوطنی نہ لکھی ہوتی تو اُنکو سزا دیجاتی اور آخرت میں اُنکے لیئے دوزخ کا عذاب ہے اسلیئے کہ اُنھوں نے خدا و رسول سے مخالفت شروع کی اور جو خدا سے مخالفت کرے خدا اُسے سخت عذاب دیتا ہے۔

۱۹۔ ظلم کی سزا اور اسکی شرائط

جو لوگ محض خدا کا نام لینے کی وجہ سے ایسے دشمن ہوئے ہیں کہ جس پر قابو پاتے ہیں اُسے طرح طرح سے عذاب دیتے ہیں۔ غصہ فرو نہیں ہوتا تو جان سے مار ڈالتے جن کو مار نہیں سکتے انھیں اپنے گھروں میں رہنا دشوار کر دیتے ہیں۔ ہر وقت بدزبانی کرتے ہیں ہمیشہ

سکے لیئے قطع تعلق کر دیتے ہیں۔ احکام مذہب کو بجا لانے نہیں دیتے، خدا کی عبادت کرنے نہیں دیتے، حتیٰ کہ غریب ہر طرح سے تنگ آکر گھر چھوڑنے اور غریب الوطنی اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں ان سے بڑا دشمن اور کون ہو سکتا ہے۔ ایسا معاملہ ایک دو کے ساتھ ہو تو درگزر بھی کیا جائے۔ تمام قوم کے ساتھ ایسی دشمنی روا رکھی جائے تو جب تک اس فتنے کا سدباب نہو امن قائم نہیں رہ سکتا۔ اور مسجد ہو یا مندر اور گرجا، جبتک دشمن کے سامنے سینہ سپر نہ ہوں کسی مقدس مقام کی حفاظت نہیں ہو سکتی اور کسی کو اپنے ضمیر کے مطابق عمل کرنے کی فرصت نہیں مل سکتی۔ ایسے موقع پر تلوار بلند کرنیکے سوا چارہ نہیں۔ اسلام نے اسکا حکم نافذ کیا ہے مگر اُسوقت بھی یہ تاکید کی ہے کہ اگر تمھارا ان لوگوں سے کوئی معاہدہ ہو تو خواہ ان لوگوں نے خود رسول علیہ السلام کو وطن سے نکالا ہو مدت معاہدہ کے اندر کوئی کشمکش نہ ہونی چاہیئے۔ لیکن اگر وہ لوگ خود معاہدے کو توڑ دیں تو تمام ذمہ داری اُنپر عائد ہوگی۔ اور اگر معاہدہ نہ ہو تو تم کو اپنی حفاظت کیلیئے جو طرز عمل مناسب سمجھو اسکا اختیار ہے مگر انصاف کو چھوڑنا اُسوقت بھی جائز نہیں۔ کعبہ تمھارا سب سے مقدس معبد ہے اُسمیں جانے سے روکیں جب بھی حد مناسب سے زیادہ سزا نہ دینا۔ ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۝ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (حج پ ۱۷ ع ۶)

[illegible]

خدا شر کو دفع کرتا ہے اُن لوگوں سے جو ایمان لائیں بیشک خدا خیانت کار اور ناشکر کو پسند نہیں کرتا۔ جنگ کی اجازت ہے اُن لوگوں کیلیئے جنکو لوگ مارنا چاہتے ہیں یہ اجازت اس لیئے ہے کہ وہ مظلوم ہیں اور خدا اُنکی امداد کی قدرت رکھتا ہے اور اسلیئے کہ وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں بیوجہ محض اس قصور پر کہ وہ خدا کو اپنا پروردگار مانتے ہیں اگر خدا بعض کیلیئے بعض کی طرف سے مدافعت کا سامان نہ کرتا تو تمام خلوت خانے اور نصاریٰ و یہود کے عبادتخانے اور مسجدیں جن میں خدا کا نام بہت لیا جاتا ہے مسمار کر دی جاتیں خدا مدد کرتا ہے اسکی

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (توبہ پ ع ۲)

کیا تم جنگ نہیں کروگے ان لوگوں سے جنھوں نے اپنے معاہدے کو توڑ دیا ہے اور رسول علیہ السلام کو نکالنے کا ارادہ کرتے ہیں اور ابتدا انھی کی طرف سے ہو۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ اگر تم مومن ہو تو تم کو محض خدا کا خوف رکھنا چاہیے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا ۘ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (مائدہ پ ع ۱)

لوگوں کی طرف سے یہ کینہ کہ انھوں نے تم کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا تم کو آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گزر جاؤ۔ تم باہم مگر نیکی اور پارسائی کے کاموں میں امداد کرو لیکن گناہ اور تعدّی میں امداد نہ کرو۔ خدا سے ڈرو۔ اُس کا عذاب سخت ہے۔

۲۰۔ حملہ آور کا مقابلہ اور احتیاط کی ضرورت

دشمن خود حملہ آور ہو تو مقابلہ کرنا فرض ہے حملہ آوروں کو چن چن کر فنا کرو۔ اور جس مقام سے تم کو نکالا گیا ہے وہاں سے دشمنوں کو نکالو۔ کعبۃ اللہ کی نواح میں جنگ نہ کرو۔ لیکن اگر دشمن اس مقام کا احترام ملحوظ نہ رکھے اور وہاں محاذ جنگ قائم کرے تو مدافعت کا تم کو بھی اختیار ہے مگر ہر حال کے اندر حد مناسب کا خیال رکھو۔ اور قدر ضرورت سے تجاوز نہ کرو۔ ارشاد ہے:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ (بقرہ پ۲ ع۲۴)

خدا کی راہ میں جنگ کرو اُن لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں مگر حد سے نہ بڑھو۔ خدا تعدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ انکو قتل کرو جہاں پاؤ اور انکو نکالو جہاں سے تم کو نکالا ہے۔ فتنہ اور فساد قتل سے بدتر ہے ان سے مسجد حرام کے قریب جنگ نہ کرو لیکن اگر وہ وہاں جنگ کریں تو ضرور مقابلہ کرو۔ کفار کی یہی سزا ہونی چاہیے۔

۲۱ - فتنۂ و فساد کا انسداد یہانتک اُن فرائض کا ذکر تھا جن کا تعلق مسلمان کی اپنی ذات خاص سے ہی یا اُن لوگوں سے ہی جنکو مسلمانوں سے دوستی یا دشمنی کا تعلق ہے۔ لیکن مسلم ہو یا غیر مسلم جب اپنی ہستی کو قائم کرلے تو اُسپر اُن لوگوں کی وجہ سے بھی چند فرائض عائد ہوتے ہیں جن کا اِس سے براہ راست کوئی تعلق نہو۔ ایسے فرائض دنیا ہیں نہ صرف اقوام پر بلکہ افراد پر بھی عائد ہوتے ہیں اور کم و بیش ہر شخص کو ان کا تجربہ ہے مگر دیکھنے والوں کو اکثر غلط فہمی ہوتی ہے اور فرض بجالانے والوں کو خود غرض سمجھا جاتا ہی۔ اور بعض اوقات واقع ہیں ادائے فرض کا بہانہ ہوتا ہے اور در پردہ خوفناک جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے تاہم دنیا میں ایسے فرض کو ادا کرنے کے موقعے ضرور پیش آتے ہیں اور ہمیشہ پیش آتے ہیں۔ بچے کھیلتے ہیں۔ اِن میں سے دو آپسمیں جھگڑنے لگتے ہیں۔ جوش میں آتے ہیں تو ایک دوسرے کو لپٹ جاتے ہیں، ہاتھا پائی کرنے لگتے ہیں اِس جھگڑے میں جو نسبتہً بڑے اور طاقتور ہوتے ہیں لڑنے والوں کو باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ایک کو دوسرے سے زبردستی جدا کرتے ہیں۔ کوئی بہت تیزی دکھاتا ہے تو چپت بھی رسید کرتے ہیں بعض اوقات زبردست کمزور کو بہت ہی رگیدتا ہے تو راہ چلتے بھلے آدمی بھی بول اُٹھتے ہیں کہ اِس شیطان کو مارو۔ بڑا شریر ہے۔ دو شریر آدمی کسی محلّے میں رہتے ہیں اور آپسمیں گالی گلوج اور دنگا فساد رکھتے ہیں تو بھلے مانس ہمسائے جن کا اثر ہو سمجھاتے ہیں۔ اُنکے نزاع کا تصفیہ کرتے ہیں باز نہیں آتے تو ڈرلتے دھمکاتے ہیں۔ فساد کا اندیشہ ہو تو پولیس میں اطلاع دیتے ہیں ضمانت یا مچلکہ کا انتظام کرتے ہیں۔ استغاثہ عدالت تک پہنچے تو سچی شہادت دیکر شریروں کا تدارک کرتے ہیں۔ کسی برادری یا کسی بستی کے دو خاندانوں میں نزاع و فساد رہتا ہو تو شرفاء کو دخل دینا اور نرم گرم تدبیروں سے فساد کو دفع کرنا پڑتا ہی حالانکہ اِن سب صورتوں میں جو لوگ فساد کو دفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اِس فساد سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں رکھتے اور لڑنے والوں کے جھگڑوں سے اُنکی ذات خاص کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا پھر بھی دخل دیتے اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں۔ اسلیئے کہ اُنکو خدا تعالیٰ کیطرف سے جو قدرت شر کو دور

کرنے کی عطا ہوئی ہے اُسکا شکر ادا کریں اور شرارت کرنے والوں کو شرارت کیلئے آزادی دینے سے سوسائٹی کو، ملک کو، اور زیادہ ہونے کی صورت میں دنیا کو جو نقصان پہنچ سکتا ہے اور جسکے عام ہو جانے کے بعد وہ خود بھی اسکی گرفت سے بچ نہیں سکتے اسکا سدباب کریں۔ اس نہ ریضے کا مہذب اقوام کو ایسا خیال ہے کہ کسی شخص سے کسی قسم کا جرم سرزد ہو وہ اپنی معلومات سے تفتیش کرنے والے حکام کو مدد دینے کے لیئے آمادہ ہو جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ تحقیقات جرائم میں جیسی کچھ دقتیں پولیس کو غیر مہذب ممالک میں پیش آتی ہیں اور جیسی کچھ سختی انھیں مشتبہ اشخاص پر کرنی پڑتی ہے مہذب ممالک میں ان کا نشان نہیں غیر مہذب لوگ کسی کو قتل کا بھی ارتکاب کرتے دیکھتے ہیں تو جبتک مجبور نہ کیئے جائیں شہادت دینے پر آمادہ نہیں ہوتے مگر اہلِ تہذیب اسکو اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ کسی نے کسیکا ایک پیسہ چُرایا ہو اور مالک کو خبر نہ ہو جب بھی بطور ایک مالک کے مجرم کو سزا دلوانے کی کوشش کریں اور سوسائٹی کو ایسے ناپاک اشخاص کی جرائموں سے پاک رکھیں۔ وہ سوسائٹی کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھتے ہیں اور گوارا نہیں کرتے کہ جرم کرنے والوں سے تعرض نہ ہو اور وہ دلیر ہو کر پہلے سے زیادہ جرم کریں اور سوسائٹی کے وبال کا باعث ہوں۔

بدانتظامی کا انسداد | جو تعلق افراد کو اپنی قوم یا اپنے ملک سے ہے وہی تعلق بڑے پیمانے پر قوم کو بالخصوص صاحب اثر اور زبردست قوم کو گرد و پیش کی اقوام سے بلکہ تمام دنیا سے ہے۔ کسی حکومت کا نظام درست نہو، امن قائم کرنے کی طاقت اور صلاحیت مفقود ہو، لوگ قتل و غارت پر دلیر ہوں، مسافر لوٹے جاتے ہوں، تاجر تباہ کیئے جاتے ہوں، زبردست کمزوروں کے ننگ و ناموس کو برباد کرتے ہوں، جان سے مارتے ہوں، جو چیز دیکھتے ہوں چھین لیتے ہوں یا کسی ملک میں طوائف الملوکی ہو، خطے خطے کا حاکم جدا ہو، ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتا ہو، جو قابو پاتا ہو دوسرے کے علاقے کو لوٹتا اور تباہ کرتا ہو، رعایا دشمن کے حملوں سے ہلاک ہوتی ہو، اپنا بادشاہ شکست کھاتا ہو اور دوسرا تصرف کرتا ہو تو اُسکے سخت سے سخت مطالبات کو برداشت کرنا پڑتا ہو، اور ہمیشہ تازہ حملوں کا اور حکومت بدلنے کا اندیشہ رہتا ہو، یا کسی ملک کی حکومت مضبوط ہو مگر حکام ظالم ہوں، رعایا کے

حقوق کو تسلیم نہ کرتے ہوں، جان و مال کی پروا نہ رکھتے ہوں۔ بیگار لیتے ہوں تو آدمی کو جانور سمجھتے ہوں، محصول لینے پر آتے ہوں تو سب کچھ لیجاتے ہوں، مطالبات ادا نہ ہوتے ہوں تو قید کر دیتے ہوں، جان سے مار دیتے ہوں، یتیم روتے ہوں، بیوائیں چلاتی ہوں اور مظلوموں کی فریاد کوئی نہ سنتا ہو۔ ایسے ممالک کے ہمسائے میں فرض کرو کہ کوئی زبردست قوم آباد ہے جو امن قائم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، انتظام کرنا جانتی ہے، رعیت اور حاکم کے حقوق کو پہچانتی ہے اور یہ قوت رکھتی ہے کہ ظالم کے ہاتھ کو روکے اور مظلوم کی دادرسی کرے تو کیا اُس کا فرض نہ ہوگا کہ اِس نعمت کا شکر ادا کرے جو قدرت نے قوت تدبر اور فرض شناسی کی شکل میں عطا کی ہے اور کیا اخلاقی طور پر وہ مجبور نہ ہوگی کہ نوع انسانی کی جو خدمت اور مظلوموں کی جو مدد کر سکتی ہے اُسکی طرف ہاتھ بڑھائے اور ظالموں کو اُنکے کیفر کردار تک پہنچا کر خلق اللہ کی راحت کا سامان کرے اور جس امن و عافیت سے وہ خود بہرہ اندوز ہے اس سے اُن لوگوں کو بھی حصہ دے جو تڑپتے ہیں اور بول نہیں سکتے۔ آہ نیم شبی آسمان تک پہنچاتے ہیں مگر ہمسایوں کو آگاہ نہیں کر سکتے۔

ہندوستان کی نظیر | یہ واقعات فرضی نہیں ہیں ہمیشہ ہوتے آئے ہیں اور ہو رہے ہیں ہم ہندوستانیوں پر یہ زمانہ ایسا قریب گزرا ہے کہ آنکھوں سے دیکھنے کے برابر ہے سلطنت مغلیہ کے کمزور ہو جانے پر مرہٹوں نے جیسی لوٹ مچائی سکھوں نے جیسی بے اصول حکومت کی اور ملک میں ہر طرف ٹھگی، ڈکیتی، کشت و خون کی وارداتیں، اور جان و مال اور ننگ و ناموس پر جیسے خوفناک حملے ہوئے ہیں۔ شریفوں کو جس روز بد سے سابقہ ہوا ہے اور کمزور آبادی کو جس تباہی اور بربادی کا نشانہ بننا پڑا ہے کون شخص ہے جو تاریخ ہند کے اُس ورق کو دیکھے اور خوف سے لرزہ براندام نہو۔ اس حالت میں انگریز سوداگروں کے کارخانے ملک میں موجود تھے۔ اِن کا اس بدامنی سے کوئی حرج نہ تھا مگر باوجود تاجر ہونے کے ملک رانی کی قابلیت، کشور کشائی کی قوت اور امن قائم کرنے کی لیاقت ایسی رکھتے تھے کہ اُس وقت کے کسی مسلمان یا ہندو فرمانروا کے اندر نہ تھی۔ ملک پر قبضہ کرنے میں ان کا اپنا فائدہ بھی تھا اور اس فائدہ کو انھوں نے بیدردی سے حاصل کیا ہو یا انسانیت سے، یہ بحث اور ہے

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس نازک وقت میں انھوں نے اپنی عقل و تدبیر سے کام لیکر ملک کے سرکشوں کو زیر کیا۔ شریروں کو دبایا۔ اور ڈکیتی ٹھگی کا نام مٹا کر ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک امیر و غریب قوی و ضعیف سب کو جس امن کی نیند سلایا آیا وہ اہتمام اور انتظام ضروری تھا یا نہیں؟ اور اگر ضروری تھا تو اُسے بجالانے کو فرض کیوں نہیں کہہ سکتے؟ ان سوداگروں کا ملک پر احسان ہے جسکا شکرگذار ہونا چاہیئے۔ مگر تاجر تھے فرمانروا نہ تھے۔ ہر کام تجارتی اُصول پر اور فائدہ حاصل کرنے کی نیت سے کرتے تھے اور سمندر پار بیٹھے ہوئے حکم چلاتے تھے۔ یہاں کے پیچیدہ مسائل کو سلجھانے کے لیئے جو مراسلے لکھتے تھے اُس میں ہر ملکی و مالی مشورے کے آخر میں (Send more money. روپیہ زیادہ بھیجو) لکھنے سے باز نہ رہ سکتے تھے۔ گورنروں کو بظاہر ملک کا انتظام کرنے اور در پردہ اہل ملک کے ہاتھ سے روپیہ نکالنے کی فکر لگی رہتی تھی۔ ایسے انتظام سے وہ خرخشے پیدا ہوئے جنھوں نے انگریزوں کا شکرگزار بنانے کی بجائے ملک کو اُنکے نام سے نفور کردیا اور نتیجہ شورش ۱۸۵۷ء کی شکل میں نکلا۔ برٹش گورنمنٹ کو براہ راست اس سے تعلق نہ تھا۔ مگر دوبارہ وہی ضرورت پیش آئی اور وہی حقیقت سامنے آئی کہ برٹش گورنمنٹ کے سوا کوئی اور حکومت اس فتنے کو فرو کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ چنانچہ وہی جہاد کا فریضہ تھا جو برٹش گورنمنٹ کو ادا کرنا پڑا۔ اور اُس نے نظام حکومت تاجروں سے چھین کر اپنے ہاتھ میں لیا۔

ہند کی موجودہ حالت

اب ملک کی حالت بدل گئی ہے۔ اہل ملک کی آنکھیں کھل گئی ہیں اور کسی نہ کسی طرح کے استحقاق کا یا خود مختاری کا مطالبہ ہونے لگا ہے مگر اب بھی یہ کیفیت ہے کہ جلوسوں کے نکالنے پر، اذان کی آواز سنانے پر، میلے تماشے کرنے پر، مذہبی فرائض بجالانے پر ہنگامے ہوتے ہیں، سر پھوٹتے ہیں، تیشے اور تبر، کرپان اور چاقو چلتے ہیں، قتل ہوتے ہیں، لوٹے جاتے ہیں، اور نہ صرف نادان اور جاہل آبادی بلکہ جو لوگ عقل و شعور کے دعویدار ہیں اور انگریزوں کو سمندر پار کرنے کا داعیہ رکھتے ہیں وہ خود اپنی کمزوریوں سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ جس فرقے کو جس قدر اقتدار حاصل ہوگا وہ اپنے اختیارات کو دوسرے فرقے کے [illegible]

دلوں میں سب کے چور ہے اور اسی واسطے سب زیادہ سے زیادہ نیابت حاصل کرنے پر زور دے رہے ہیں اور کسی بات پر اتفاق نہیں کر سکتے۔ اور جب ملک کی یہ کیفیت ہو اور اہل ملک ایک دوسرے کا اعتماد حاصل نہ کر سکتے ہوں تو کیا ضرورت نہیں ہے کہ کوئی زبردست جس طرح بھی ہو سکے ایسے متضاد عناصر کو قابو میں رکھے۔ اور اُسکا ملک سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ جب بھی امن قائم رکھنے کے لیے ملک پر قابض ہے

مہذب ممالک کی مثال | ہندوستان غیر مہذب سہی مہذب ممالک کو دیکھو۔ آیرلینڈ خود مختار ہونا چاہتا ہے مگر اُسی کے اندر اُلسٹر شہر کے باشندے چونکہ مذہب میں تھوڑا سا اختلاف رکھتے ہیں ہمیشہ اسکی کوششوں میں مزاحم ہوتے ہیں اور یہی عنصر ہے جسکی وجہ سے احتمال ہوتا ہے کہ آزاد ہونے کے بعد ہر دو فریق ایک دوسرے کے خلاف ہو کر بدامنی پیدا کرینگے اور یہی وجہ ہے جس سے حکمران قوت کو اگرچہ وہ غیر ہے اپنے تصرف کو حق بجانب کہنے میں مدد ملتی ہے۔ یوگوسلاویا نے آج وہ عقل سیکھی ہے جس سے آزادی کا مُنہ دیکھا ہے ورنہ یوگو اور سلافی دو قوموں کے باہمگر متصادم رہنے سے قریباً ورا ڈتک آسٹریا کی شہنشاہی قائم رکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی رہی ہے۔

بدامنی کے نتائج | ایسی صورتیں ہر زمانے میں اور اکثر ممالک میں پیش آتی ہیں جن میں غیر قوم دخل نہ دے اور ملک کو اسکی حالت پر چھوڑ دے تو زبردستوں کی کشمکش سے غریب پسکر رہ جائیں اور ملک برباد ہو جائے اور شرارت کرنے والے نڈر ہو کر اپنے علاقے سے باہر علاقہ ہائے غیر اور ممالک ہمسایہ میں فتنہ بپا کریں اور فساد متعدی ہوتا ہوا ایک دنیا میں پھیل جائے۔ پس جس قوم کا نظام درست ہو اُسکو اپنے قومی فرائض کے علاوہ یہ بار بھی ضرور ہی اُٹھانا پڑتا ہے کہ پس ماندہ اور منتشر اقوام کو مدد دے اور جس صورت سے ممکن ہو اُن کو ایک نظام میں لا کر پست و بلند کی آویزش سے باز رکھے۔ فہمائش کارگر ہوتی ہو۔ روپے کی مدد سے کام نکل سکتا ہو۔ تجربہ کار آدمی دے کر اصلاح ہو تو بہتر ورنہ زبردستی کرنے اور سرکشوں کو سزا دینے کے سوا چارہ نہیں ہوتا۔ اور نہ صرف اُس ملک کا بلکہ اپنے ملک کا امن بھی قائم نہیں رہ سکتا۔

فتنہ و فساد کی نسبت اسلامی احکام | پس دنیا میں وہ کونسی با اقتدار قوم ہے جو گرد و پیش کے حالات

سے بے پرواہ ہو کر اور مظلوموں کی فریاد سے کانوں میں روئی دے کر اپنی ہستی کو قائم رکھنا چاہے اور دیر میں یا جلد شورش پسندوں کی دستبرد سے زحمت نہ اٹھائے اور کس قوم کا آئین ملک داری مکمل ہو سکتا ہے جس میں ایسی ضرورتوں کے لیے احکام اور قواعد مدون نہ ہوں۔ اسلام نے چونکہ مذہب کے ساتھ قومیت پیدا کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اس میں نہایت نقص رہتا۔ اگر جہاد کے احکام اور فتنہ و فساد کو دنیا سے مٹانے کے قواعد سکھائے نہ جاتے۔ اس نے اس قانون کے ہر پہلو کو واضح کیا ہے اور اس کی ضرورت اور مصلحت کو سمجھانے میں کوتاہی کو روا نہیں رکھا۔

الف۔ مصالحت کو سب کاموں سے بہتر کہا ہے اور احسان کرنے اور خوف خدا کو مدنظر رکھنے کی تاکید کی ہے اور فرمایا ہے کہ حرص و ہوا کی بلا ہے جو مصالحت کی طرف آنے نہیں دیتی۔ ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ (بقرہ پ۲ ع۲۵)	اے ایمان والو! تم سب لوگ صلح میں شامل رہو اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔
وَالصُّلْحُ خَیْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝ (نساء پ۵ ع۱۹)	صلح بہتر ہے اور دلوں پر حرص غالب ہے۔ اگر تم احسان اور تقوائے کو اختیار کرو تو اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔ وہ اچھا اجر دے گا۔

ب۔ مخالفت پیدا ہونے کے بعد اگر دشمن مصالحت پر آمادہ ہو تو اس کی درخواست کو قبول کرنے کا حکم دیا ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ (انفال پ۱۰ ع۸)	اگر مشرکین صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی آمادہ ہو جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو وہ سننے والا اور جاننے والا ہے
فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا ۝ (نساء پ۵ ع۱۲)	اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور جنگ نہ کریں اور تم سے صلح کرنا چاہیں تو خدا نے تم کو ان پر حملہ کرنے کا حق نہیں دیا۔

ج۔ جہاد کی مصلحت یہ بتائی ہے کہ اگر تعمیل نہ کرو گے تو دنیا میں بہت فتنہ و فساد ہو گا:

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (انفال پ ۱۰ ع ۱۰)

اگر فریضۂ جہاد پر کاربند نہ ہوگے تو دنیا میں فتنہ ہوگا اور بہت فساد ہوگا۔

د۔ اقوام گزشتہ کی تباہی کا ذکر کیا ہے تو فرمایا ہے کہ ان میں ایسے دور اندیش کم ہوئے جو لوگوں کو دنیا میں فساد پھیلانے سے روکتے اور جو ایسے ہوئے انھیں ہم نے بلاؤں سے محفوظ رکھا:

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ

افسوس کیوں نہ ہوئے گذشتہ اقوام میں ایسے دانا جو لوگوں کو دنیا میں فساد کرنے سے روکتے البتہ تھوڑے ایسے ہوئے سو انکو ہم نے بلاؤں سے محفوظ رکھا اور جو ظالم تھے وہ دنیوی نعمتوں کی لذات میں مصروف رہے وہ لوگ مجرم تھے (ہود پ ۱۲)

ھ۔ فرمایا ہے کہ جہاد کرنے والے ہی حقیقت میں سچے مومن ہیں۔ آخرت میں اجر اور دنیا میں راحت ایسی ہی اولوالعزمی سے میسر آسکتی ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال پ ۱۰ ع ۱۰)

اور جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے رستے میں ہجرت کی اور جہاد پر کاربند ہوئے اور جنہوں نے دینداروں کو پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں انکے لیے مغفرت ہے اور اچھا رزق ہے۔

و۔ اور دنیا سے فتنہ و فساد کو مٹانے کی صورت یہ بتائی ہے کہ اپنے ہمسایہ ممالک سے اس بلا کو دور کرو اور امن و امان کے دائرے کو وسیع کرتے جاؤ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (توبہ پ ۱۱ ع ۱۶)

اے ایمان والو ان کفار سے جنگ کرو جو تم سے قریب سکونت رکھتے ہیں اور ان پر تمہاری ثابت قدمی ثابت ہو جائے اور سمجھ لو کہ خدا کا خوف دلمیں رکھو خدا خوف والوں کے ساتھ ہے

۴۲۔ تغلب اور استیلاء کی ممانعت — فتنہ و فساد کو جو موجود ہو کسی ملک سے مٹانا اور زیر دستوں کو

کمزوروں پر ظلم کرنے سے روکنا اور چیز ہے۔ اور فتنہ و فساد کو بہانہ بنا کر کسی قوم کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا اور برتری منوانے اور نفسانی اغراض حاصل کرنے کیلئے ملکوں کو تباہ اور برباد کرنا اور بات ہے۔ قوت کے نشے میں مست ہو کر ان دونوں حالتوں میں تمیز نہیں کیجاتی اور اکثر اہل اقتدار از خود فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں اور دوسروں پر بے انتظامی کا الزام دھرتے ہیں۔ اس قباحت کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور تاکید کی گئی ہے کہ ایسی سرکشی اور شورہ پشتی سے محترز رہنا۔ اور جس ملک یا قوم کی حالت بہتر ہو اُسپر حملہ آور ہو کر فساد نہ پھیلانا۔ فضل خدا کا امیدوار اور اُسکے غضب سے ہراساں رہنا۔ ہر حال میں عدل واحسان کو مدنظر رکھنا اور رحمتِ ربانی کا کرشمہ دیکھنا:

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ٥ (اعراف پ ع)

دنیا میں اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ اور حق تعالیٰ کے آگے عاجزی کرو اُسکے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اسکی رحمت کی امید رکھتے ہوئے۔ خدا کی رحمت احسان کرنیوالوں کو ملتی ہے

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ٥ (قصص پ۲۰ ع۹)

آخرت کا گھر ہم مقرر کرتے ہیں ایسے لوگوں کیلئے جو دنیا میں اپنے تئیں تکبر اور فساد کرنا نہیں چاہتے اور نیک انجام تو خوف خدا رکھنے والوں ہی کے لئے ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ٥ (بقرہ پ۲)

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دنیوی معاملات میں امن پسندی کا دعوے کرتے ہیں تو انکی باتیں قابل پسند ہوتی ہیں اور جو نیک ارادے ظاہر کرتے ہیں اُنپر خدا کو گواہ بتاتے ہیں حالانکہ وہ سخت عناد کیش ہوتے ہیں اور جب یہاں سے ٹلتے ہیں تو ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور کھیتوں کو اور انسانی نسل کو تباہ کرتے ہیں حالانکہ خدا فساد کو پسند نہیں کرتا

۳۔ آزادی مذہب کی حمایت یہانتک جہاد کی اُس شکل کا ذکر ہوا ہے جسکی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا اور دنیا میں ہر ایک شائستہ قوم کو اپنے قرب و جوار کی بد امنی مٹانے کیلئے ایسا جہاد کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ جو لوگ محض عظمت حاصل کرنے اور قوت بڑھانے کے لئے ملک گیری

کرتے ہیں وہ بھی دنیا میں سرخرو ہونے کے لیے کئی طرح کے جھوٹ اور فریب ایسی ضرورتوں کا ثبوت بہم پہنچا کر امراپنے دشمنوں کی بے انتظامی کا بہانہ بنا کر اپنے تئیں حق بجانب ثابت کرتے ہیں اسلام نے ایسے جہاد کی واقعی ضرورت اور زبردستی و تغلب کی خواہش میں تمیز کرنے کی تاکید کی اور ضرورتوں کے مطابق جہاد کی اجازت دینے کے علاوہ تلوار اٹھانے کے لیئے اور ضرورتوں کو بھی مدنظر رکھاہے۔ دنیا مسلمانوں کو کچھ کہے انکی قومیت ہی مذہب پر منحصر ہے اور مذہب ہی اُن کے نزدیک سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہے وہ مذہب کو چھوڑ نہیں سکتے اور مذہب کی اشاعت سے باز نہیں رہ سکتے۔ دنیا مذہب کو چھوڑ دے۔ اسکی ضرورت کو محسوس نہ کرے۔ اسے جرم سمجھے جب بھی مسلمان اگر مسلمان ہے تو اُسکا فرض ہے کہ ہر خشکی اور تری میں۔ ہر برّاعظم اور جزیرے میں۔ ہر شہر اور قریے میں خدا کا نام بلند کرے اور اسلام کا قاصد بنے۔ پس جس ملک میں لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکا جائیگا یا جس ملک میں مذہب کی پابندی کو جرم سمجھا جائے گا مسلمان کو اُسکے خلاف جہاد کرنا فرض ہوگا۔ اور وہ دم نہ لیگا جب تک اہل ملک سے مذہبی آزادی کا اعتراف نہ کرالیگا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایک دفعہ سب کو مذہب کا انتخاب کرنے میں آزاد کر دیا جائے اور کسی کے لیے گبر ترسا اور یہود و نصارٰے ہونے کی پابندی نہ رکھی جائے اور اجازت دیدی جائے کہ منکر معترف اور معترف منکر ہوتا ہے تو ہو۔ پھر مسلمان کو مذہب کے لیئے جبر کرنے کی بلکہ سخت لفظ کہنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اسلام کے اصول ایسے سادہ اور سریع الفہم ہیں کہ صرف تعصب اور عناد ہی کا حربہ ہے جسکے سامنے اسے لاجواب ہونا پڑتا ہو اسکے سوا اور کسی دلیل و برہان کو اسکے خلاف استعمال نہیں کیا جا سکتا اگر تعصب کی عینک اتار دیجائے۔ اسلام سے کوئی عناد نہ رکھا جائے اور طاغوتی قوتیں مسلمان ہونے سے نہ روکیں تو جو نہ مانیں گے وہ بھی اسکی روشن ہدایتوں کے دل سے معترف ضرور ہونگے۔ نیز جیسا کہ بیان ہو چکا ہے مسلمان کو خدا کا نام سنانے سے غرض ہے اور دلسوزی کے ساتھ نصیحت کرنے کا حکم ہے دین سے استہزاء کیا جائے تو وہ پاس نہ بیٹھیں گے۔ گفتگو کا عنوان بدل دیا جائے تو ہمدردی کے لیئے حاضر ہو جائینگے۔ کوئی فضول بحث کرے، سلام کہکر چلے جائینگے۔ منکروں سے نیک سلوک کریں گے

ستانے والوں کو معاف کر دینگے یا کسی قسم کا تدارک کرنے پر مجبور رہینگے تو حد مناسب سے آگے نہ بڑھیں گے دشمنوں سے بے انصافی نہ کرینگے - ہر طرح پر خوش اخلاقی کا نمونہ نہیں ہے تو کون ہوگا جو ایسا شیریں پھل دیکھکر درخت کو کڑوا کہے اور مسلمانوں کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام کے ساتھ حسن ظن نہ رکھے - آج مسلمان خود مسلمان نہیں ہے اور سب سے بدتر نمونہ پیش کرتے ہیں - ایسی ناپاک حالت میں کوئی کوشش کریں بھی تو کامیاب نہیں ہوسکتے - ایک طرف مسلمان اپنی تمام روش اسلام کے مخالف بنالیں - دوسری طرف اغیار لوگوں کو مسلمان ہونے کی وجہ سے ستانا چھوڑ دیں * - پھر ناممکن ہے کہ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا کا منظر سامنے نہ آئے اور منکرین اپنی حالت پر شرمندہ نہ ہوں

* مذہب بدلنے کے جرم میں تکلیف دینے کی مثالیں گذشتہ زمانوں میں جیسی کچھ پائی گئی ہیں اُنسے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا مگر دنیا اس قباحت سے خالی اسوقت تک بھی نہیں ہوئی - وحشی اور غیر مہذب ممالک ایک طرف جو قومیں تہذیب تمدن کی تھوڑی بہت منزلیں طے کر چکی ہیں ان میں اگر تفاوت ہوا ہے تو یہ کہ طبیعتیں ذکی الحس ہوگئی ہیں اور سخت قسم کی سزا دینے کو پسند نہیں کرتیں مگر اسی قدر ذکی الحس سزا پانے والے ہوگئے ہیں اور وہ ایسی سزاؤں سے جو گذشتہ زمانہ کی نسبت بہت نرم ہیں سخت سزاؤں جیسی تکلیف اور ناگواری محسوس کرتے ہیں - جو رنج پہلے زمانوں میں کسی کے باپ یا بیٹے کو قتل کر دینے سے ہوسکتا تھا اسی قسم کا رنج بلکہ بعض اوقات اس سے زیادہ آجکل کسی کو چار پیسہ کے روزگار سے محروم کر دینے پر ہوتا ہے اور اس نظر سے دیکھیں تو مذہبی تعصب سے تکلیف پہنچانے کی مثالیں اب بھی بہت نظر آتی ہیں - ایسے حکام سے دنیا خالی نہیں جو مقدمات میں غلط فیصلہ دیکر ہم مذہب کو فائدہ اور غیر کو نقصان پہنچا دیتے ہیں ایسے افسروں کی مثالیں موجود ہیں جو کسی آسامی پر ہم مذہب کو تعیین کرنے کے لیئے غیر کے تمام حقوق پامال کر دیتے ہیں - ایسے لیڈروں اور اخبار نویسوں کی کمی نہیں جو مذہبی جھگڑے میں ہم مذہبوں کی بیجا حمایت اور اغیار کی ناواجب شکایت پر زور دیتے ہیں - ایسے رئیس موجود ہیں جو غیر مذہب رکھنے کے الزام میں لوگوں کو انکی مقبوضہ زمینداریوں اور مکانوں سے بیدخل کرتے اور ہم مذہبوں کو بغیر استحقاق کے متصرف کر دیتے ہیں - اور ایسے مالدار پائے جاتے ہیں جو قرضداروں کو غیر ہونے کی وجہ سے تنگ کرتے اور مذہب بدل لینے پر کسی طرح کی رعایت کا عہد کرتے ہیں - اور سب سے زیادہ شرمناک یہ واقعہ ہے کہ غیر ہونے کے جرم میں امتحان میں فیل کرنے والے بھی موجود ہیں اور ہندوستان میں یہ جرم ایسا پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ یونیورسٹی طلبا کا نام ظاہر کرنے سے پرہیز کرنے لگی ہے اور رول نمبر پر اکتفا کرتی ہے پھر بھی ظالم ممتحن باز نہیں آتے اور جس قوم کا یونیورسٹی پر قبضہ ہو وہ دفتر سے ہندو مسلمان کا پتہ لگاکر معصوموں کے گلے پر چھری پھیرتے ہیں - اس طرح پر اگرچہ مذہبی تعصب کا نام کوئی نہیں لیتا اور تحریر یا تقریر میں ہم مذہب اور غیر کا ذکر آنے نہیں پاتا مگر غیروں کو تکلیفیں اور ہم مذہبوں کو فائدے وہ پہنچائے جاتے ہیں جن کو دیکھکر بہت سے دل کے کمزور اپنے ضمیر کے خلاف صاحبان اثر کا مذہب اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور اکثر عاجز بندے دل میں جس بات کو حق

(بقیہ بر صفحہ ۱۶۸)

اسلئے اسلام نے ہر طرح سے مسلمانوں کو شائستگی اور خوش اطواری کی تاکید کرنے کے بعد حکم دیا ہے کہ جہاد سے ہاتھ نہ روکو حتیٰ کہ فتنہ و فساد نابود ہو جائے اور دنیا ایسی حالت پر آجائے کہ لوگ دین کو محض خدا کے واسطے اختیار کریں۔ بندوں سے ڈرنے کی یا اُن کو خوش کرنے کی کوئی غرض درمیان میں نہ ہو۔ اگر ایسا نہ کیا گیا اور تعصب کی بیخکنی نہ ہوئی تو نہ صرف مسجدیں بلکہ آتش خانے۔ مندر۔ گرجے اور سب معبد منہدم ہوتے رہیں گے اور کہیں زید و عمرو کا پاس و لحاظ کرنیکے بغیر خدا کا نام لینے کی اجازت نہ ہوگی۔ ارشاد ہے:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (بقرہ پ۲ ع ۲۴)

جہاد کرو حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین خدا کے واسطے ہو۔ اگر باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی کو سزا نہ دینی چاہیئے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (انفال پ۹ ع ۵)

جہاد کرو حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اپنی تمام نوعیتوں میں خدا کے واسطے ہو۔ اگر باز آجائیں تو بہتر ہے۔ خدا تمھارے سب اعمال کو دیکھتا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (حج پ۱۷ ع ۶)

اگر خدا نے لوگوں میں ایک دوسرے کی مدافعت کا قانون جاری نہ کیا ہوتا تو خلوت خانے۔ یہود و نصاریٰ کے معبد اور مسجدیں جنھیں خدا کا بہت نام لیا جاتا ہے سب مسمار کر دئے جاتے۔ اور خدا اُنہی کی مدد کرتا ہے جو اُسکے دین کی مدد کرتے ہیں۔ بیشک اللہ قوی اور غالب ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷) سمجھتے ہیں اپنا نقصان دیکھکر اُسے اختیار نہیں کرتے۔ یہ سب صورتیں مذہبی آزادی کے خلاف اور محض خدا کے واسطے مذہب اختیار کرنے سے مانع ہیں۔ یہ کم سے کم تکلیف دینے کی مثالیں ہیں۔ انتہائی عناد دیکھنا چاہو تو مذہب کو دنیا سے نابود کرنے کی خواہش بھی موجود ہے۔ اور مذہب کو کھلم کھلا مٹانے کی کوشش بھی اسی مہذب زمانے میں ہو رہی ہے۔ مسجدیں مسمار کی جاتی ہیں۔ گرجے بند کیے جاتے ہیں اور خانقاہوں پر قفل لگائے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ہم خدا کو اپنے ملک میں آنے نہ دینگے۔ اور جو لوگ اپنے تئیں مذہبی آزادی کے علمبردار کہتے ہیں۔ اسکے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں کرتے خدا کا وعدہ سچا ہو رہا ہے۔ ہم نے مذہبی مدافعت کا فرض فراموش کر دیا ہے عبادت خانوں کی کوئی عزت باقی نہیں رہی ۱۲+

۲۴- دین تقلید کی مضرت | مذہب کو اختیار کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل جن اشخاص کی عظمت دل میں جاگزیں ہوتی ہے اُن کی محبت یا اُنکے خوف سے اُنکی ہر کونہ روش کو بے غور و تامل اختیار کر لیا جاتا ہے۔ یہ دین تقلید ہے۔ دوئم نادیدہ ہستی کی تلاش کو جو انسانی فطرت میں ودیعت ہے رہنما بنایا جاتا ہے۔ اور اس مطلوب تک رسائی پانے کے جو طریقے مروج ہیں۔ ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور پورے غور و تامل کے بعد اپنے دل کے فتوے سے مروجہ طریقوں میں سے کسی ایک کی طرف یا کسی جدید اور خود ساختہ روش کی طرف قدم اُٹھایا جاتا ہے۔ یہ دین تحقیق ہے۔ خطا و صواب کا احتمال دونوں صورتوں میں ہے۔ اور ممکن ہے کہ انسان بزرگوں کی تقلید میں یا ذاتی غور و خوض سے صحیح روش پر گامزن اور اُس خدا کا معترف ہو جائے جو واقع میں مالک الملک اور صفات کاملہ سے متصف ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں طرح کے عمل سے آدمی کسی عاجز مخلوق کو خدائی صفات سے متصف اور اپنا معبود تصور کرلے۔ اِس لحاظ سے دین تقلید اور دین تحقیق میں کوئی تفاوت نہیں۔ مگر بڑی قباحت دین تقلید میں یہ ہے کہ اسکو ماننے والا اگر غلطی پر عمل پیرا ہے اور نیش کو نوش سمجھ چکا ہے تو اس سے دستبردار ہونے کی توفیق نہیں پا سکتا اور چونکہ اپنی عقل سے کام لینے کی عادت نہیں رکھتا۔ کسی صورت میں اپنے بزرگوں کی روش کو ترک نہیں کر سکتا۔ اِسکے خلاف دل کی آواز پر لبیک کہنے والا اگر غلط رستے پر گامزن ہو گیا ہے تو غلطی معلوم کرنیکے بعد کبھی اسپر قائم نہیں رہ سکتا اور راستی نظر آجائے تو اسکی پیروی کرنے پر مجبور ہوتا ہے پس دنیا اور دین کے تمام فرائض میں یہی طریق عمل مستحسن ہے اور اسلام نے اِسی کی تاکید کی ہے۔ قرآن کریم میں اپنے آباؤ اجداد اور بزرگوں کی روش پر اصرار کرنے والوں کی مذمت اور اپنی عقل سے کام لینے کی ہدایت ہے۔ یہود و نصاریٰ ہر چند اپنے رہنماؤں کو خدا نہیں مانتے تھے مگر ہر ایک اُلٹی سیدھی بات میں اُنکے حکم پر چلتے تھے اسلیئے فرمایا ہے کہ انھوں نے احبار و رُہبان کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَ	جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ حکم خدا کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم اُسیکا اتباع کرینگے جس پر اپنے باپ دادا کو گامزن پایا ہے

لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ (بقرہ پ۲ ع۲۱)

ہرچند اُن کے آباؤ اجداد عقل اور ہدایت سے بے بہرہ ہوں

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ پ۱۰ ع۵)

اُنہوں نے اپنے علماء اور بزرگانِ دین کو اپنا پروردگار سمجھ لیا ہے اور خدا کو چھوڑ دیا ہے۔

اور سب سے پہلی بات جس کا نوعِ انسانی سے مطالبہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ خالی الذہن ہو کر اپنی عقلِ سلیم سے کام لیں اور مویشی کی طرح گلہ بانوں کی اطاعت کو شعار نہ بنائیں۔ ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝ (سبا پ۲۲ ع۱۲)

کہہ دو کہ میں تم کو ایک بات کا مشورہ دیتا ہوں کہ ایک ایک اور دو دو بیٹھ کر خدا کو مان کر غور کرو اور دیکھو کہ ہمارے اِس ناصح کو کوئی جنون ہے یا وہ واقع میں کسی سخت عذاب کے آنے سے ڈراتا ہے۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (اعراف پ۹ ع۲۲)

اُن کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں۔ آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں جن سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے وہ لوگ غافل ہیں۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ (حج پ۱۷ ع۱۵)

کیا وہ دنیا میں سیاحت نہیں کرتے اور ایسے دل کے ساتھ سیاحت نہیں کرتے جس میں عقل بھی ہو اور ایسے کانوں کے ساتھ جنہیں شنوائی بھی ہو۔ یاد رکھو آنکھوں کا اندھا ہونا بڑا نقصان نہیں دل کا اندھا ہونا سخت مصیبت ہے

۲۵- جبراً مذہب پھیلانے کی ممانعت

آیاتِ جہاد میں يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ کے لفظ سے اور دین کی تلاش کو خوشنودیٔ خدا پر منحصر رکھنے سے اِسی رضا کا پیدا کرنا مقصود ہے جس میں مذہب کا تعلق محض خدا اور بندے سے ہو۔ اور خدا کے سوا کسی مخلوق کی رضامندی یا ناخوشی کا

خیال درمیان میں حائل نہو جس قوم میں ایسی بے تعصبی پیدا ہوجائے اُسکے اندر حق کی اشاعت آسان ہوجاتی ہے اور راستی کو دریافت کرنے پر لوگ اسکو حاصل کرنیکے لیئے مضطرب ہوتے ہیں نیک و بد۔ دیندار و بیدین اور مختلف مذاہب کا اختلاف پھر بھی موجود رہتا ہے۔ یہ انسانی طبیعت کا تقاضا ہے اور میلان ہر شخص کا مختلف رکھا گیا ہے۔ یہ متحد نہیں ہوسکتا۔ اور اسکو متحد کرنیکی کوشش انسان پر فرض بھی نہیں کیگئی۔ خدا فرماتا ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ھود)

اگر خدا چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی طبیعت پر پیدا کرتا اور سب باہم متحد ہوتے مگر ایسا نہیں ہوا اور لوگ ہمیشہ مختلف رہینگے البتہ جنپر خدا کا رحم ہوگا انمیں اختلاف باقی نہ رہیگا انسان

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ پ۳)

خدا کسی شخص پر کوئی فریضہ اسکی طاقت سے زیادہ عائد نہیں کرتا

انسان کے امکان میں صرف یہی ہے کہ زبردستی یا صاحبانِ اثر کے اقتدار سے جو مجبوریاں اپنے خیال پر قائم رہنے یا جدید روش کو اختیار کرنے میں پیش آتی ہیں اُنکو رفع کردیا جائے۔ اور اس مدعا کو پورا کرنے میں جو مزاحمت پیش آئے اُسکو دفع کرنے کی سعی میں مصروف رہیں۔ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ سے اسکے سوا کوئی مطلب نہیں ہوسکتا اور تمام دنیا کو جبرًا مسلمان کرنے اور ناممکن کو ممکن بنانے کا فریضہ مسلمان پر عائد نہیں ہوسکتا۔ قرآن کریم نے صریح الفاظ میں دین کے بارے میں جبر کرنے سے منع فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے کہ گمراہی اور ہدایت کا طریق واضح کردینے کی ضرورت تھی جو پوری ہوچکی۔ اب آدمی چاہے ایمان لائے چاہے کافر ہے:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (بقرہ پ۳ ع ۳۴)

دین میں کوئی جبر نہیں راہ راست اور کجروی کا تفاوت روشن ہوچکا۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف پ۱۵ ع ۴)

حق تمھارے رب کی طرف سے آچکا۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر ہے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ

اگر خدا چاہتا تو سب دنیا والے ایمان لے آتے تو کیا

كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ (یونس پ۱۱ ع ۱۰) (اے محمدؐ) تم لوگوں کو مجبور کروگے کہ وہ ایمان لے آئیں؟

اور خود جہاد کے احکام میں فرمایا گیا ہے کہ لوگ ٹیکس دینا منظور کریں اور اطاعت پر رضامند ہوں تو جدال و قتال کو بند کرو۔ اور یہ بھی نہ ہو اور دشمن کسی قسم کا معاہدہ کرنا اور مصالحت سے رہنا چاہے تو اسکی درخواست کو رد نہ کرو۔ یہ الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ جہاد سے سب کو جبراً مسلمان بنانا مقصود نہیں ورنہ اطاعت اور مصالحت کی صورت میں انکو اپنی روش پر قائم رہنے کی اجازت نہ دیجاتی ارشاد ہے:

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صٰغِرُونَ ۝ (توبہ پ۱۰ ع ۴) جہاد کرو ایسے لوگوں سے جو اہل کتاب ہونے کے باوجود خدا پر اور قیامت پر یقین نہیں رکھتے۔ خدا اور رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے دین حق کی پیروی نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ وہ جزیہ دینا قبول کریں اور ماتحت ہو کر رہیں۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ (انفال پ۱۰ ع ۸) اگر وہ مصالحت کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مصالحت پر آمادہ ہو جاؤ۔ خدا سُننے والا اور جاننے والا ہے۔

۲۶۔ رفع فساد کی دو صورتیں آیاتِ بالا میں اطاعت کی شرط ایسے لوگوں کے لیئے رکھی گئی ہے جو خدا کو مانتے نہیں۔ جزا و سزا پر یقین نہیں رکھتے، حلال و حرام کی پروا نہیں کرتے اور حق و باطل کا تفاوت نہیں سمجھتے۔ ایسے وحشیوں کی اصلاح کسی زبردست حکومت کی قیادت میں رہنے کے سوا نہیں ہو سکتی۔ اور آزاد رہیں تو کسی قسم کا فتنہ و فساد نہیں جسکی ان سے توقع نہ ہو۔ مگر اس آیت میں اہل کتاب کا لفظ لاکر ظاہر کرنا مقصود ہے کہ آسمانی کتابوں کو مانتے ہوئے اور ایمان داری کا دعوےٰ کرتے ہوئے بھی شیطان ایسا گمراہ کر سکتا ہے کہ آدمی پورا شیطان بن جائے اور ایمان کا کوئی اثر دل میں باقی نہ رہے۔ زمانۂ رسالت میں عرب کے اندر رہنے والے اہل کتاب میں جیسی گمراہی تھی

ناپاکی پھیلی ہوئی تھی اُسکا قرآن کریم میں علی الاعلان ذکر ہوا ہے اور اسلام کے دشمنوں کو جو ہر طرح مسلمانوں کے درپئے آزار رہتے تھے۔ قرآن کریم کے ان اعلانوں کو غلط کہنے اور اہل کتاب کی حمایت کرنے کی جرأت نہیں ہوئی اور جسقدر الزام اُنپر قائم کئے گئے ہیں اُنکی تردید کسی دشمن اسلام کی طرف سے نہیں ہوسکی اُن کا دعوٰے تھا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اُسکے محبوب ہیں:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (مائدہ پ۶ ع ۳)

اُن کا دعوٰے تھا کہ ہم کو دوزخ میں اگر ڈالا بھی گیا تو گنتی کے چندروز رہیں گے پھر نکال لیئے جائینگے:

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً (بقرہ پ۱ ع ۹)

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ (آل عمران پ۳ ع ۳)

اپنی آسمانی کتابوں کو جانتے اور سمجھتے تھے مگر اپنے مطلب کے موافق غلط معنی نکال لیا کرتے تھے:

ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ (بقرہ پ۱ ع ۹)

جو چاہتے تھے لکھ لیا کرتے تھے اور یہ کہکر سنادیا کرتے تھے کہ یہ خدا کا کلام ہے:

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ (بقرہ پ۱ ع ۹)

ان میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے سامنے اُن کی کتاب کا کوئی صحیح حصہ پڑھ دیتا تھا تو اُسے خلوت میں ملامت کرتے تھے کہ ایسی بات کیوں سناتے ہو جس سے ہمارے طرزِ عمل پر اعتراض آئے:

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ (بقرہ پ۱ ع ۹)

مسلمانوں سے ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم ایماندار ہیں کیونکہ توحید کے قائل ہیں اور انہی پیغمبروں کو مانتے ہیں جنکو تم مانتے ہو۔ مگر مشرکین اور بت پرستوں سے ملتے تھے تو کہتے تھے کہ مسلمانوں کی نسبت تمہارا دین اچھا ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ

لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ۝ (نساء، پ ۵ ع ۸)

خدا کے عذاب سے ایسا بیخوف ہونے. خدا کے احکام کو اس بیدردی سے پامال کرنے، ہر حالت کے اندر اپنی ناجائز خواہشوں کو پیش نظر رکھنے اور منافقانہ چالوں سے ہر فریق کے ساتھ ملے رہنے کا نتیجہ یہ تھا کہ اِدھر مسلمانوں سے اتحاد اور معاونت کے معاہدے کرتے تھے۔ اُدھر مسلمانوں کے حالات سے دشمنوں کو آگاہی دیتے رہتے تھے اور حملہ آور ہونے کے لیئے برانگیختہ کرتے رہتے تھے اور وقت پر سب عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھکر خونریزی اور غارت گری کے لیئے دشمن کے ساتھ شریک ہوجاتے تھے۔ عملی حالت یہ ہو اور ہمسایوں کی جان و مال کے لیئے ایسے خطرناک دشمن ہوں تو انکا صحیح علاج یہی ہے جو فرمایا گیا ہے:

وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ (توبہ پ ۱۰ ع ۲)

اگر وہ لوگ معاہدے کے بعد اپنی قسم توڑ دیں اور ہمارے مذہب پر طعن کرنے لگیں تو ان سردارانِ کفر سے جنگ کرو انکی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں انکی شرارت کا یہی علاج ہے۔

مگر چونکہ مدعا اسیقدر ہے کہ وہ شرارت سے باز آئیں۔ اسلیئے اگر وہ اطاعت کا اعتراف کریں اور ماتحت ہوکر رہیں تو بانظام حکومت انکی نگرانی سے عاجز بھی نہیں آسکتی۔ اس صورت میں تلوار روک کر انکو اُن کے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دیدی جائے گی۔ اور اگر یہ بھی نہ کریں اور حدود ملک سے نکلنے پر آمادہ ہوں تو بھی اُنکی شرارت سے نجات مل سکتی ہے۔ اِنکو جلاوطن کرنے کا حکم موجود ہے اور جیسا تقاضائے وقت اور اُنکے طرز عمل کا نتیجہ ہو۔ اُنکی جائداد کے لیئے مناسب اور فیاضانہ انتظام کرنے کی صورتیں قرآن و حدیث اور زمانۂ رسالت اور صحابۂ کرام کے تعامل سے روشن ہوچکی ہیں۔ اور یہ اطاعت اور جلاوطنی کی قید بھی ایسے شریروں کے واسطے ہی جو ایماندار کہلوا کر ایمان اور خوف خدا سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے اور مکاری کی وجہ سے زیادہ خوفناک دشمن ہیں ورنہ اور لوگ جو ایسی سازشوں اور خفیہ ریشہ دوانیوں کے خوگیر نہ ہوں اطاعت پر بھی مجبور نہیں ہیں۔ وہ فتنہ پردازی اور مذہبی عناد سے باز رہنے کا اعتراف کریں اور مصالحت کرنا چاہیں تو تاکید ہے کہ انکی درخواست کو قبول کرلیا جائے

ارشاد ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (انفال ۱۰)　اگر وہ لوگ مصالحت کی طرف مائل ہوں تو تم بھی آمادہ ہو جاؤ۔ خدا سنتا ہے جانتا ہے۔

دھوکے اور فریب کا احتمال سب کی نسبت ہے مگر جن لوگوں کی یہ عادت پختہ ہو چکی ہے اُنکی نسبت ارشاد ہے کہ جب عہد شکنی کی علامات دیکھو تو فوراً آگاہ کر دو کہ اب ہم بھی معاہدے کے پابند نہ رہینگے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝ (انفال پ۱۰ ع ۷)　اگر کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو معاہدے کو واپس کر دو اور برابر ہو جاؤ۔ خدا خیانت کاروں کو پسند نہیں کرتا۔

لیکن اور لوگوں کے لیٔے ارشاد ہے کہ مصالحت کا ہاتھ بڑھائیں تو فریب کا اندیشہ نہ کرو۔ تم صاف ہو تو خدا مددگار ہوگا:

وَاِنْ يُّرِيْدُوْآ اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (انفال پ۱۰ ع ۸)　اگر وہ فریب کا ارادہ کریں تو تمھارا خدا کافی ہے اُسی نے تم کو اپنی امداد سے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے فائدہ پہنچایا۔

۲۷۔ جنگ کی شکل | ایسی تمام مجبوریوں کے اندر جن میں مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے کا حکم دیا گیا ہے جنگ کی جو شکل تجویز کی گئی ہے اسمیں کسی موقع پر اُس طرز عمل کی اجازت نہیں دی گئی جو خوفناک معرکوں میں اکثر فتحیاب اختیار کرتے ہیں یعنی دشمن پر غالب آتے ہیں تو بپھرے ہوئے شیر کی طرح اُنکی بستیوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور قتل عام سے خون کے دریا بہا دیتے ہیں۔ بچے اور بوڑھے، مرد اور عورت کسی کو حملہ آوروں کے ہاتھ سے پناہ نہیں ملتی۔ یہ سب افعال اسلامی اصول کے مطابق ناجائز ہیں۔ حکم ہے کہ قصاص لیے یا فساد کی سزا دینے کے بغیر اگر کوئی شخص کسی ایک شخص کو بھی قتل کرتا ہے تو ایسا مجرم سمجھا جاتا ہے گویا اس نے تمام نوع انسانی کو قتل کر دیا۔ اور جو شخص کسی ایک انسان کو بے وجہ قتل ہونے سے بچاتا ہے تو ایسا اجر پاتا ہے گویا اس نے تمام ہی نوع

کو محفوظ رکھنے کی خدمت ادا کی:

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ (مائدہ پ ع ۵)

ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ جو کسی کو بغیر قصاص یا فساد کے قتل کرے گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جو کسی کی جان بچائے گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی۔

اِس مبارک حکم کی مصلحت سمجھنے میں دشواری نہیں۔ بے وجہ قتل کا ارتکاب کرنے والا اگر سزا سے محفوظ رہے تو خود بھی دلیر ہوگا اور دیکھنے سننے والوں کو بھی دلیر کرے گا۔ اور تمام دنیا کو بلا میں مبتلا کرنے کا باعث ہوگا۔ اسی طرح جو شخص جرم کے جذبے کو پیدا ہوتے ہی دبا دے گا اور اقدام سے باز رہیگا اسکی یہ اخلاقی جرأت اُسکو اور نیز اُسکا اثر قبول کرنے والوں کو اپنے جذبات پر قابو پانے کا سبق دے گی اور اسکی نیک مثال دنیا میں امن پھیلانے کا ذریعہ ہوگی۔ اِس حکم کو روشن کرنیکے لیئے محسن عالم جناب رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہدایت کی ہے کہ جنگ کے موقع پر صرف اُنہی لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت ہے جو فساد کے بانی ہوئے ہوں اور تلوار اٹھاکر یا فوج کشی کی تدبیروں میں مشورہ دے کر امن عامہ میں خلل انداز ہوتے ہوں اور اُن میں بھی اگر کوئی غلام یا خادم ہو جو اپنے آقا کی اطاعت میں شریک جنگ ہوا ہے اگر حملہ کرتا ہوا قتل کیا جائے تو اور بات ہے۔ ورنہ حقیقت میں وہ سزائے قتل کا مستوجب نہیں۔ عورتوں کو۔ بچوں کو، بوڑھوں کو، گوشہ نشینوں کو اور مذہبی خدمت کرنے والوں کو قتل نہ کیا جائے گا۔ قتل کرنے کے بعد مقتول کیسا ہی شریر اور مفسد ہو اسکی لاش کو رسوا کرنا اور شکل کو بگاڑنا جائز نہ ہوگا۔ شہروں کو جلایا اور منہدم نہ کیا جائے گا۔ پھل دار درختوں کو کاٹنے اور کھیتوں کو جلانے کی اجازت بغیر کسی سخت مجبوری کے نہ ہوگی۔ اور جان و مال کو ایسا کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا جسکے لیئے مصلحت اور ضرورت داعی نہ ہو۔

۲۸۔ اطاعت کے بعد مسلمان ہوجانے کی صورت گزشتہ دفعات میں دیکھا گیا ہے کہ (۱) اگر مسلمان دشمن کی قید میں ہوں اور رہائی کیلیئے مدد طلب کریں (۲) کسی قوم نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو

(۳) مسلمانوں کو بلاوجہ تکلیف دی ہو اور ہجرت پر مجبور کیا ہو (۴) دشمن اسلامی ممالک پر حملہ آور ہوا ہو (۵) ہمسایہ ممالک میں فتنہ و فساد رہتا ہو (۶) یا مذہبی آزادی کے خلاف اقدام کیا جاتا ہو تو ان سب صورتوں کے اندر اگر قومی اور مذہبی اغراض میں کامیاب ہونے کے لیئے کوئی مصالحانہ صورت پیدا نہ ہو سکے تو جارحانہ اقدام فرض ٹھہرایا گیا ہے۔ مگر زمانہ جنگ میں اور اس سے پہلے یا پیچھے حد ضرورت سے تجاوز کرنے اور انصاف کو چھوڑنے کی ممانعت ہے۔ کوئی معاہدہ ہو چکا ہو تو ضرورت داعیہ کیسی شدید ہو شرائط معاہدہ کی خلاف ورزی سے روکا گیا ہے۔ اثنائے جنگ میں یا کسی اور حالت میں دشمن صلح کی درخواست کرے تو اسکو قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بلاضرورت جان و مال کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں۔ ان سب احکام کو دیکھنے کے بعد یہ سوال خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ کسی قوم کو جدال و قتال کے بعد یا کسی معاہدے کے رو سے اپنی اطاعت میں لیلیا گیا ہے اور ایک عرصے کے بعد یقین پیدا ہو گیا ہے کہ وہ صلاحیت اور امن کے ساتھ رہنے کی خوگیر ہو گئی ہے اور بغاوت۔ فریب یا فتنہ و فساد کا اُسکی طرف سے اندیشہ نہیں تو آیندہ اُسکے ساتھ سلوک کیا جائے یعنی اب وہ دو حالتوں سے خالی نہیں رہ سکتے ایک یہ ہے کہ وہ لوگ ماتحت رہنے کی صورت میں اسلام قبول کرلیں اور احکام دین کو بجالانے لگیں۔ اس صورت میں وہ اسلامی برادری کے اندر ہیں اسمیں کوئی شبہ نہیں۔ اور ان میں اور اُن مسلمانوں میں جو اُن پر حاکم ہیں کسی امتیاز اور تفریق کی گنجائش نہیں۔ ارشاد ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ (توبہ پ ۱۰ ع ۱)

اگر کفار توبہ کریں اور نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تمھارے دینی بھائی ہیں۔

اب ان میں اور اُن کے حکام میں مساوات پیدا ہو جائے گی کیونکہ اسلامی حکومت ہو اور احکام اسلام کے مطابق ہو تو اس میں شاہ و رعیت کی قسم کا کوئی رشتہ تسلیم نہیں ہوا۔ خود جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جو روحانی اور جسمانی ہر طرح کی برتری اور عظمت کا اعلیٰ ترین پایہ رکھتے تھے قوم کے ساتھ ہر کام میں مشورہ کرنے کا حکم ہے اور مسلمانوں کا یہ خاصہ بتایا گیا ہے کہ اُن کے کاروبا

باہمی مشورے سے طے ہوا کرتے ہیں:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران پ۴ ع۷)

یہ خدا کی رحمت ہی کہ تم نرم بنائے گئے ہو۔ اگر تم جابر و سخت دل ہوتے تو لوگ تمہاری رفاقت سے بھاگتے پس انکی کوتاہیوں کو معاف کیا کرو اور کاروبار میں ان سے مشورہ لیا کرو اور جب کسی کام کا پختہ ارادہ کرو تو خدا پر توکل کرو

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (شوریٰ پ۲۵ ع۴)

اور (ثواب آخرت ان لوگوں کے واسطے ہی) جو اپنے رب کے احکام قبول کرتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں۔ کاروبار باہمی مشورے کرتے ہیں اور ہمارا دیا ہوا رزق ہمارے رستے میں

آیت اول میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مشورے کا پابند ہونے کے بعد جو امتیاز تجویز کیا گیا ہے وہ وہی ہے جو موجودہ زمانے میں کسی انجمن کے صدر کو حاصل ہوتا ہے یا اس سے بڑھ کر خیال کیا جائے تو کسی بادشاہ کو ویٹو کے نام سے دیا جاتا ہی یعنی مشورہ لینے اور غور و تامل کرنیکے بعد اگر وثوق کے ساتھ کوئی خیال بہتر معلوم ہو تو مشورے کی پوری پابندی کے بغیر بھی توکلاً علی اللہ اُسپر عمل کر لیا جائے۔ بس اسیقدر اختیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین یعنی خلیفۂ وقت اور مرکزی حکومت کے صدر کو حاصل ہوگا۔ اور مسلمان جماعتوں کا فرض ہوگا کہ مرکزی حکومت کے ساتھ تعلق قائم رکھیں اور اندرونی انتظام میں خود مختار اور باہمی مشورے پر عمل پیرا ہوں۔

۲۹- اطاعت کے بعد اپنے مذہب پر قائم رہنے کی صورت | اطاعت کے بعد دوسری شکل یہ ہو سکتی ہے کہ فرماں بردار قوم اپنے مذہب پر قائم رہے مگر اور سب طرح سے تربیت اور اصلاح کا اثر لے کر اس پسند ہو گئی ہو اگر وہ کسی آئینی طریق سے آزاد ہونا چاہے تو جب دشمنوں کی درخواست مصالحت کو رد کرنے کی ممانعت ہی تو دوست قوم سے نیک سلوک کرنے میں کیا تامل ہو سکتا ہی جو شرائط مناسب ہونگی طے کر لی جائیں گی۔ اُس قوم کے چند افراد مسلمان ہو گئے ہونگے اور اُنکے ساتھ رہنا

جاہیں گے تو اُنکی مذہبی آزادی کے حقوق منوائے جائیں گے۔ اور جب تک وہ لوگ اپنے معاہدے پر ثابت قدم رہیں گے اُن سے کوئی پرخاش نہ ہوگی۔ اور جو شرائط طے کرلی جائیں گی مسلمانوں پر اُنکی پابندی فرض ہوگی۔ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (مائدہ ع۱) — اے ایمان والو! اپنے معاہدوں کو پورا کرو۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ إِنَّ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (توبہ پ۱۰ ع۱) — مشرکین سے تمہارا کوئی تعلق نہیں سوائے اُنکے جنسے تم نے معاہدہ کیا ہو اور اُنکی طرف سے پابندی میں کوئی کوتاہی نہ ہو اور انھوں نے تمہارے خلاف کسی دشمن کو مدد نہ دی ہو تو اُن کا عہد میعاد معاہدہ تک پورا کرو۔ یہ تقویٰ ہے اور خدا تقویٰ والے

معاہدے کے بعد اگر بالفرض وہ لوگ بغاوت اور بدعہدی کریں تو حق تعالے نے مسلمانوں کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ نصرت کی شرطیں بیان فرمادی ہیں کہ جو مسلمان ہم عہد قوم کے قرب وجوار میں رہتے ہیں وہ کسی قسم کی شرارت نہ کریں جو مسلمان ہم عہد قوم کے ساتھ رہتے ہیں وہ دل آزاری کے مرتکب نہ ہوں اور پھر بھی اُنسے بدسلوکی اور عہد شکنی کیجائے تو نصرت خداوندی ضرور صداقت والوں کے ساتھ ہوگی۔ لیکن اگر مسلمان خود ناپاک اطوار اور بد عادات کے خوگیر ہوجائیں اور انکے اور نامسلمانوں کے اخلاق میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے تو اُس وقت یہی ہوگا جو ہمارے زمانے میں ہوتا ہے کہ اُنپر اُنکے قصور سے زیادہ ظلم ہو جب بھی خدا کی طرف سے کوئی امداد نہ ہوگی۔ دنیوی قاعدے کے موافق کبھی مسلمانوں کو کسی مدعا میں کامیابی حاصل ہوجایا کرے گی تو کبھی اغیار ایسی ہی کامیابی کا لطف اٹھایا کرینگے۔ اور اکثر یہ ہوگا کہ اغیار زیادہ کامیاب رہیں گے۔ اور ظلم کرینگے بھی تو قدرت کی طرف سے بازپرس نہ ہوگی۔ کیونکہ مسلمانوں کو شہدا یعنی نمونہ بننے کے لیے بھیجا گیا ہے یہ غرض پوری نہ کرینگے تو غضب کے مستحق ٹھہرینگے۔ اور جنپر خدا کا غضب ہو وہ تکالیف سے کیونکر نجات پاسکتے ہیں:

وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ۝ (انعام پ۸ ع۹) — خدا کا غضب مجرم قوم سے دور نہیں ہوسکتا۔

وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ (یوسف ۱۱۰) ہمارا غضب مجرم قوم سے رفع نہیں ہو سکتا۔

۳۰۔ پیدائشی حق دنیا میں جنگ جدال بھی ہوتا رہا ہے غیروں پر حکومت بھی ہوتی رہی ہے اغیار کا قبضہ اٹھانے کی کوشش بھی ہوتی رہی ہے۔ اور آجتک سب کچھ ہو رہا ہے اور کسی حملہ آوری کو ظلم کسیکو مصلحت کسی قبضے کو جبر کسیکو ضرورت۔ اور کسی مقابلے کو حق آزادی اور کسیکو بغاوت کہتے آئے ہیں۔ ہمارے زمانے میں خیالات کے اندر انقلاب ہوا ہے تو ایک نیا عقیدہ پیدا ہو گیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آزادی ہر شخص کا پیدائشی حق ہے۔ اس اصول کو مان کر نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ نہ کسی قوم کو دوسری قوم پر حملہ آور ہونا چاہیئے۔ نہ ایک کو دوسرے پر حکومت کرنی چاہیئے۔ یہ اصول بالعموم تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور ماتحت قومیں بالخصوص اسپر زور دینے لگی ہیں۔ دیکھنا چاہیے کہ اس اصول میں کہانتک صداقت ہو؟ پیدائشی حق کیا چیز ہے؟ اور آزادی کے علاوہ اور کون سے حقوق ہیں جنکو پیدائشی کہہ سکتے ہیں؟ اس نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان پیدا ہوتے ہی جس چیز کا دعوٰے کر سکتا ہے وہ ہوا میں سانس لینے کا استحقاق ہے۔ بچے کو رونے کا استحقاق ہے، ہوش سنبھالنے کے بعد بولنے کا استحقاق ہے، شارع عام پر چلنے پھرنے کا استحقاق ہو، ان چیزوں کو پیدائشی استحقاق اور ان میں مزاحمت کرنے والے کو ظالم کہہ سکتے ہیں۔ مگر کبھی انسان پر ایسا وقت آجاتا ہے کہ اُسکے گلے میں پھانسی کا رسّا ڈالکر سانس لینے کے استحقاق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور اسے عین انصاف کہا جاتا ہے۔ اور ہوش سنبھالنے کے بعد ایسے چیخنے بولنے اور چلنے پھرنے سے بھی روکا جا سکتا ہے جو دوسروں کے لیئے تکلیف کا باعث ہو۔ انکے علاوہ اور کوئی بھی ضرورت نہیں جسکو استحقاق کہا جائے۔ حتیٰ کہ سانس لینے کے بعد سب سے زیادہ ضروری چیز رہنے کے لیئے زمین اور پینے کے لیئے پانی ہے مگر انکو بھی انسان آزادی کے ساتھ مہیا نہیں کر سکتا بے خانمان آدمی کہیں بسنا چاہے۔ خانہ بدوش قوم کہیں آباد ہونا چاہے بلکہ آوارہ گرد فقیر گھڑی بھر کے لیئے آرام کرنا چاہے۔ خانہ بدوش شب باش ہونا چاہے تو زمین پر قبضہ رکھنے والے انکو روک سکتے ہیں۔ پانی جو کسی کی ملکیت میں ہو بلا اجازت پیا نہیں جا سکتا۔ بلکہ قبضہ کرنے والوں نے

دریاؤں اور سمندروں پر بھی ملکیت قائم کر رکھی ہے۔ دشمن کو دریا کا پانی لینے سے اور سمندر میں آمد و رفت کرنے سے روک دیتے ہیں اور ایسی مزاحمت کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ جب ضروریاتِ زیست کی یہ کیفیت ہو تو اور کونسی چیز ہے جسکو پیدائشی حق کہا جائے۔ حق پیدائشی چیز ہی نہیں وہ ہمیشہ ہمت اور قوت سے پیدا کیا جاتا ہے اور ہمت اور قوت نہ رہے تو زائل ہو جاتا ہے۔

آزادی اور غلامی

آزادی کی بھی یہی کیفیت ہے۔ بچہ اپنی خواہشوں میں آزاد نہیں ہو سکتا۔ ہوش سنبھالکر اور جوان ہو کر بھی تعلیم و تربیت کیلئے سرپرستوں کی نگرانی میں رہتا ہے۔ اسکے بعد بھی اگر دیوانہ ہو اور شورہ پشتی کرے تو قید میں رکھا جاتا ہے۔ قومیں بھی بچپن اور جوانی کے مرحلے طے کرتی ہیں۔ اصلاح اور تربیت کی محتاج ہوتی ہیں۔ دیوانگی میں شورہ پشتی کرنے لگتی ہیں ہر حالت میں آزاد رہیں تو دنیا کو امن نہیں مل سکتا۔ ایک حالت میں انکو پوری قید اور بندش میں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک حالت میں ماتحتی اور محکومی کا بار اٹھاتی ہیں۔ یہ سب کام ظلم سے بھی کئے جاتے ہیں۔ اور خیر اندیشی کے طور پر بھی ہوتے ہیں۔ آج کہنے کو غلامی کی رسم دنیا سے مٹا دیگئی ہے مگر حقیقت میں سب کچھ ہو رہا ہے۔ جرائم پیشہ اقوام کو محدود رقبوں میں آباد کیا جاتا ہے۔ جبراً خاص خاص کاموں پر لگایا جاتا ہے۔ دن کو کام کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ رات کو حاضری شمار کی جاتی ہے۔ یہ غلامی نہیں تو کیا ہے مگر انکی حالت کے لیئے مفید ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ جو چیز دستیاں صریحاً ظلم اور سنگدلی سے کی گئی ہیں قومی عقل و شعور کے بعض درجات میں وہ بھی آخر کار مفید ثابت ہوئی ہیں۔ امریکا کے جنگلوں کو بسانے کے لیئے حبشیوں کے گلے جہازوں میں بھر کر لیجاتے رہے ہیں اور بیشمار تکلیفیں دیتے رہے ہیں انکی اولاد غلامی کی ماریں کھاتی رہی ہے مگر ایسے لوگوں میں رہ کر پلی ہے جو عقل و شعور میں اُنسے بہتر تھے۔ فیضِ صحبت اثر دکھاتا ہے اور آج افریقا اور امریکا کے حبشیوں میں جانور اور انسان کا تفاوت نظر آتا ہے۔ افریقا میں آزاد رہے ہیں ظلم و جور سے محفوظ رہے ہیں اور وحشی رہے ہیں۔ امریکا میں ماریں کھاتے رہے ہیں، زندہ جلائے جاتے رہے ہیں، طاقت سے زیادہ کام دیتے رہے ہیں، بھوک سے کم خوراک لیتے رہے ہیں مگر انکی اولاد میں

بڑے بڑے کارخانوں کے مالک ہیں۔ بڑے بڑے منصبوں پر فائز ہیں۔ تاجر بھی ہیں۔ اہل تصنیف بھی ہیں۔ اخبار نویس بھی ہیں۔ قانون دان بھی ہیں۔ انجمنیں بناتے ہیں۔ اپنے حقوق منواتے ہیں اپنی حالت کا احساس رکھتے ہیں۔ اپنی حیثیت بڑھاتے جاتے ہیں۔ اور تہذیب و تمدن کے ہر شعبے میں اعلیٰ کے درجے تک پہنچتے جاتے ہیں۔ یہاں دیکھو ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر جاہل اور جنگجو قومیں آباد ہیں جن کا ایک حصہ آزاد ہے۔ اور ایک حصہ انگریزی سلطنت میں تمام ہندوستان سے زیادہ بے آئین حکومت برداشت کر رہا ہے۔ آزاد حصہ اپنی قدیم عادات پر قائم ہے۔ محکوم حصہ علم و ہنر اور تہذیب و شائستگی کے فیض سے بہرہ ور ہوتا جاتا ہے۔ امریکا میں بدترین غلامی کی شکل تھی۔ ظلم بیشمار تھا مگر جمہوریت کی روح مساوات عام کا جذبہ پیدا کرتی جاتی تھی۔ حبشیوں نے بہت ترقی کی۔ یہاں وہ ظلم نہیں ڈھائے گئے تو شاہ و رعیت کے رشتے نے مساوات کی روح بھی پیدا نہ ہونے دی ترقی کم ہوئی۔ ان دونوں کے خلاف جن لوگوں نے غلاموں کے ساتھ برابری کا سلوک کیا ہے اور نرمی اور احسان کا برتاؤ رکھا ہے۔ انکے غلام یہاں تک ترقی کر گئے ہیں کہ بعض حالات میں شاہوں نے انکو اپنا داماد اور ولیعہد قرار دیا ہے۔ بعض حالات میں ہر ایک نے تاج شاہی انکی خدمت میں پیش کیا ہے اور بعض حالات میں وہ تخت پر قابض ہو گئے ہیں تو طرز حکمرانی سے بہترین بادشاہوں میں شمار ہوئے ہیں۔ نہایت صحیح ہے وہ مقولہ جو جان سٹوآرٹ مل کی کسی تصنیف میں نظر آیا تھا کہ "تہذیب کے بعض درجوں میں غلامی بھی مدارج برتری پر فائز کرنے کے لیئے مفید ثابت ہوتی ہے۔"

مختلف برتاؤ کی ضرورت | مگر ہاں یہ ضرور ہے کہ تمام حالات کے لیئے کوئی ایک قانون وضع ہونا چاہیئے۔ نہ حملہ آوری کو یک قلم موقوف کرنا چاہیئے کہ فتنہ پرداز قومیں بھی آزاد رہیں۔ نہ ہر رذیل و شریف کے لیئے یہ دستور ہونا چاہیئے کہ مغلوب ہو کر غلام بنیں اور ہمیشہ غلام رہیں۔ نہ محکومی کی زنجیر کو ایسا مضبوط کرنا چاہیئے کہ کاٹے نہ کٹے۔ نہ آزادی پر ایسا فریفتہ ہونا چاہیئے کہ شریر سزا پانے کے بعد مطلق العنان ہو کر پھر فساد برپا کرتے پھریں۔ موقع و محل کو دیکھنا چاہیئے۔ اور فریق ثانی کی اہلیت اور حیثیت کے مطابق سلوک روا رکھنا چاہیئے۔

آمادگی اور چستی | جن لوگوں کو قتل و غارت سے پرہیز نہو۔ فتنہ پردازی سے اجتناب نہو اور جہاں قول و فعل کی آزادی نہو۔ افہام و تفہیم کارگر نہو۔ وہاں مقابلے میں سستی اور نرمی کیجائے تو وہ دلیر ہونگے۔ صلح جوئی کی گفتگو کو کمزوری پر محمول کرینگے۔ ان سے زبان تیغ کے سوا بات نہ ہونی چاہیئے شرارت کے انسداد میں کوتاہی نہ کرنی چاہیئے۔ جو لوگ تہذیب کے اعلیٰ درجے پر فائز اور امن عام کے خواہشمند ہوں اُن کا فرض ہے کہ ایسے موقع پر دلیرانہ اقدام کریں اور بیباکانہ حملہ آور ہوں کہ خدائی امداد کے مستحق وہی ہیں جو اپنی طرف سے آمادگی میں قصور نہ کریں۔ ارشاد ہے:

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ ۖ وَأَنتُمُ	جبکہ تم برتر ہو تو سستی نہ کرو۔ صلح کی سلسلہ جنبانی نہ کرو
الْأَعْلَوْنَ ۖ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ	خدا تمہارے ساتھ ہے تمہارے
أَعْمَالَكُمْ ۝ (محمد پ ع)	انعام میں کمی نہوگی۔

حملہ آوری | حملہ آوری کی اثنا میں اور فتحیابی کے بعد جو سلوک ہونا چاہیئے اسکی تمام شکلوں کو جامع اور مختصر الفاظ میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ	جب کفار سے مقابلہ ہو تو گردنیں اُڑاؤ۔ جب اُنکو عاجز
إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا	کردو تو گرفت کو مضبوط کرو۔ پھر یا احسان کردو اور
مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ	چھوڑدو۔ یا تاوان لیکر رہا کردو۔ حتےٰ کہ جنگجو اپنے
أَوْزَارَهَا ۚ (محمد پ ع)	ہتیار رکھدیں۔

خونریزی اور تصرف | جنگ کے معنی ہیں شمشیر زنی اور مرد افگنی۔ حملہ آور وہی ہو سکتا ہے جو خونریزی میں بیباک ہو۔ تلوار چلانے کے وقت ہاتھ اور قتل کرنیکے وقت دل کانپنے لگے تو وہ رحم نہیں بزدلی ہے۔ اور خونریزی کے بعد فتحیاب وہی ہے جو دشمن پر غالب آکر گریز اور پناہ کا موقع نہ دے اور ملک اور اہل ملک پر ایسا تصرف کرے کہ کسیکو اُسکی حکومت سے روگردان ہونے کی طاقت نہو۔ اس حکم کو گرفت کی سختی سے تعبیر کیا ہے مگر نہ اسکی کیفیت کو معین کیا ہے نہ میعاد کو کیونکہ اختلاف حالات اور اختلاف عادات سے مختلف شکلیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

سزائے قتل | مغلوب دشمن کے بعض افراد ایسے شریر ہوتے ہیں کہ جب تک زندہ رہتے ہیں ظلم، شرارت اور فتنہ پردازی سے باز نہیں آتے۔ ایسے لوگوں کی گردن اڑانے کے سوا کوئی علاج نہیں آجکل بھی ایسے لوگوں کو گرفتار کرنیکے کورٹ مارشل گولی سے اڑانے کا فیصلہ کرتا ہے۔

غلامی | بعض افراد اور بعض قومیں وحشت جہالت اور مجرمانہ عادات میں ایسی پختہ ہوتی ہیں کہ بے لگام چھوڑا جائے تو اپنی حالت کو درست نہیں کر سکتیں۔ انکو سخت نگرانی میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس غرض کے لیئے اسلامیوں کے جمہوری نظام میں ایک ایک دو دو افراد کو ہر شخص کی تحویل میں دے دیا جاتا تھا۔ نابالغوں کو انکے سرپرستوں سے جدا نہیں کیا جاتا تھا اور انکی نسبت جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک الفاظ میں یہ حکم تھا کہ کھانا وہی دو جو خود کھاؤ اور کپڑا وہی پہناؤ جو خود پہنو۔ کام انکی طاقت سے زیادہ نہ لو۔ اور سخت کام پر لگاؤ تو خود کام کرنے میں شریک رہو۔ موجودہ تمدن میں ایسے لوگوں کو علیحدہ بستیاں بنا کر دن کے وقت کام اور رات کیوقت حکومت کے انتظام میں رکھا جاتا ہے۔ انکی محنت کا ثمر کچھ انکو دیا جاتا ہے اور کچھ مصارف نگرانی کے لیئے پس انداز کر لیا جاتا ہے۔ پہلی شکل کو غلامی کہتے تھے۔ دوسری شکل اسیری ہے۔ کئی کئی نسلیں غلامی میں بھی بسر ہو سکتی تھیں۔ اسیری میں بھی بسر ہوتی ہیں۔ دیکھنے والے باہمی تفاوت معلوم کر سکتے ہیں۔

محکومی | جو لوگ معاندانہ جذبات رکھتے ہوں مگر سینہ زوری اور سلحشوری میں شدید نہ ہوں انکو مغلوب کرنے کے بعد فرداً فرداً نگرانی میں رکھنے کی ضرورت نہیں۔ بطور رعیت کے رہینگے حسب مقدرت یا حسب معاہدہ ٹکس ادا کرینگے۔ احکام حکومت سے انحراف نہ کر سکیں گے اغیار سے تعلق نہ رکھ سکیں گے۔ گرفت یہ بھی سخت ہوگی لیکن رعیت بننے کے بعد انکی جان و مال کی حفاظت حکومت پر فرض ہوگی۔ دشمن حملہ آور ہو تو مسلمان انکو بچانے کے لیئے اپنی جان لڑا دینگے فوجی خدمت کے لیئے انھیں مجبور نہ کرینگے۔

آزادی | مگر شکل غلامی کی ہو یا رعیت کی کسی حالت کو ہمیشہ قائم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ لوگ اصلاح پر نہ آئیں تو ممکن ہے کئی نسلوں تک ایک ہی قسم کی گرفت میں رہیں یا مناسب معلوم ہو

تو گرفت کو ایک شکل سے دوسری شکل میں بدل دیا جائے اور غلاموں کو رعیت بنا لیا جائے لیکن انکے امن پسند ہونے کا یقین ہوجائے اور اس امتحان میں کامیاب ہوں کہ:

کُنْ لِاَخِیْکَ مَا تَشَآءُ اَنْ یَّکُوْنَ لَکَ ؎ آنچہ برخود نہ پسندی بردیگراں مپسند

تو پھر کسی گرفت میں رہنے کے مستحق نہیں ہیں۔ ایسا یقین پیدا ہونے کی دیر ہے پھر ممکن ہے کہ مغلوب ہونیکے بعد آزاد ہونے میں ایک لمحے کی دیر نہو۔ اور آزادی کا وقت آئے تو حسب ضرورت اور حسب تقاضائے وقت تاوان بھی لے سکتے ہیں، بلاعوض بھی چھوڑ سکتے ہیں۔ منتہائے نظر آزادی ہے اور اس تمام جدو جہد سے مدعا یہ ہے کہ "جنگ جُو اپنے ہتیار رکھدیں"۔ فتنہ و فساد کا احتمال نہ رہے۔ دین ہدے کو قبول کرنے میں مزاحمت نہو۔ محض خدا کو خوشنود کرنے کی نیت ہو۔ زید و عمرو کی خوشنودی سے غرض نہو۔ وہ وقت ہوگا سب کی آزادی کا۔ وہ وقت ہوگا یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ کا اور یہی مفہوم ہے جسپر آیت مذکورہ کے الفاظ منطبق ہوتے ہیں۔

طبریؒ کی شہادت | علامہ ابن جریر طبریؒ اپنی مشہور تفسیر میں آیت کے مطالب بیان کرنیکے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ "ہمارے نزدیک حق یہی ہے کہ آیت محکم غیر منسوخ ہے اور اسکو دیگر آیات جہاد کے ساتھ منطبق کرنے اور رسول علیہ السلام کے اسوۂ مبارک کو پیش نظر رکھنے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ مغلوب دشمن کو حسب ضرورت اور حسب مصلحت قتل کرنے کا، تاوان لینے کا اور بلاعوض آزاد کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اور تینوں صورتوں میں کسی ایک پر عمل کرنا فرض ٹھرایا گیا ہے"۔ مطلب یہ کہ نہ ہمیشہ کسی قوم کو غلام رکھ سکتے ہیں، نہ ہمیشہ محکوم رکھ سکتے ہیں۔ شَدُّ الْوَثَاق یعنی گرفت طویل ہوسکتی ہے۔ ہمیشہ نہیں رہ سکتی ہے۔ انجام مَنًّا وَفِدَآءً (آزادی) ہے۔ یا سخت ترین ظالموں کے حق میں قتل۔

۱۴۔ صلح پسند اقوام سے سلوک کرنے کی صورت | تمام مخلوق یکساں نہیں ہے۔ اگر دنیا میں ایسے افراد اصایسی اقوام پائی جاتی ہیں جو فتنہ و فساد کی خوگیر ہیں اور لوگوں کی جان و مال پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ یا خیال اور مذہب کے اختلاف سے کینہ وری اور ایذا دہی پر تیار ہو جاتی ہیں تو ایسے نیک نفس اور

مرنجاں مرنج لوگوں کی بھی کمی نہیں جو دوسروں کے حالات و افعال سے بیجا تعرض نہیں کرتے اور امن میں خلل انداز نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کو ایسے ہمسائے میسر آئیں تو اُنکے ساتھ احسان اور مروت کرنے کا حکم ہے۔ حق و انصاف سے برتاؤ کرنے کا حکم ہے۔ مذہبی اختلاف کی وجہ سے کوئی پرخاش کرنے یا بیگانگی برتنے کی اجازت نہیں۔ ارشاد ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (ممتحنہ ۲۸ ع ۲)

خدا تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں کے بارے میں جو تم سے مذہب کی بنا پر جنگ نہیں کرتے اور جنھوں نے تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا کہ تم اُنپر احسان کرو اور اُنکے ساتھ انصاف کرو۔ بیشک اللہ انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے

بابؐ یازدہم

حصول اقتدار کا عملی تجربہ

دشمن کی شہادت، دوست کی شہادت، ہمراہیوں پر تکالیف کا ہجوم، حضرتؐ کی ذات خاص پر تکالیف کا ہجوم، ہجرت کا حکم، حبشہ کو روانگی، صلائے عام، آزادی کے ساتھ تبلیغ کرنیکی تمنا، اہل مدینہ کی سعادت، اہل مدینہ کا معاہدہ اور ہجرت، ہجرت کا مدعا، تلوار اٹھانے کی ضرورت، اُس وقت کے قومی حالات، قریش کا مادّی تفوق اور اثر، بغاوت سے اجتناب، آزادی کی نعمت اور اُسکے فرائض، عہد شکنی کا تدارک، امن پسندوں سے مصالحت، صلح حدیبیہ، صلح کی پابندی اور امتحان کی سختی، عورتوں کے بارے میں شرط کی ترمیم، شرط کو منسوخ کرنیکا قدرتی سامان، صلح کا فائدہ، قریش کی معاہدہ شکنی اور فتح مکہ، فاتحانہ داخلہ کا انداز، اشتہاری مجرم متعلقین کے جرائم، عفو کے کرشمے، گیارہ موتیے۔

دشمن کی شہادت | یہ تمام سرچشمے ہیں۔ سرگا مزن ہونے کیلئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے اور جنکو

طے کرنے کے بعد مسلمان اقتدار کے انتہائی درجوں تک پہنچکر دنیا اور عقبیٰ میں سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں۔ اگرچہ دشوار گزار بہت ہیں مگر ایسے نہیں جنپر پیرا ہونا انسان کے لیئے ناممکن ہو۔ ان سب کا تجربہ ہوچکا ہے، عمل میں لائے گئے ہیں اور جن نتائج کے مرتب ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ سب دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ ابتدا منتہائے بیکسی اور غربت سے کی گئی ہے۔ رفاقت غریبوں اور کمزوروں کیطرف سے ظاہر ہوئی ہے مقابلہ اہل قوت اور اہل اقتدار کی متفقہ جماعتوں سے پیش آیا ہے۔ کام شروع کیا گیا ہے اپنے تئیں نیک بنانے کا اور دوسروں سے خیر خواہی کرنے کا۔ فریق ثانی نے مزاحمت کی ہے نیکی کرنے اور نیکی کی ترغیب دینے سے اور یہ سب کام ایسے خلوص سے اور ایسی صفائی سے کیئے گئے ہیں اور ان کا مقابلہ ایسا برملا اور علانیہ ہوا ہے جسکی شہادت دینے سے دوست اور دشمن کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ سنہ ۶۲۹ء میں قیصر روم ہرقل خسرو پرویز سے جنگ کرنے کے لیئے دوسری دفعہ ایشیا میں آیا ہے اور بیت المقدس کے مقام پر فروکش ہے۔ جبکہ اسکے پاس جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیر ذی قعدہ ۶ھ ہجری میں دعوت اسلام لیکر پہنچا ہے اور اسی زمانے میں مکے سے ابوسفیان ایک قافلے کے ساتھ تجارت کی غرض سے بیت المقدس میں جاتے ہیں وہ اسوقت تک اسلام کے سخت ترین دشمن ہیں۔ قیصر روم حکم دیتا ہے کہ کوئی اہل عرب اس شہر میں ہو تو بلاؤ ہم اس سے پیغمبرؐ کے حالات سنیں۔ تلاش کے بعد ابوسفیان اور انکے ہمراہیوں کو حاضر کیا جاتا ہے اور جب معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان پیغمبرؐ کے قریبی رشتہ دار اور مذہب میں انکے خلاف ہیں تو قیصر انھیں اپنے قریب بلاتا ہے۔ انکے ہمراہیوں کو انکے پس پشت کھڑے رہنے کا حکم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس شخص سے کچھ باتیں دریافت کرتا ہوں اگر یہ غلط بولے تو تم آگاہ کرتے جاؤ اور صحیح اطلاع ہم پہنچاؤ۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اسوقت میرا ارادہ تھا کہ جھوٹ بولوں اور حقیقت پر الزام بھی اسلام پر لگا سکوں اسمیں کوتاہی نہ کروں مگر شرم دامنگیر ہوئی کہ میرے ہمراہی مجھے کسی بات پر ٹوک دینگے یا وطن میں جاکر میری دروغگوئی کا چرچا کرینگے تو فضیحت ہوگی۔ اسلیئے کوئی غلط بات منہ سے نہ نکال سکا۔ قیصر نے پوچھا مدعی نبوت کا خاندان شریف ہے یا رذیل؟ جواب دیا شریف ہے!

پوچھا تم میں سے کسی نے پہلے بھی ایسا دعوےٰ کیا ہے ؟ کہا نہیں ! پوچھا اِس شخص نے کبھی پہلے دروغ بیانی کا ارتکاب کیا ہے ؟ قسمیں کھانے کا یا دھوکا فریب کرنے کا عادی ہے ؟ جواب دیا نہیں ! پوچھا اسکے بزرگوں میں کبھی کوئی بادشاہ گزرا ہے ؟ جواب دیا نہیں ! پوچھا اُسکی عقل و دانش کیسی ہے ؟ کہا اُسکے کسی ایسے نقص سے ہم آگاہ نہیں ہیں ! پوچھا اُسکی اطاعت تونگر کرتے ہیں یا غربا ؟ جواب دیا کنگال اور کمینے ! پوچھا اُسکے فرمانبردار بڑھتے جاتے یا گھٹتے جاتے ہیں ؟ کہا بڑھتے جاتے ہیں ! پوچھا کوئی اطاعت کے بعد اسکے کسی فعل سے رنجیدہ ہو کر منحرف بھی ہوا ہے ؟ جواب دیا نہیں ! پوچھا وہ کبھی بے وفائی اور معاہدہ کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے یا نہیں ؟ کہا کبھی نہیں ! مگر آجکل ہماری اور اسکی مصالحت ہے اور میں وطن سے باہر ہوں - اب کوئی غداری کا ظہور ہوا ہو تو معلوم نہیں ! ابو سفیان کہتے ہیں کہ صرف اِس موقع پر آنحضرت کے خلاف ایسے الفاظ کہنے کی جرأت ہوئی حالانکہ میں دل سے جانتا تھا کہ اب بھی آپ کی طرف سے غداری نہ ہوئی ہوگی - پوچھا تو وہ تمھیں تعلیم کیا دیتا ہے ؟ کہا ایک خدا کی عبادت کرنے کا حکم دیتا ہے - نماز صدقات - وفائے عہد - ادائے امانت - عفت اور راست بازی کی تاکید کرتا ہے - ہمیں اپنے معبودوں کی عبادت کرنے سے روکتا ہے !

دوست کی شہادت | یہ اُس وقت کے سب سے بڑے دشمن کی شہادت ہے - دوستوں میں سب سے زیادہ ہمدرد بیوی کی ذات ہے اور چونکہ وہ شوہر کے تمام نیک و بد سے آگاہ ہوتی ہے اِس لیئے اگر شوہر اپنا تقدس ظاہر کرنیکے لیئے کسی فریب سے کام لے تو کیسا ہی حیلہ باز ہو بیوی پر اسکا جادو کارگر نہیں ہوسکتا - بیوی شوہر کی انہیں خوبیوں کی معترف ہوسکتی ہے جنسے وہ حقیقت میں متصف ہو - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دفعہ وحی ربانی کا تجربہ کرتے ہیں - اور الہام سے مشرف ہوتے ہیں تو دل دھڑکنے لگتا ہے اور قلب مبارک پر خوف طاری ہوتا ہے گھر میں تشریف لاتے ہیں - کپڑا اوڑھ کر لیٹ جاتے ہیں تو بیوی کو کیفیت سے آگاہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دیکھئے کیا ہونے کو ہے - بیوی ان الفاظ میں تسلی دیتی ہیں کہ گھبراؤ نہیں خدا تمھیں بلا میں مبتلا

نہ کرے گا۔ تم عزیزوں سے نیک سلوک کرتے ہو۔ راستی کے پابند ہو۔ غیروں کے لیے تکلیف اٹھاتے ہو۔ غربا کی دستگیری کرتے ہو۔ مہمانوں کی مدارات کرتے ہو۔ اور لوگوں کی مصیبت میں کام آتے ہو۔

ہمراہیوں پر تکالیف کا ہجوم | تبلیغ و ہدایت کا وقت آتا ہے اور لوگوں کو بداطواری سے پرہیز کرنے اور راست روی پر کاربند ہونے کی تاکید کی جاتی ہے تو مخالفت کا طوفان اٹھتا ہے۔ لوگ حق کی آواز پر تمسخر اڑاتے ہیں مگر جب دیکھتے ہیں کہ ماننے والے بھی پیدا ہونے لگے ہیں تو غصہ میں بھر کر ایذا دہی پر کمر باندھتے ہیں۔ عزیز بیگانے ہو جاتے ہیں۔ بھائی دشمنی کرنے لگتے ہیں اور زبردست زیردستوں کو ہر طرح کے عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔ جکڑ کے ڈال دیتے ہیں اور کوڑوں سے پیٹتے ہیں، گرمی میں دھوپ میں لٹا کر گرم پتھر چھاتی پر رکھ دیتے ہیں مشکیں کستے ہیں اور جسم پر آگ بچھا دیتے ہیں، گردن میں رسی ڈالتے ہیں اور پتھروں پر گھسیٹتے پھرتے ہیں، زیادہ غصہ آتا ہے تو تلوار سے قصہ تمام کر دیتے ہیں۔ یہ تکلیفیں مردوں کو بھی دی جاتی ہیں اور عورتوں کو بھی۔ جوانوں کو بھی اور بوڑھوں کو بھی مگر پورے تیرہ سال تک کوئی ایک فرد بھی جو سچے نبی کا عاشق ہوا ہے بیوفائی کا ارتکاب نہیں کرتا اور ستانیوالوں کو اُف نہیں کہتا۔ تکلیف کے وقت زبان پر خدا کا نام آتا ہے۔ شکایت کا لفظ مُنہ سے نہیں نکلتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس کو اس حال میں دیکھتے ہیں اسکے لیئے دعا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں صبر کرو تم لوگوں کی ان مصیبتوں سے وہ نتیجہ پیدا ہوگا کہ آدمی ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک امن سے پہنچ جائیگا اور اُسکو خدا کے خوف کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔

حضرتؐ کی ذات خاص پر تکالیف کا ہجوم | حضرتؐ کی اپنی ذات خاص کو تکلیف پہنچتی ہے تو بیقراری میں جو الفاظ زبان مبارک سے صادر ہوتے ہیں وہ زیدؓ کی زبان سے سُنو۔ زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں اور سب سے پہلے مومنین میں شامل ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شہر طائف میں خدا کا نام سُنانے کیلئے تشریف لے جاتے ہیں۔ وہاں کے سردار دو بھائی ہیں۔ اُنھیں جا کر قرآن سنایا ہے تو ایک نے کہا۔ خدا کو

کوئی بھلا آدمی نہ ملتا تھا جو تجھ جیسے کنگال کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ دوسرا کہتا ہے تو خطرناک آدمی ہے میں تجھ سے بات نہیں کرنی چاہتا۔ میرے سامنے سے ہٹ جا۔ آپ مایوس ہوکر اُٹھتے ہیں تو وہ شہر کے نوجوانوں کو آپ کے پیچھے لگا دیتے ہیں۔ لڑکے رستے میں دورویہ صف باندھکر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور ہر طرف سے اینٹ پتھر برسانے لگتے ہیں۔ حضرت زیدؓ جس طرف سے پتھر آتا دیکھتے ہیں لپک کر آگے ہوتے ہیں اور پتھر اپنے سر پہ لیتے ہیں۔ دونوں سر سے پاؤں تک زخمی ہوجاتے ہیں۔ کبھی چوٹ کھا کر گرتے ہیں تو لڑکے ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے ہیں۔ اور کھڑا کر دیتے ہیں۔ پھر پتھر برسانے لگتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں اور ہنستے ہیں۔ اس حالت میں شہر کے تمام کوچوں سے گذر کر آپ ایک باغ میں پناہ لیتے ہیں۔ دم لینے کے بعد آنحضرتؐ کے دہان مبارک سے جو آواز سنی جاتی ہے وہ یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْکُوْ اِلَیْکَ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ اَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ بِکَ غَضَبٌ عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ۔

اے اللہ میں تیرے آگے فریاد کرتا ہوں اپنی کمزوری کی نسبت بے وسیلہ ہونے کی نسبت اور لوگوں کی نظر میں ذلیل ہونے کی نسبت اے سب سے بڑے رحم کرنیوالے جنکو لوگ کمزور سمجھیں تو اُن کا پروردگار ہے میرا پروردگار ہے تو نے مجھے کس کے پالے ڈالا۔ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو پھر کوئی پروا نہیں۔

ہجرت کا حکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات خاص کیلئے سب اذیتیں گوارا تھیں اور ان تکلیفوں سے گھبرا کر آپؐ حق کی آواز بلند کرنے سے باز نہ رہ سکتے تھے۔ مگر اپنے ہمراہیوں کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا دیکھکر اور اُن میں سے بعض کو اسی حالت میں جان توڑتے دیکھ کر جب ثابت ہوا کہ وطن میں رہ کر مسلمان ہونیکے بعد تکلیف سے ایکدم بھی نجات نہیں مل سکتی تو آپ نے ہجرت کرنے کی اجازت دی اور فرمایا کہ اپنا ایمان سلامت لیکر زمین پر بکھر جاؤ اگر خدا کو منظور ہوگا تو پھر جمع ہو جاؤ گے۔ ہجرت کرنیکے بعد اُس زمانے میں ممکن تھا کہ یہ تراسی مردوں اور اٹھارہ عورتوں کی تعداد جو یکے بعد دیگرے پہلی ہجرت کے موقع پر وطن سے نکلے ہیں کسی شاہ راہ کے قریب

خیمے گاڑکر بیٹھ جاتے اور رستے کی ناکہ بندی کر لیتے۔ قریش کے قافلے ہمیشہ تجارت کے لیئے آتے جاتے رہتے تھے۔ ہجرت میں اُنپر گرا کرتے۔ قتل بھی کرتے، مال و زر بھی لیتے اور کچھ عرصے میں اپنی خود مختار آبادی ایسی قائم کر لیتے جو مخالفوں کے لیئے باعث خوف ہو۔

بعد میں ایک موقع پر ایسا ہوا بھی۔ ۶ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش سے معاہدہ ہوا ہی تو کے سے ابو بُصیر مسلمان ہوکر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں مگر انکو مدینے میں پناہ دینا معاہدے کے خلاف تھا حضرتؐ نے مجبوری ظاہر کی۔ ابو بصیر عاجز آگئے۔ کے میں جا نہیں سکتے تھے۔ مدینے میں رہ نہیں سکتے تھے۔ ناچار ملک شام کے رستے میں ایک مقام پر جا بیٹھے۔ اُنکی خبر پاکر کے میں جسقدر مسلمان تھے اور معاہدے کی وجہ سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے ابو بصیر کے پاس پہنچنے لگے۔ ستر آدمیوں کی بھیڑ ہو گئی جنھوں نے قریش کا رستہ بند کر دیا۔ اور خود ابو سفیان کو مدینے میں آکر اس شرط کو فسخ کرانا پڑا اور کہنا پڑا کہ اُس جماعت کو بُلا لیجے۔ اُن کا آپکے پاس رہنا ہمیں منظور ہے۔ ابو بصیر کا یہ فعل احکام اسلامی کے خلاف تھا مگر وہ کے والوں کے ظلم سے لاچار تھے۔ اور حضرتؐ معاہدے کی وجہ سے مجبور تھے۔ جب یہ شرط فسخ ہو گئی تو نہ بلانے میں دیر ہوئی نہ تعمیل حکم میں۔

حبشہ کو روانگی | بس جو صورت دس سال بعد پیش آئی وہ پہلے بھی پیدا ہو سکتی تھی۔ مگر خدا کا یہ حکم اور حضرتؐ کا یہ مدعا نہ تھا جس قتل و غارت کو عرب سے نابود کرنے کا بیڑا اُٹھایا گیا تھا، اُسکا نمونہ علمبرداران اسلام کے ہاتھوں سے دکھایا جانا ناممکن تھا۔ ہجرت سے مدعا اپنے ایمان کو قائم رکھنا اور امن کے ساتھ رہنا تھا۔ جسکے لیئے ایسا ملک انتخاب کیا گیا جہاں عرب سے بہتر انتظام تھا شاہی حکومت تھی۔ وہاں رہکر نہ مسلمانوں پر کوئی ظلم کر سکتا تھا نہ مسلمان اپنے لیئے کسی حکومت اور اقتدار کا گمان کر سکتے تھے۔ یعنی ملک حبش کی طرف ہجرت ہوئی کے والوں نے وہاں بھی پیچھا کیا اور انکو واپس لانا چاہا۔ مگر بادشاہ حبش نے انسانی حقوق کی حفاظت کی اور پناہ لینے والوں کو امن دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے میں مع اپنے باقی ہمراہیوں کے اذیتیں برداشت کرتے اور کلمۃ الحق سناتے

رہے۔ گھروں سے نکالا گیا۔ رشتہ ناطہ چھوڑا گیا۔ خرید و فروخت بند کی گئی اور محضر لکھکر خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا کہ مسلمانوں سے ملنے والے برادری سے خارج کیے جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کنبہ تین سال تک شہر سے باہر ایک پہاڑ کی گھاٹی میں مقیم رہا۔ بچّے بھوک کے مارے روتے رہے۔ اور زن و مرد فقر و فاقہ سے بسر کرتے رہے مگر آنحضرت ؐ نے خود ہجرت کا ارادہ نہیں کیا۔

صلائے عام | حج کے موقع پر تمام اہل عرب جمع ہوتے تھے تو حضرت ؐ ایک ایک قبیلے کے پاس اور میلے کے اندر جاکر خدا کا پیغام پہنچاتے تھے۔ ابی طارق رضی اللہ عنہ ایسے ایک موقع کا ذکر کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذی المجاز کے میلے میں دیکھا۔ آپؐ فرماتے تھے اے لوگو! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہو، فلاح پاؤ گے۔ آپؐ کے پیچھے پیچھے ایک شخص پتھر مارتا ہوا آتا تھا۔ جس سے حضرتؐ کے قدم مبارک خون آلود ہو رہے تھے۔ وہ کہتا تھا۔ لوگو! اس شخص کی بات نہ سننا۔ یہ کذّاب ہے۔ ابی طارق کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ شخص کون ہے؟ بتایا گیا عبد المطلب کا پوتا ہے۔ پوچھا پتھر مارنے والا کون ہے۔ کہا اسکا چچا ابولہب۔ جب حقیقی چچا کا یہ سلوک تھا تو میلہ دیکھنے والوں سے کس انصاف کی توقع ہو سکتی تھی وہ ہنستے تھے تمسخر اڑاتے تھے یا کوئی سنجیدگی سے بات کرتا تھا تو کہتا تھا کہ تیرے کنبے والے تجھکو ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ اُن کا یہ سلوک ہے تو تو اسی لائق ہوگا۔

آزادی کے ساتھ تبلیغ کرنے کی تمنا | یہ کیفیت مایوس کرنیکے لئے کافی تھی۔ مگر دل میں جو آگ مشتعل ہو رہی تھی اور جو تڑپ راستی کو پھیلانے کے لیے قلب مصفّٰی کو بے چین کر رہی تھی وہ انسانی عقل کے مایوس ہونے سے دبنے والی نہ تھی۔ آپ مکے میں رہ کر کامیاب ہونے سے مایوس بیشک ہو گئے تھے مگر اپنی کامیابی اور راستی کے غالب آنے کا یقین جسکو خدائی پیغام راسخ کر رہا تھا دور نہ ہو سکتا تھا۔ اس نے یہ تمنا پیدا کی کہ کوئی ٹھکانا میسر آئے جہاں تبلیغ حق سے روکا نہ جائے۔ اس مدعا کو ظاہر کرنیکے لیئے حضرت ؐ کے یہ الفاظ مروی ہیں:

لَآ اُکْرِہُ اَحَدًا عَلٰی شَیْءٍ مِّنَ الَّذِیْ اَدْعُوْہُ میں جس کام کیطرف لوگوں کو بلاتا ہوں اسکے لیئے کسی کو مجبور

اِلَیْهِ فَذٰلِكَ وَمَنْ كَرِهَ لَمْ اُكْرِهْهُ اِنَّمَآ اُرِيْدُ مَنْعِيْ مِنَ الْقَتْلِ حَتّٰى اُبَلِّغَ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ۔ (سیرۃ حلبیہ)

نہیں کرتا۔ یہ یاد رہے جس کو میری بات پسند نہ ہو اُسے زمانے کا اختیار ہے۔ میری تمنا ہے کہ مجھے قتل ہونے کا اندیشہ نہ رہے اور خدا کا پیغام سناتا رہوں۔

اِس کا بھی یہی جواب ملتا تھا کہ جس شخص نے اپنی انوکھی باتوں سے اپنی قوم سے بگاڑ لی ہے ہماری کیا اصلاح کرے گا۔

اہلِ مدینہ کی سعادت مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقلال کو لغزش آنے والی اور یہ آواز رائیگاں جانے والی نہ تھی۔ عرب کے قبیلے قبیلے کو پکارا اور سالہا سال پکارا کوئی نہ سنتا تھا پھر بھی سنانے والا سناتا رہا حتیٰ کہ گیارہ سال کی وفا شعاری اور جفاکشی کے بعد حج کے موقع پر جنگل کے ایک گوشے میں چھ آدمی نظر آئے جن کو حضرتؐ نے قرآن سنایا۔ توفیقِ خیر ان کی ایسی رفیق ہوئی کہ سنتے ہی ایمان لے آئے۔ یہ لوگ بنی خزرج قبیلے سے اور مدینے کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ہم اور قبیلہ اَوس ایک دادا کی اولاد ہیں مگر ایک سو بیس سال سے ہماری دونوں شاخوں کے اندر باہمی جنگ برپا ہے۔ آپ کو خدا نے مصلح بنا کر بھیجا ہے۔ اگر آپ کی وساطت سے ہماری مصالحت ہو جائے تو آپ کی ذاتِ گرامی ہمارے شہر کیلئے سب سے بڑی نعمت ہوگی۔ ہم جاتے ہیں اور اپنے عشیرے میں آپ کا ذکرِ خیر پھیلاتے ہیں۔ آیندہ سال اسی موقع پر نتیجے سے اطلاع دینگے۔

اہلِ مدینہ کا معاہدہ اور ہجرت امید نے جھلک دکھائی مگر غارت گری اور رہزنی کا ہر طرف ایسا زور تھا کہ مقدس ایام کے سوا سفر کے لیے کوئی وقت اندیشے سے خالی نہ تھا۔ پورا سال اہلِ وطن کی ایذا دہی اور انتظارِ احباب کی بیقراری میں گذرا تو حج کے موقع پر مدینے سے بارہ شخص آئے اور ایمان لائے ان سے جو عہد لیا گیا ہے وہ یہ تھا کہ "شرک نہ کرینگے۔ زنا نہ کرینگے۔ دختر کشی کے مرتکب نہ ہوں گے افترا پردازی اور عیب چینی سے باز رہیں گے۔" وہ لوگ حضرت مصعب بن عمیر کو اپنے ساتھ لیگئے اور پھر ایک سال تک غائب رہے مگر اِس سال کے اندر مصعب بن عمیر کی تبلیغ اور مسلمان ہونیوالوں کی تحریص و ترغیب کا یہ اثر ہوا کہ اَوس اور خزرج دونوں قبیلوں کا کوئی گھر ایسا نہیں رہا جس میں سب

یا چند مسلمان نہوں۔ سال کے خاتمے پر ان دونوں قبیلوں کے تہتّر مردوں اور دو عورتوں کا قافلہ مکہ میں آکر رات کیوقت جنگل میں ایک گھاٹی کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتا ہے حضرتؐ کے ساتھ آپکے چچا حضرت عباسؓ ہیں جو اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے مگر اپنے برادرزادے کے ہمدرد تھے اور آپکے لیے بہتر انتظام کرنا چاہتے تھے۔ پہلے حضرت عباسؓ نے تقریر کی ہے اور فرمایا ہے کہ "اے معشر اوس و خزرج! تمھیں معلوم ہے کہ محمدؐ ہمارا نور نظر ہے اور ہم اپنے وطن میں اپنی ہمت کے مطابق اسکی حمایت کرتے ہیں۔ مگر وہ یہاں رہنے سے ملول ہو اور تمھارے پاس رہنا چاہتا ہے اگر تم کو یہ وثوق ہے کہ اپنے وعدے پر قائم رہوگے۔ اسکی حفاظت کروگے اور اسکے مخالفین کے سامنے سینہ سپر ہوگے تو بیشک اپنے ارادے کو پورا کرو۔ لیکن اگر تمھیں یہ اندیشہ ہے کہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآنہ ہوسکوگے تو اس خیال کو ابھی سے ترک کردو۔" وہ بولے کہ ہم نے عباسؓ کا مطلب سمجھا۔ یا رسول اللہؐ اب آپ فرمائیں کہ آپ اپنے لیے اور اپنے خدا کے لیے ہم سے کیا عہد لینا چاہتے ہیں؟۔ حضرتؐ نے پہلے قرآن سنایا۔ پھر فرمایا کہ "تمھیں میرے لیے میرے دشمنوں کے خلاف اسی قسم کی مدافعت کرنی ہوگی جیسی اپنے گھر بار عزت و ناموس اور عیال کے لیے کرتے ہو۔" اُنھوں نے کہا کہ اگر ہم مدافعت کریں اور قتل کیے جائیں تو عوض کیا ملیگا؟ آپنے فرمایا جنّت۔ بولے ہاتھ لائیے ہم بیعت کے لیے حاضر ہیں معاہدہ پختہ ہوا وہ لوگ واپس گئے اور حضرتؐ نے اپنے ہمراہیوں کو مدینے کی طرف جانے کی اجازت دی۔ اور تمام ایسے مسلمان جو اپنے سرپرستوں اور آقاؤں کی قید میں نہ تھے۔ یکے بعد دیگرے ہجرت کرنے لگے۔ کفار قریش کو جب معلوم ہوا کہ اُنکے لیے ایک محفوظ جائے پناہ پیدا ہوگئی ہے تو انکی عداوت کو حسد کی آگ نے اور زیادہ مشتعل کیا اور سازش ہوئی کہ تمام مخالف قبیلوں کا ایک ایک آدمی لیا جائے اور اُنکے متفقہ حملے سے محمدؐ کا کام تمام کردیا جائے۔ عرب کے مروجہ دستور کے مطابق ایسے قتل کا قصاص نہیں ہوسکتا۔ تاوان دینا پڑتا ہے۔ جسکا ادا کرنا قبائل کی مجموعی قوت کو دشوار نہ تھا۔ اس سازش کے بعد عین اُسوقت جبکہ سب قاتل کوچے میں جمع ہوگئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ وسلم حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا کر اپنی چادر اڑھا کر مکان سے برآمد ہوتے ہیں اور سب کے سامنے

تشریف لے جاتے ہیں مگر کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ وہ لوگ کچھ انتظار کے بعد مکان میں داخل ہوتے ہیں تو حضرت علیؓ کے سرفروشانہ اقدام کو دیکھکر دنگ رہجاتے ہیں، اور ناکام واپس ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جناب صدیق اکبرؓ کی رفاقت میں شہر کو چھوڑتے ہیں تو دشمن تلاش کے لیے چاروں طرف پھیل جاتے ہیں گرفتار کرنے والے کیلئے انعام مقرر کرتے ہیں۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی اور حضرت بعافیت تمام مدینے میں نزول فرماتے ہیں۔

ہجرت کا مدعا ہجرت کی یہ شکل ہے۔ راستی اختیار کرنے۔ راستی کا وعظ کہنے۔ تکلیفیں اٹھانے صبر وتحمل سے کام لینے، اور ہر حالت میں صدق ودیانت کو منتہائے نظر قرار دینے کے بعد جب سالہا سال کے اندر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو ترک وطن کا عزم کیا جاتا ہے، اور اسمیں اپنے ایمان کو بچانے اور کسی محفوظ مقام میں پناہ لینے کے سوا اور کوئی مدعا پیش نظر نہیں ہوتا۔ یہ مدعا حبش میں جانے والوں کو بھی حاصل ہوا مگر ایک تو فاصلہ بہت تھا بیچ میں سمندر حائل تھا سب لوگ وہاں پہنچ نہیں سکتے تھے۔ دوسرے وہاں جانے والوں کو صرف یہی فائدہ حاصل ہوا کہ انھوں نے اپنے ایمان کو بچالیا اور خاموشی سے بسر کرتے رہے۔ اگر تبلیغ کا فریضہ بھی ادا کرتے اور حبش والوں کو دین ہدے کی طرف بلاتے تو خدا جانے کیا واقعات پیش آتے۔ وہاں شاہی حکومت تھی۔ اگر وہ خلاف ہو جاتی تو اس بے سروسامانی میں اور بھی زیادہ مصیبت کا سامنا ہوتا۔ تیسرے پیغمبر جس قوم میں مبعوث ہوتا ہے اسکا استحقاق ہے کہ سب سے پہلے ہدایت کے فیض سے بہرہ یاب ہو اور پیغمبر کا فرض ہے کہ پہلے اسکے سامنے نور ہدایت کا دروازہ کھولے۔ ابتدائے آفرینش سے تمام انبیاء علیہم السلام کا اسی پر عمل رہا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اپنے عشیرے میں تبلیغ کریں۔ پھر مکے اور اُسکے گردو نواح میں اور پھر تمام دنیا میں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کو چھوڑتے تو اس فریضے کی بجا آوری سے قاصر رہتے۔ ارشاد ہے:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (شعراء پ ۱۹ ع ۱۱)　　اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب خدا سے آگاہ کرو۔

لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (انعام پ ۷ ع ۱۱)　　(یہ کتاب نازل ہوئی ہے تا) اہل مکہ کو اور نواح مکہ کے باشندوں کو متنبہ کرو (آگاہ کرو)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سپ ۲۲ ع ۱) ہم نے تم کو تمام دنیا (کی ہدایت) کے لیئے بھیجا ہے ۔

تلوار اٹھانے کی ضرورت غرض ہجرت سے مدعا تھا اپنی حفاظت اور دین کی آزادانہ اشاعت مگر اس انقلاب سے قدرت نے ایک نیا کرشمہ دکھایا۔ اور آنحضرتؐ کے لیئے ایسی جگہ انتخاب کی جہاں کے مالک و مختار یعنی قبیلے اوس اور خزرج تھے اور وہ حضرتؐ کی غلامی میں آگئے تو حضرتؐ بیکسی میں اپنے وطن سے نکلنے کے بعد دفعۃً ایک شہر کے بادشاہ ہوگئے۔ بلکہ بادشاہ کی اطاعت خوف سے کیجاتی ہے اور اسکے مطالبات مجبوری سے ادا ہوتے ہیں۔ یہاں مال آپکے غلاموں پر نثار کرتے تھے اور جان قربان کرنے میں سعادت سمجھتے تھے ۔ ان حالات نے پہلے فرائض کے علاوہ نئے فرائض پیدا کردیئے پہلے حضرت پیغمبر تھے اور محض دین کی اشاعت سے سروکار رکھتے تھے ۔ اب آپ ایک قوم کے لیڈر اور سرپرست ہیں اور قوم کی قومی ہستی کو قائم رکھنے کے لیئے جو ضرورتیں پیش آتی ہیں انکے سرانجام کا بار بھی آپ ہی کی ذات اقدس پر ہے اور ساتھ ہی یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اپنے ہمراہیوں کی قومیت کے درجے تک پہنچانے سے پہلے اس قومیت کے دشمن پیدا ہوچکے ہیں جو انکے ایک ایک فرد سے عناد رکھتے ہیں۔ اور اس قوم کا نام دنیا سے مٹانا چاہتے ہیں۔ دو شخص باہمدگر دشمن ہوں اور ایک ان میں سے زیادہ زبردست ہو تو کمزور کو تمام تکلیفیں صبر کے ساتھ برداشت کرنے کے سوا چارہ نہیں لیکن دونوں برابر کی قوت رکھتے ہوں اور ان میں سے ایک حملہ آور ہو تو دوسرے کا فرض ہے کہ قتل کا ارادہ نہ ہو جب بھی اپنی جان بچانے کے لیئے دشمن کو جواب دے اور ہوسکے تو اسکی ضرب کا نقصان اٹھانے سے پہلے اُسے حملہ کرنے سے عاجز کردے ۔ یہ نہیں تو طرفین کا وار برابر ہونا چاہیئے جس اتفاق جسے چاہے کامیاب کردے ۔ اگر طاقت اور حملے کا علم رکھتے ہوئے آدمی کمزوری دکھائے اور حملے سے بچنے کی تدبیر نہ کرے تو وہ بزدل اور اپنے قتل کے جرم میں خود شریک ہو ۔ انفرادی ہستی کو قائم رکھنے کا یہ عالمگیر قانون ہے اور یہی قانون قومی ہستی پر حاوی ہے ۔ بلکہ شخصی نزاع میں اگر ایک فریق تساہل سے کام لے اور دشمن غالب آجائے تو محض خودکشی کا ارتکاب ہوگا۔ قومی مخالفت کے اندر اگر قومی لیڈر مقابلے میں سستی کرے تو اپنی ذات خاص کو نقصان پہنچانے کے علاوہ قوم کی ہلاکت میں معاون اور قومی مفاد

کی نسبت غداری کرنے کا مجرم ہوتا ہے۔

اُس وقت کے قومی حالات وہاں انفرادی اور قومی ہستی دونوں کے لیئے یہ مصیبت درپیش تھی اور ایک خدا کو پکارنے اور لات و ہبل کو خدائی اختیارات سے محروم کرنیکے نام پر ہر ایک جاہل عرب عداوت اور عناد کے جذبات سے بھڑک اُٹھتا تھا۔ قریش بالخصوص اس نفرت میں سب سے برتر تھے اُنھوں نے بت پرستی کرنے کے علاوہ کعبے کو بتوں کا سب سے بڑا مندر بنا رکھا تھا۔ اور اُسکے پجاری ہونے کی وجہ سے تمام عرب کے اندر بطور ایک مذہبی مقتدا کے مانے جاتے تھے۔ اُنھیں ایک خدا کو ماننا بھی ناگوار تھا۔ اپنی برتری اور اسکے مفاد سے دست بردار ہونا بھی ناگوار تھا۔ جن لوگوں کو قید اور اذیت میں رکھکر تباہ کرنا چاہتے تھے اُن کا کسی محفوظ مقام میں پہنچنا اور ترقی کرنا بھی ناگوار تھا۔ اور جس شخص کو سب ملکر قتل کرنے پر آمادہ تھے اُسکا دفعۃً حکومت اور شاہی کے درجے تک پہنچنا بھی ناگوار تھا۔ نفرت تھی۔ عداوت تھی۔ رشک تھا حسد تھا۔ اور اسکے ساتھ مسلمانوں سے زیادہ ثروت اور سامان رکھتے تھے۔ ملک پر اثر رکھتے تھے۔

قریش کا مادّی تفوق اور اثر قریش کے حوصلے یہانتک بلند تھے کہ چند بیکس اُنکے ظلم سے عاجز آکر بھاگے ہیں اور سمندر چیر کر حبش میں پناہ گزین ہوئے ہیں تو اُنکو گرفتار کرنے کیلیئے وہاں پہنچے ہیں اور بیش قیمت تحائف بادشاہ اور اسکے امیروں وزیروں کو دیکر اُنکی واپسی کا مطالبہ کیا ہے اور مسلمانوں سے برتر ہونے کی یہ کیفیت تھی کہ دوسری ہجرت کے بعد جنگ جدال کی نوبت آئی ہے۔ اور صرف ایک شہر کی آبادی میں سے حملہ آور چُنے گئے ہیں تو تین سو تیرہ ۳۱۳ تہیدستوں کے مقابلے میں پورے ساز و سامان کے ساتھ ہزار آدمی لائے ہیں٭۔ اور ایک اور جنگ میں مُلک سے مدد لی ہے تو دس ہزار نے مدینے کو گھیر لیا ہے۔ اور پاس رہنے والے یہودی ساڑھے سات سو ۷۵۰ کی تعداد میں معاہدہ توڑ کر اُنکے ساتھ شریک

٭ یہ جنگ بدر کا واقعہ ہے۔ مسلمان تین سو تیرہ ۳۱۳ ہیں اور اس فوج کے اندر تین گھوڑے ہیں۔ ستر اونٹ ہیں۔ چھ شخص زرہ پوش ہیں اور صرف آٹھ کے پاس تلواریں ہیں۔ دشمن کی تعداد ایک ہزار ہے لشکر میں سو گھوڑے ہیں سات سو اونٹ ہیں ہتھیار سبکے پاس اور سواروں کے علاوہ پیادے بھی اکثر زرہ پوش ہیں۔ گانے بجانے اور شراب پینے کا سامان ساتھ ہے۔ ہر منزل پر ایک ایک سردار فوج کو کھانا دیتا ہے۔ اور دس اونٹ ذبح کیئے جاتے ہیں۔

ہو گئے ہیں مسلمانوں کی طرف سے صرف تین ہزار جمع ہو سکے ہیں[1] جن میں تین سو کے قریب منافق بھی ہیں[2] جو ظاہر میں مسلمانوں کے اور دل سے حملہ آوروں کے ساتھ ہیں۔ ایسے لوگوں سے مقابلہ نہ کیا جاتا تو ہلاکت سے بچنے کی کیا صورت تھی۔

بغاوت سے اجتناب ایسے سخت اور خوفناک دشمن کا قرار واقعی تدارک سب سے بڑی قومی خدمت تھی جسمیں شاید ہی شخص تساہل روا رکھ سکتا ہے جو زیر پردہ اپنی قوم کا دشمن ہو اور اسکو تباہ کرنے کا خواہشمند ہو۔ اُنکے ساتھ تلوار سے فیصلہ کرنے کی ضرورت اسی وقت پیدا ہو گئی تھی جبکہ بعثت کے چھٹے سال میں قریش نے آپ کے چچا ابو طالب سے مطالبہ کیا ہو کہ محمدؐ کی حمایت چھوڑ دو ہم اُسے قتل کرینگے۔ اور اس سے انکار کیا گیا ہے تو بنی ہاشم کے تمام خاندان کو شہر سے نکال دیا گیا ہو اور محضر لکھا گیا ہے کہ جبتک محمدؐ کو قتل کے لیئے ہمارے سپرد نہ کریں انسے کوئی تعلق نہ رکھا جائے گا خرید و فروخت نہ کی جائے گی۔ چنانچہ وہ سب جنگل میں بسر کرتے رہے ہیں۔ اور درختوں کے پتے اور گھاس کھانے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اسیوقت سے ہر دو فریق میں حالت جنگ پیدا ہو گئی تھی اور ضرورت متقاضی تھی کہ دشمن کو ماریں یا آپ مریں اور تخت یا تختہ کسی ایک کو اختیار کریں۔ ایسے موقع پر تعداد کی قلت اور کثرت کی بھی پروا نہیں ہوتی۔ اور مسلمان ہمیشہ ہی تعداد اور سامان کی قلت میں کثرت کا مقابلہ کرنے پر مجبور کیئے گئے ہیں اور کامیاب ہوتے رہے ہیں مگر قباحت یہ تھی کہ مکے والوں کی حکومت کا انتظام جیسا کچھ بھی تھا۔ جب تک مسلمان اس حکومت کی حدود میں سکونت رکھیں اسکے خلاف تلوار نہیں اُٹھا سکتے تھے اور بغاوت کے مرتکب نہیں ہو سکتے تھے۔ کیونکہ کسی ملک کے اندر رہنا اُس ملک کے قوانین کو تسلیم کرنے کا عملی معاہدہ ہے اور اس سے سرتابی کرنے والا باغی قرار پاتا ہے پس اُسوقت کے لیئے یہی طرز عمل مناسب تھا کہ رضا و تسلیم کو شعار بنا کر دشمن پر ہر طرح سے حجت قائم کی جائے چنانچہ جنگل میں رہ کر حیوانی خوراک پر بسر کرنا برداشت کیا۔ جن لوگوں کو دیکھ کر اُن کی آنکھوں میں خون اُترتا تھا

[1] جنگ احزاب میں قریش کی اپنی تعداد ۴ ہزار تھی۔ بنی غطفان ایک ہزار۔ بنی مرہ ۴ سو۔ بنی اسد اور بنی اشجع ۴ ہزار اور بنی قریظہ ساڑھے سات سو تھے۔

[2] مدینے میں جو لوگ عبداللہ بن ابی کے زیر اثر تھے وہ جنگ اُحد میں لشکر اسلام سے علیحدہ ہو گئے ہیں تو تعداد میں تین سو کی کمی شمار ہوئی ہے

انکو وطن سے باہر بھیجنا برداشت کیا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز پر اینٹ پتھر سے زخمی ہوکر اُف نہ کی پھر بھی انھوں نے تن واحد کو ایک سو نوجوانوں کے متفقہ حملے سے قتل کرنے کا انتظام پورا کرلیا تو شہر سے نکلکر اور انکی حدود حکومت سے باہر جاکر مخالفت کا جھنڈا بلند کیا۔ اور اپنی اور اپنی قوم کی ہستی کو قائم رکھنے کی تمام تدبیروں سے مایوس ہوکر تلوار بلند کرنے کا فیصلہ ہوا۔

آزادی کی نعمت اور اسکے فرائض

آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہوکر اور ایک محدود خطے میں اور ایک مختصر جماعت پر نفوذ پیدا کرنیکے بعد حضرتؐ کے قلب مبارک کو ان بھائیوں کی یاد نے بھی تڑپایا جو کمزور تھے اور اپنے سرپرستوں یا آقاؤں کی قید میں ہر قسم کی اذیتیں برداشت کر رہے تھے ہجرت کرنے اور آپ کی صحبت میں شریک ہونے کا موقع نہ پا سکتے تھے اور حضرتؐ کے گوش حق نیوش میں قرآنی الفاظ کے اندر کمزور مردوں۔ عورتوں اور بچوں کی یہ آواز آرہی تھی:

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ	خدایا ہم کو اس بستی سے جہاں کے رہنے والے ظالم ہیں
اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّ	نکلنے کا موقع دے اور ہمیں اپنے فضل خاص سے کوئی
اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ (نساء پ۵ ع)	دوست اور کوئی مددگار عطا فرما۔

اسکے علاوہ آپ ملک کی بدامنی اور بدانتظامی کو دور کرنے کی بھی تمنا رکھتے تھے جسکا ذکر آپنے عدی ابن حاتم طائی رضؓ سے کیا ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے جبکہ قادسیہ (سرحد عراق) سے ایک عورت تنہا اونٹ پر بیٹھ کر روانہ ہوگی اور مکّے میں پہنچکر فریضہ حج ادا کرے گی اور اسکو اپنے تمام سفر میں خدا کے سوا کسی چیز کا خوف نہ ہوگا۔ حضرت عدیؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی میری اپنی زندگی میں پوری ہوگئی اور تمام عرب ایسا امن پسند ہوگیا کہ میں نے واقع میں ایک عورت کو قادسیہ سے تنہا آکر کعبۃ اللہ میں حج کرتے ہوتے دیکھا۔ ان تمام خواہشوں سے بڑھکر آپ کو آزادی کے ساتھ خدا کا نام سنانے کا بھی اشتیاق تھا اور یہی بڑا مدعا تھا جسکے لیئے آپ کوئی محفوظ مقام تلاش کرتے تھے اور مکّے سے نکلنا چاہتے تھے۔ مگر آپ کی یہ تمام آرزوئیں ایک قوم قریش کی رخنہ اندازی سے معرض تعویق میں تھیں جس خطے اور جس قبیلے تک حضرت کا پیغام یا نام پہنچتا تھا

یہی کہا جاتا تھا کہ اِس کا فیصلہ اُسکی قوم بہتر کر سکتی ہے۔ اِنکو باہم نبٹ لینے دو پھر دیکھا جائے گا۔ چنانچہ جب اُن کا کانٹا نکل گیا اور مکہ فتح ہو گیا تو تمام عرب خود بخود آپکے قدموں میں آگرا اور اِس شادی کا ترانہ قرآن کریم میں گایا گیا:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ	جب حق تعالے کی طرف سے مدد اور کشورکشائی کا موقع
يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (نصر پارہ ۳۰)	آیا اور تم نے لوگوں کو خدا کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھا۔

اُس وقت دین ہدٰی کی اشاعت میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ رہزنی، تجارت گری اور تمام ذمائم اخلاق کا نشان نہ رہا۔ ظالم ظلم سے تائب ہوئے۔ مظلوم راحت سے ہم آغوش ہوئے۔ اور دعائے خلیلؑ اور نوید مسیحا کے نتائج تمام دنیا نے دیکھ لیئے۔

عہد شکن کا تدارک ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر یہ فرائض عائد تھے اور حضرتؐ نے اُنکو باحسن وجوہ ادا کیا۔ باوجود تہیدستی، بے سامانی اور قلت تعداد کے قریش کے بڑے بڑے لشکروں سے جارحانہ اور مدافعانہ معرکے ہوئے اور جس مقام پر اور جس قوم کی طرف سے حملے کی تیاری اور لشکر کے اجتماع کی خبر پائی سینہ سپر ہونے کیلئے خود پیشقدمی کی۔ موسمی تکالیف کا، مسافت کی دوری کا اور زاد و راحلہ کی نایابی کا کبھی خیال نہیں کیا۔ مگر تمام ہمت صرف شمشیر زنی پر مصروف نہیں رکھی۔ مخالفت صرف قریش سے تھی اور مقابلہ اُنسے اور اُنکے مددگاروں سے۔ دوسری اقوام کی طرف پہلے مصالحت کا ہاتھ بڑھایا گیا ہے۔ اور جنکے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ کر لیا ہے اُس سے کبھی سرتابی نہیں کی۔ مگر ملک کی حالت یہ تھی کہ لوگ امن پسندی کی نسبت فتنہ پردازی کے زیادہ خوگیر تھے اور کوئی فریق صلح کے بعد دوستانہ سلوک رکھنے کا ارادہ بھی کر لیتا تھا تو قائم نہ رہ سکتا تھا۔ شرارتوں سے باز نہ آتا تھا۔ اور علانیہ نہیں تو مخفی طور پر معاندانہ خواہشوں کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ اِس اثنا میں اگر کوئی زبردست دشمن مسلمانوں پر حملہ آور ہوتا تھا تو یہ سمجھ کر کہ نئی پود ہے اب تباہ ہو جائے گی۔ معاہدے کو بالائے طاق رکھکر برملا دشمن کے ساتھ شریک ہو جاتا تھا۔ چنانچہ جب حضرتؐ مدینے میں تشریف لائے ہیں تو یہود کی بستیوں سے جو مدینے کے آس پاس

تھیں مساویانہ صلح کی ہے اور معاہدہ ہوا ہے کہ باہمدگر امن سے رہیں گے۔ اور کوئی فریق دوسرے فریق کے دشمنوں کو مدد نہ دیگا۔ مگر یہود پابند نہ رہ سکے۔ فتنہ پردازی سے باز نہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی تدبیریں کرتے رہے۔ دشمن کو مدد پہنچاتے رہے۔ حملہ آوری کے لیے بھڑکاتے رہے۔ اور وقت پر خود حملہ آوری میں شریک ہوتے رہے۔ حتےٰ کہ اپنی حدود کے اندر مخالف عنصر کے موجود رہنے سے جو قباحتیں پیدا ہو سکتی ہیں وہ سب روشن ہو گئیں تو اُن کا تدارک کیا گیا۔

امن پسندوں سے مصالحت | مگر سب کی یہ کیفیت نہ تھی۔ بنی ضمرہ اور بنی خزاعہ سے مساویانہ اتحاد ہوا ہے اور قائم رہا ہے۔ نجران مکہ اور یمن کے مابین ایک بستی ہے وہاں کے عیسائی ہجرت سے پہلے مکے میں حاضر آئے ہیں اور قرآن سُنکر آبدیدہ ہوئے ہیں۔ دوبارہ مدینے میں انکے ساٹھ آدمی پہنچے ہیں۔ حضرتؐ نے مسجد کے اندر انکو اپنی طرز پر عبادت کرنے کی اجازت دی ہے۔ مذہبی بحث ہوئی ہے تو نرمی سے جواب دیا گیا ہے مگر وہ حضرت مسیحؑ کی الوہیت پر اصرار کرتے رہے ہیں اس لیئے فرمایا ہے کہ آؤ ہم تم ملکر خدا سے دعا کریں اور جو غلطی پر اصرار کرتا ہے اُس پر لعنت بھیجیں۔ اِس کام کیلئے اپنے اہل بیت اطہار کو ساتھ لیکر تشریف لائے ہیں تو وہ مرعوب ہو گئے ہیں۔ بددعا پر آمادہ نہیں ہوئے اور اپنی قوم کی طرف سے سالانہ خراج ادا کرنے کا ذمہ لیا ہے اور صلح کی ہے۔ داریون کا قبیلہ بھی مکے میں حاضر ہوا ہے اور درخواست کی ہے کہ حضرتؐ کو اقتدار حاصل ہو تو ہمکو فلاں علاقہ بطور دوامی جاگیر کے دیا جائے۔ اِسکے لیئے پروانہ لکھا گیا ہے۔ دوبارہ ہجرت کے بعد وہ مدینے میں حاضر ہوئے ہیں تو پروانے کی تجدید کی گئی ہے۔ اِن سب واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ احکام جہاد پر عمل پیرا ہونے کا وقت آیا ہے تو اسلامیوں کو یہی مدنظر رہا ہے کہ کفار کے شر سے محفوظ رہنے کا اہتمام کریں۔ خود اُنکی طرف دوستانہ صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اُنکی پابندی کریں۔ وہ صلح کرنا چاہیں تو انکار نہ کریں۔ صلح کے بعد کچھ انعام طلب کریں تو عطا کیا جائے۔ وہ مطیع ہو کر خراج ادا کریں تو اُنکی حفاظت کا بار اُٹھایا جائے اور ہر حال میں اُنھیں اپنے مذہب پر قائم رہنے کی

اجازت ہو۔

صلح حدیبیہ

محض اس مدعا کو پیش نظر رکھنے اور صلح کو ہر حال میں جنگ سے بہتر سمجھنے کا سب سے بڑا ثبوت حدیبیہ کے مقام پر ملتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہمراہیوں کے قربانی کے جانور لیکر خانہ کعبہ میں عبادت ادا کرنے کیلئے تشریف لے گئے ہیں۔ مکے کے قریب پہنچے ہیں تو قریش نے شہر میں داخل ہونے کی مزاحمت کی ہے۔ آپ نے حدیبیہ کے مقام پر فروکش ہو کر حضرت عثمانؓ کو مکے میں رؤسائے قریش کیطرف یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ ہم جنگ کی نیت سے نہیں آئے ہیں صرف عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اتنی دیر کے لیے ہمیں کعبۃ اللہ میں داخل ہونے کی اجازت دو۔ قریش کو یقین ہے کہ حضرت زبان سے جو کچھ فرماتے ہیں اُس سے سر مو تجاوز نہ کرینگے اور کوئی فریب عمل میں نہ لایا جائے گا۔ مگر جاہلانہ حمیّت سے مانع ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دشمن کو مکے میں داخل دینے سے ہم تمام عرب کے اندر بزدل تصور کیے جائینگے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کو روک لیتے ہیں اور واپس نہیں آنے دیتے لشکر میں یہ افواہ اُڑتی ہے کہ عثمانؓ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ حضرتؐ کو بیحد افسوس ہوتا ہے اور عثمانؓ کا انتقام لینے کی نیت پختہ ہوتی ہے۔ اور ہمراہیوں کو جنگ کیلئے بلایا جاتا ہے تو اُس وقت چودہ سو جوانان مرنے اور مارنے کے لیے حضرتؐ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہیں اور اُس زمانہ کی سرفروشانہ ضرورتوں کے مطابق مسلمانوں کو دس گُنا تعداد سے مقابلہ کرنے میں بھی حق تعالیٰ کی طرف سے نصرت کا وعدہ تھا اور سب مسلمان اس پر ایمان رکھتے تھے اور بارہا ایسی امداد کا تجربہ کر چکے تھے۔ چودہ سو نوجوان اس قاعدے کے مطابق چودہ ہزار کے لئے کافی تھے۔ اور اُدھر دشمن زیادہ سے زیادہ تعداد جو جنگ احزاب کے موقع پر میدان میں لا سکا ہے اُسکا شمار دس ہزار تھا۔ اور اسمیں بھی خالص قوم قریش کی تعداد چار ہزار تھی۔ اگر حدیبیہ پر جنگ ہوتی تو گمان نہ تھا کہ قریش چار پانچ ہزار سے زیادہ آدمی لا سکتے تو چودہ سو جوانوں کو اس تعداد پر حملہ آور ہونے میں کیا تردد ہو سکتا تھا۔ وہ دل سے چاہتے تھے کہ جنگ کا موقع ملے اور سلسلے کا اور اہل مکہ کا ہمیشہ کیلئے فیصلہ کر دیں۔ مگر قریش کی طرف سے صلح کی درخواست پیش ہوئی۔ دنیوی دستور کے مطابق ایسے خوفناک دشمن کو تباہ کرنے کا موقع میسر آئے تو مناسب معلوم ہوتا تھا کہ صلح کی درخواست پر

توجہ کی جائے۔ بیشک حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر غلط تھی اور وہ نزاع کی بنیاد نہ ہو سکتی تھی۔ مگر خانۂ کعبہ سب کا مشترک معبد ہے۔ انہیں عبادت کرنے سے روکنا بجائے خود جنگ کیلئے کافی عذر پیدا کر سکتا ہے۔ اور ایک مشترکہ استحقاق سے روکنے کے باوجود صلح کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اور وہاں رعایت کے اوپر اضافہ اور تھا کہ اہل مکہ شرطیں سب اپنے مفید مطلب پیش کرتے تھے یعنی کہتے تھے کہ مسلمان اسوقت واپس چلے جائیں۔ اور ایک سال کے بعد عمرہ ادا کرنیکے لیئے آئیں۔ تین دن سے زیادہ نہ ٹھیریں۔ اور نیز جس عرصے تک یا ہمدگر صلح قرار پائے اُس وقت کے اندر اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص اسلام سے برگشتہ ہو کر مکّے میں واپس چلا جائے تو قریش اُسے پناہ دینگے اور مسلمانوں کے پاس واپس نہ بھیجیں گے لیکن اگر قریش میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مسلمانوں میں جا ملے تو مسلمان اُسے قریش کے پاس واپس بھیجدیں گے اور اپنے ساتھ نہ رکھیں گے۔ دنیوی اغراض کیلئے جنگ کرنے والی کوئی طاقت باوجود اپنی قوت کے ایسی یک طرفہ شرائط کو تسلیم کرنیکے لیئے تیار نہیں ہو سکتی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ہمراہی ان شرطوں سے بیزار ہونے کا متفقہ اعلان کرتے تھے اور کسی طرح رضامند نہ ہوتے تھے لیکن حضرتؐ نے وحی ربانی سے بشارت پا کر ایک دفعہ بھی اس صلح کو قبول فرمانے سے انکار نہیں کیا اور فوراً حکم دیا کہ ہاں کاغذ تحریر کیا جائے۔ تحریر کرنے کی اثنا میں اُنکی طرف سے بے ادبی کا اظہار ہوا مگر حضرتؐ نے تحمل کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ کاغذ پر پہلے بسم اللہ لکھی گئی۔ سہیل بن عمرو نے جو قریش کے نمائندہ ہیں لکھنے والے کا ہاتھ پکڑ لیا کہ ہم رحمٰن و رحیم کو نہیں جانتے۔ یہ الفاظ نہ لکھے جائیں۔ آنحضرتؐ کا نام نامی محمدؐ رسول اللہ لکھا گیا تو انھوں نے اعتراض کیا کہ ہم تمکو رسول اللہ نہیں مانتے۔ محمدؐ بن عبداللہ لکھو۔ لکھنے والے حضرت علیؓ تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ کا مبارک لفظ تحریر کرنیکے بعد کاٹ نہیں سکتا۔ صلح کسی کو پسند نہ تھی۔ سب دل سے چاہتے تھے کہ کوئی جھگڑا پیدا ہو اور صلح نہ ہونے پائے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ لے لیا اور اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کا لفظ کاٹ دیا۔

صلح کی پابندی اور امتحان کی سختی

کاغذ مکمل ہو گیا۔ شہادتیں ثبت ہو گئیں۔ مگر ابھی محفل برخاست نہ ہوئی تھی کہ نمائندۂ قریش یعنی سہیل بن عمرو کا اپنا بیٹا ابو جندل زنجیروں میں جکڑا ہوا لنگڑاتا ہوا

اور لڑھکتا ہوا آیا۔ آتے ہی گرا اور چلایا کہ مسلمانو خدا کے لیئے مجھے بچاؤ۔ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میرا باپ جو اس وقت یہاں موجود ہے۔ مجھے زنجیر میں جکڑے رکھتا ہے اور سخت اذیت دیتا ہے کہ اسلام کو چھوڑ دوں۔ اسکا باپ یہ دیکھکر ایک خار دار شاخ اُٹھاتا ہے اور اسکے مُنہ پر مار کر چہرے کو خون آلود کرتا ہے اور کہتا ہے کہ محمدؐ! دیکھو۔ ابھی کاغذ مکمل ہوا ہے۔ تم اسکو لیجا نہیں سکتے۔ تمام صحابہ کرام تڑپ اُٹھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ سے رہا نہیں جاتا عرض کرتے ہیں یا رسول اللہؐ کیا ہم حق پر اور یہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟ آپؐ فرماتے ہیں۔ کیوں نہیں! وہ کہتے ہیں تو پھر ہم کیوں ایسی ذلیل شرط پر مجبور کیئے جاتے ہیں۔ ہم مرنے کو تیار ہیں تو صلح کیسی؟ حضرتؐ فرماتے ہیں۔ عمرؓ! یہ صلح خدا کے حکم سے ہوئی ہے اور یہی صورت مفید ہے۔ جو شخص ہم میں سے اسلام کو ترک کر دے گا وہ بیشک اپنے ہم خیالوں سے جا ملے ہمیں اسکو مجبور کرنے سے کیا فائدہ۔ جو شخص ان میں سے مسلمان ہوتا ہے خدا اُسکے لیۓ خود کوئی سبیل پیدا کر دے گا پھر ابو جندل سے فرماتے ہیں کہ برخوردار ہم مجبور ہیں تمھیں ٹھرا نہیں سکتے۔ تم اپنے باپ کے ساتھ جاؤ۔ خدا تمھارا مددگار ہوگا۔ سہیل بن عمرو کے ساتھ مکرز بن حفص اور حویطب بن عبد العزیٰ دو اور نمائندے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ابو جندل کے لیئے ہم ضامن ہوتے ہیں آئندہ اسے کوئی تکلیف نہ دیجائے گی یہ شوق سے مکے میں رہ کر اسلام پر قائم رہے۔

عورتوں کے بارے میں شرط کی ترمیم | صلح مکمل ہوتی ہے اور حضرتؐ مدینے میں تشریف لاتے ہیں تو ایک عورت اُمِّ کلثوم بنت عقبہ مسلمان ہو کر حاضر ہوتی ہے۔ پیچھے اسکے دو بھائی واپس لینے کے لیئے پہنچتے ہیں۔ یہ معاملہ زیادہ دشوار نظر آتا ہے جنگجو اقوام میں مرد کی قدر و قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ اس سے ناراض بھی ہوں تو جان سے مارنا نہیں چاہتے کسی قسم کی تکلیف دے کر اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن عورت کی حیثیت اور ہے اور عرب میں بالخصوص عورت نہایت ذلیل سمجھی جاتی تھی۔ اُسے پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا کرتے تھے تو ناراض ہو کر مار ڈالنے میں کیا تامل تھا۔ اسلام کے اندر سب سے پہلی شہید ایک عورت ہے یعنی عمّار بن یاسر کی بڑھیا

والدہ جسکو ابوجہل نے مارتے مارتے نیزے میں پرو لیا تھا۔ اِس عورت کے لیئے بھی ایسا ہی اندیشہ تھا
مگر حضرتؐ نے وحی ربانی کا حکم پاکر یہ شرط پیش کی کہ عورت پر جو صرف ہوا ہے وہ لیکر آزاد کر دیا
جائے۔ وہ لوگ عورت کو حیوان کے برابر سمجھتے تھے۔ زر کے حریص تھے اس شرط کو مان گئے اور
عورتیں مسلمان ہوکر بے تکلف آنے لگیں۔

شرط منسوخ کرنے کا قدرتی سامان پھر ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے اِس شرط کو بالکل منسوخ
کر دیا۔ یعنی ابوبصیر مسلمان ہونے کی وجہ سے مکےّ میں مقید تھے وہ بھاگ کر مدینے میں آ گئے۔ قریش نے
اُنکو لینے کے لیئے بنی عامر کے ایک شخص کو مع ایک غلام کے بھیجا۔ حضرتؐ نے ابوبصیرؓ کو سمجھایا
کہ ہم شرط کیوجہ سے مجبور ہیں تمھیں ٹھہرا نہیں سکتے۔ خدا تمھارے لیئے اور تم جیسے کمزور مسلمانوں
کے لیئے کوئی صورت پیدا کر دے گا۔ سردست ابھی چلے جاؤ۔ وہ روانہ ہوئے۔ رستے میں ایک
مقام پر اُنکے ہمراہی نے تلوار میان سے نکالی اور کہا کہ دیکھو کیسی اچھی تلوار ہی۔ اِس سے انصار مدینہ
کی گردنیں اڑاؤں گا۔ ابوبصیر نے کہا۔ ذرا دکھانا۔ بہت تیز ہے؟ اس نے فخر میں دیدی۔ ابوبصیر
نے ایک ہی ہاتھ میں اُنکی گردن اڑا دی۔ غلام جو ساتھ تھا یہ دیکھ کر بھاگا۔ اور مدینے کی طرف آیا
پیچھے ابوبصیرؓ مقتول کی اونٹنی پر سوار حضرتؐ کی خدمت میں پہنچے۔ غلام چلاّ رہا تھا کہ انھوں نے
آکر کہا۔ یا رسول اللہ آپنے اپنی شرط پوری کرلی۔ اور مجھے خدا نے دشمنوں سے نجات دی
ورنہ میں جاتا تو ضرور یا جان سے ہاتھ دھوتا یا دین سے۔ حضرتؐ نے فرمایا تم نے بُرا کیا۔ ہم
تمھیں اپنے پاس نہ رکھیں گے۔ جہاں چاہو چلے جاؤ۔ اُنھوں نے عرض کی کہ مقتول کا
اسباب مالِ غنیمت ہی۔ اِس کا شرعی حصہ وصول کر لیجے۔ فرمایا نہیں۔ یہ قتل بے قاعدہ ہے
اور مال کا لینا جائز نہیں۔ ابوبصیرؓ اُسی اونٹنی پر سوار ہوکر چلدیئے۔ ملک شام کے رستے میں
ایک مقام پر جا ٹھہرے۔ اور قریش کے آنے جانے والوں پر حملہ کرنے لگے۔ ابوجندل جو صلح
کے وقت حضرتؐ کی خدمت میں آئے تھے اور واپس کر دیئے گئے تھے۔ وہ اور کئی اور مسلمان جو
اسی طرح کی تکلیفیں اُٹھا رہے تھے۔ رفتہ رفتہ ابوبصیرؓ کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ حضرتؐ کو

خبر پہنچی تو فرمایا ابو بصیرؓ نے بڑا فتنہ برپا کیا۔ پھر جنگ بھڑک اٹھے گی۔ اُدھر قریش تجارت پیشہ قوم تھی اور ملک شام کی طرف آنے جانے کے سوا بسر اوقات کی کوئی صورت نہ رکھتی تھی وہ تنگ آگئے تو ابو سفیان خود مدینے میں حاضر ہوئے اور اس شرط کو واپس لیکر ان کو بلانے کی درخواست کی۔ یہ وہ قدرتی نتائج تھے جو دب کر صلح کرنیکے بعد خود بخود پیدا ہوئے۔

صلح کا فائدہ صلح کے بعد قرآن کی وہ آیتیں نازل ہوئی تھیں جن میں ذکر ہے کہ اے محمدؐ ہم نے تم کو نمایاں فتح دی ہے۔ مسلمان حیران تھے کہ مغلوبیت کی صلح کو نمایاں فتح کیوں کہا گیا ہے۔ اِن دو سال کے عرصے میں جو صلح کی حالت میں گذرے دیکھا گیا کہ اس سے پہلے انیس ۱۹ سال کی تبلیغ میں جسقدر تعداد نے اسلام قبول کیا تھا اُتنی ہی تعداد اس دو سال میں مسلمان ہوئی ہے، اور ثابت ہوا کہ اسلام کو صرف امن اور آزادی کی ضرورت ہی۔ یہ حاصل ہو جائے تو فتح اسلام ہی کے نام ہے۔ انیس سال تک مسلمان ہونے پر قتل کیا جاتا رہا ہے، قید کیا جاتا رہا ہے تکلیفیں دی جاتی رہی ہیں۔ اسلیئے بہت سے کمزور تھے جو اسلام کو مان کر اُسکا اظہار نہ کر سکتے تھے۔ صلح کے بعد رستوں پر سے فوجی ناکہ بندی اٹھا دی گئی تو ہر طرف سے لوگ مسلمان ہو کر آنے لگے۔ صلح میں جو شرط مکّے والوں کو روکتی تھی وہ دُور ہوئی تو اُن کا بھی تانتا بندھ گیا۔

قریش کی معاہدہ شکنی اور فتح مکہ صلح کی میعاد دس سال تھی۔ مگر قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور بنی بکر کی حمایت میں جو اُنکے حلیف تھے بنی خزاعہ پر جو مسلمانوں کے حلیف تھے بیخبری میں رات کے وقت شبخون مارا اور اُن کا بہت نقصان کیا۔ بنی خزاعہ کا سردار عمرو بن سالم اپنی قوم کے چالیس آدمیوں کے ساتھ دربار نبوّت میں فریاد لیکر آیا اور ثابت ہوا کہ جب تک تدارک واقعی تدارک نہ کیگا قریش اپنے معاندانہ ارادوں سے باز نہ آئیں گے۔ اور معاہدوں سے اُنکی شرارت کا سدباب نہوگا تو حضرتؐ نے مکہ معظمہ پر یورش کی۔ دو سال کی با امن زندگی نے تعداد میں کمی نہ چھوڑی تھی۔ سامان کی قلت نہ رہی تھی۔ حملہ بڑی شان سے کیا گیا۔ قریش جنگ احزاب میں تمام عرب سے امداد لیکر آئے تھے تو دس ہزار کا لشکر لا سکے تھے۔ اِدھر سے چونکہ مذہبی جہاد کی تیاری ہے۔ اُن لوگوں سے امداد نہیں لیگئی جو حلیف

ہیں اور اسلام میں داخل نہیں ہیں۔ صرف مسلمانوں کے نبرد آزما جوانوں کو جمع کیا گیا ہے اور دو ہزار کی جمعیت سے یورش ہوئی ہے جن میں سپاہ قلب کے دو ہزار سپاہی سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق ہیں۔ اور سوائے آنکھ کے ان کے جسم کا کوئی حصہ برہنہ نہیں۔ اور چونکہ حملے کی شہرت نہیں ہونے پائی۔ اسلئے جب تک یہ لشکر مکے کے میدان میں فروکش نہیں ہوا اہل مکہ کو خبر نہیں مل سکی۔ اس حالت میں اگر مقابلہ ہوتا تو شہر مکہ کوئی بڑی تعداد میدان میں نہ لا سکتا تھا اور مسلمانوں کو یقین تھا کہ اپنے تمام انتقامی جذبات کو نہایت آسانی کے ساتھ پورا کر سکیں گے۔ چنانچہ ابو سفیانؓ حضرت عباسؓ کے ساتھ لشکر گاہ میں آکر مسلمان ہوئے ہیں اور شہر پر حملہ آور ہونیکے وقت رستے میں کھڑے ہو کر لشکر کو دیکھنے لگے ہیں تو انصاری جمعیت کے سردار سعد بن عبادہؓ نے اپنا جھنڈا ہلا کر کہا۔ ابو سفیان! آج نبرد آزمائی کا دن ہے۔ آج حرم میں خون بہنے کا دن ہے۔ آج قریش کے ذلیل ہونے کا دن ہے۔ اسکے بعد جب قلب کا لشکر گذرا تو ابو سفیان نے چلا کر کہا۔ یا رسول اللہؐ کیا آپ اپنی قوم کو قتل کرنے کیلئے چلے ہیں؟ سعد کہتا ہے۔ آج نبرد آزمائی کا دن ہے اور آج قریش کے ذلیل ہونے کا دن ہے آج حرم میں خون بہنے کا دن ہے۔ میں آپکو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اپنی قوم پر رحم کریں کیونکہ آپ سب سے زیادہ قسم کا پاس کرنیوالے ہیں اور آپ سب سے زیادہ رحیم ہیں حضرتؐ فرماتے ہیں نہیں سعد نے غلط کہا آج اتحاد کا دن ہے آج قریش کے اعزاز پانے کا دن ہے۔ آج کعبۃ اللہ کے احترام کا دن ہے۔

فاتحانہ داخلے کا انداز ابو سفیان کو محبت آمیز جواب دینے والا وہ شخص ہے جو ابھی نو سال گذرے ہیں مکے کے بازاروں میں خدا کے نام کی منادی کرتا تھا تو اسکا چچا پیچھے پیچھے پتھر مارتا ہوا اسے زخمی کرتا جاتا تھا۔ نماز پڑھتا تھا تو اسکے اوپر کیچڑ اور گوبر پھینکا جاتا تھا قرآن کی تلاوت کرتا تھا تو نرسنگھا بجا کر شور مچایا جاتا تھا۔ رات کو رستے میں کانٹے بکھیرے جاتے تھے۔ رشتے ناطے اسکے توڑ دیئے گئے تھے۔ خرید و فروخت اسکے ساتھ نہ ہوتی تھی۔ حج کے موقع پر تمام عرب قبیلوں سے درخواست کرتا تھا کہ کوئی مجھے اپنی رفاقت میں لیلو تا آزادی کے ساتھ نام خدا کی اشاعت کروں تو جواب ملتا تھا کہ جو سلوک تجھ سے تیری قوم کرتی ہے تو اسی کا سزاوار ہے۔ اسکے ہمراہیوں کو تکلیفیں دیجاتی تھیں۔ قتل کیا جاتا تھا اور جو دلسے

قتل کرنے کے لیئے مکّے میں رہنے والے تمام خاندانوں کا ایک ایک آدمی انتخاب کیا گیا تھا تو وہ رات کو
چھپ کر شہر سے نکلا تھا۔ وہی شخص (فداہ ابی و امی) اب عظمت و اقتدار کے انتہائی درجے پر پہنچکر ایسے
دشمنوں کے شہر پر پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے تو کہتا ہو آج تمہارے اعزاز پانے کا دن ہے
آج اتحاد کا دن ہو! تاریخ کی آنکھ نے بیشمار فتحیابوں کو مفتوحہ علاقوں میں داخل ہوتے دیکھا ہے لوٹ
ایسے ممالک پر یورش کرتے دیکھا ہے۔ جنسے پہلے کوئی عداوت نہ ہو۔ محض کشورکشائی کے شوق میں
بغیر کسی وجہ کے حملہ آور ہوتے ہیں اور اہل ملک مدافعت کرتے ہیں تو صرف اس بنا پر کہ اُنکے پیغام کا
عاجزانہ جواب نہیں دیا گیا۔ یا مقابلہ میں زیادہ شدت دکھائی ہے غصے میں آکر حصار کو توڑتے
ہیں تو زن و بچہ کو قتل کرتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔ خون کے دریا بہاتے ہیں۔ شہروں کو آگ
لگاتے ہیں اور مال و زر کا نشان نہیں چھوڑتے۔ مگر وہ فاتح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک جرنیل کے
سخت الفاظ سنکر بیقرار ہو جاتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ سعد سے سرداری کا نشان لیلیا جائے۔ اور
ابو سفیان کو ارشاد ہوتا ہے کہ جاؤ شہر میں منادی کردو کہ جو شخص گھر کا دروازہ بند کر لیگا امن میں رہیگا
مگر سب ایسا نہیں کر سکتے۔ جو شخص بازار یا گلی میں ہو اگر ابو سفیان کے مکان کے قریب ہو تو وہاں
چلا جائے۔ شہر کی دوسری جانب حکیم بن حزام کا مکان ہے اُدھر والے وہاں پناہ لیں۔ ایک طرف
خانہ کعبہ ہے اُسکے احاطہ میں آجائیں یہ سب محفوظ رہیں گے۔ جو لوگ شہر کے باہر ہوں وہ ابن
ابی رواحہ کے علم کی پناہ لیں۔ ہم نے ابن ابی رواحہ کو امن دینے کے لیئے بھیجا ہے۔ ایسے اشخاص
سے کوئی پرخاش نہوگی۔ اُدھر فوج میں اعلان کیا جاتا ہے کہ جو شخص سامنے سے حملہ آور ہو اُسکا
مقابلہ کیا جائے۔ وہ خود کسی پر تلوار بلند نہ کریں۔ جارحانہ حملہ ہے۔ اور اس مدافعانہ شکل سے پورا
کیا جاتا ہے۔ لشکر تقسیم ہو کر مختلف اطراف سے شہر میں داخل ہوتا ہے صرف ایک دروازے پر
شہر والے مقابلہ کرتے ہیں تو خالد بن ولید کے ہمراہی اٹھائیس اور بروایت دیگر ستر نفوس کو قتل
کرتے ہیں۔ حضرتؐ کو اسکی خبر پہنچتی ہے تو فوراً حکم بھیجتے ہیں کہ ہاتھ روکو اور بھاگنے والوں کا تعاقب
نہ کرو۔ حضرتؐ کعبۃ اللہ میں تشریف لاتے ہیں۔ وہاں اشراف قریش کا ہجوم ہے اور سب خمیدہ

خوف سے آنکھیں پھاڑے ہوئے آنیوالے کو دیکھ رہے ہیں۔ کینہ و انتقام کا جذبہ غالب ہوتا تو قتل عام کا حکم دیا جاتا۔ اور جیسا کہ مسلمانوں پر الزام ہے اگر مذہبی تعصب کا جوش ہوتا تو کہا جاتا کہ ایمان لاؤ ورنہ قتل کیئے جاؤگے۔ وہاں دونوں باتیں نہیں۔ محبت بھری آواز میں کہا جاتا ہے "تم مجھ سے کیا امید رکھتے ہو"۔ سب طرف سے آواز آتی ہے کہ "تم فیاض بھائی ہو فیاض بھائی کے بیٹے ہو"۔ آپ فرماتے ہیں میرا جواب وہی ہے جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو دیا تھا:

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ — آج تمھیں کوئی سرزنش نہ ہوگی۔ خدا تم کو معاف کرے وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔

سب قربان ہونے لگے اور زن و مرد کلمۂ شہادت پڑھکر بیعت کے لیئے جھکے۔ کعبہ بتوں سے پاک ہوا۔ اور مکہ جو بت پرستوں کا مرکز تھا نعرۂ توحید سے گونجنے لگا۔

استثنا ری مجرم | مگر انقلاب کیسا ہی عالمگیر ہو استثنا سے خالی نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ پُرانی عداوت سے اور جاہلانہ حمیت سے برافروختہ بھی تھے۔ اُن میں سے بعض نے اسلامیوں کو سخت سے سخت تکلیفیں دی تھیں اور اب تک اپنی سرکشی پر مُصر تھے۔ بعض شاعر تھے اور حضرتؐ کی ہجو اور اسلامیوں کی مذمت میں تمام زور طبیعت صرف کرتے رہتے تھے۔ بعض گانے کا پیشہ رکھنے والی عورتیں تھیں جو ہجو یہ اشعار اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز نظمیں خوش الحانی سے سُنایا کرتی تھیں۔ اور اُس زمانے میں محفل کے اندر کسی شاعر کے قصیدہ سُنانے سے یا کسی خوش الحان عورت کے گانے سے جو فتنہ بپا ہوتا تھا وہ آجکل کسی مشہور اخبار میں باغیانہ مضمون شائع کرنے سے بھی نہیں ہو سکتا۔ طبیعتیں سلجھی ہوئی ہیں۔ باغیانہ مضمون کو دیکھکر ایسا اشتعال پیدا نہیں ہوتا کہ دفعتہً بھڑک اُٹھیں۔ اور ایک مضمون باغیانہ ہوتا ہے تو دس پانچ آرٹیکل تردید میں بھی فوراً شائع ہو جاتے ہیں اور جسقدر اثر ہوتا ہے نابود کر دیتے ہیں۔ مگر اُن دنوں میں کسی عورت کے چند اشعار پڑھ دینے سے جاہلوں میں ایسا جوش پیدا ہوتا تھا کہ سالہا سال تک جنگ و جدال کی آگ نہ بجھنے میں نہ آتی تھی۔ اگرچہ مکہ تصرف میں آگیا تھا۔ قریش کے اکثر افراد اسلام سے

ہم آغوش ہوگئے تھے مگر پاس ہی طائف کے گرد و نواح میں ہوازن اور ثقیف کے بڑے جنگجو قبیلے لڑائی پر آمادہ تھے اور کہتے تھے قریش فنون جنگ سے آشنا نہ تھے مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ ہم اُتاریں گے۔ بعد میں جو معرکہ ان قبائل سے ہوا ہے۔ وہ بہت خوفناک تھا۔ مکے والوں میں جو لوگ برخلاف تھے اُن کا تدارک نہ کیا جاتا تو دشمنوں سے ملکر دشواریوں میں اضافہ کر سکتے تھے اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد گیارہ مرد اور چار عورتوں کو اشتہاری مجرم قرار دیا اور فرمایا کہ انھیں جہاں پاؤ قتل کر دو۔

مقتولین کے جرائم | ان میں سے ایک عورت اور تین مرد قتل ہوئے ہیں۔ مقتولین میں ایک عبدالعزیٰ بن خطل ہے جو مدینے میں جا کر مسلمان ہوگیا تھا حضرت نے اُسے ایک انصاری کے ساتھ مالیہ وصول کرنے کے لیئے بھیجا۔ انصاری کو اُسنے کھانا پکانے کیلئے کہا جس میں دیر ہوئی تو اُسے قتل کر دیا اور مکے میں واپس آکر مرتد ہوگیا۔ شاعر تھا۔ ہجویہ اشعار کثرت سے کہتا رہتا تھا۔ اور اُسکی دو کنیزیں یاد کر لیتی تھیں۔ دلکش آواز سے محفلوں اور میلوں میں سناتی پھرتی تھیں۔ مکے پر یورش ہوئی ہے تو یہ شخص مسلح ہوکر گھوڑے پر سوار ہوا اور قسم کھاتا ہوا بڑھا کہ محمدؐ کو شہر میں داخل نہ ہونے دونگا۔ مگر مقابلے کا وقت آیا تو گھوڑے سے اُتر کر اور ہتھیار پھینک کر روپوش ہوگیا۔ وہ اور اُسکی ایک لونڈی دونوں قتل کیئے گئے۔ دوسرا مقیس بن صبابہ ہے جسکا بھائی ایک انصاری کے ہاتھ سے نادانستہ قتل ہوگیا تھا اُس نے مدینے میں جا کر خون کا دعوے کیا۔ اور مسلمان بھی ہوگیا۔ حضرتؐ نے حسب قاعدہ اُسکے بھائی کا تاوان دلوا دیا۔ اُس نے تاوان وصول کرنیکے بعد انصاری کو قتل کیا اور واپس آکر مرتد ہوگیا۔ اسکے قتل کا حکم ہوا تو اپنے عمزاد بھائی نُمیلہ بن عبداللہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تیسرا شخص حویرث ابن نقید ہے جو قیام مکہ کے زمانہ میں حضرتؐ کو سخت اذیت دیا کرتا تھا۔ شاعر زبردست تھا۔ زہر آلود کلام سے عداوت کی تخم ریزی کرتا رہتا تھا۔ ہجرت کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں بی بی فاطمہ اور اُم کلثوم ایک اونٹ پر سوار ہوکر شہر سے نکلی ہیں حضرت عباسؓ ساتھ ہیں۔ حویرث نے پیچھے سے آکر اونٹ کے نیزہ مارا اور دونوں صاحبزادیوں کو گرا دیا۔ یہ شخص

حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

عفو کے کرشمے | باقی آٹھ مرد اور تین عورتیں جن کے قتل کا حکم تھا سب معافی پاکر بری ہوگئے ہیں اور اسلام لے آئے ہیں۔ مگر اُن میں سے کسی کے ساتھ یہ شرط نہیں کیگئی کہ ایمان لاؤ تو جان بخشی ہوتی ہے۔

گیارہ موقعے | ۱۔ عکرمہ اپنے باپ کی طرح اسلام کے سخت ترین دشمن تھے حتےٰ کہ فتح مکہ کے مصالحانہ داخلے پر خون کے چند چھینٹے بھی انھیں کے ہاتھ سے اُڑے ہیں یعنی عکرمہ نے اپنے ہمراہیوں کو لیکر مزاحمت کے لیئے تلوار بلند کی ہے۔ یہ فتح کے بعد فرار ہوگئے تھے۔ بیوی اسلام لے آئی اور اسکی سفارش سے عکرمہ کا قصور معاف ہوا تو وہ تلاش کے لیئے نکلی۔ ساحل پر جہاز میں سوار ہونے لگے تھے کہ بیوی پہنچ گئی اور معافی کی خوش خبری سُناکر واپس لے آئی۔ خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کی کہ بیوی کہتی ہے مجھے امن دیا گیا ہے۔ آپنے فرمایا سچ کہتی ہے۔ اسکے جواب میں کلمۂ شہادت کے سوا زبان سے کیا نکل سکتا تھا مسلمان ہوگئے تو حضرت نے فرمایا عکرمہ جو مانگو سو دیتا ہوں۔ عرض کی گنہگار بہت ہوں۔ دعائے مغفرت کی التجا ہے۔ حضرتؐ نے دعا کی اور عکرمہ نے باقی عمر جاں نثاری میں گذار دی۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں یرموک کے مشہور معرکے کے اندر ایسی بے جگری سے لڑے کہ لوگوں کو احتیاط کے لیئے تاکید کرنی پڑی۔ کہا، لات و عزّےٰ پر قربان ہوتا رہا ہوں۔ اب تو اللہ کے نام پر فدا ہونے کا موقع ہے۔ اسی معرکے میں شہادت پائی۔

۲۔ ابوجہل کے بھائی حرث بن ہشام اور بی بی ام سلمہ کے بھائی زہیر بن ابی امیہ کفار کے سرغنہ تھے اِن کے قتل کا حکم ہوا تو حضرت علیؓ نے قتل کرنا چاہا۔ دونوں بھاگ کر حضرت علیؓ کی ہمشیرہ بی بی اُم ہانی کے مکان میں جا چھپے۔ بی بی اُم ہانی اُسوقت تک خود مسلمان نہ ہوئی تھیں وہ اُنکو اپنے مکان میں بند کرکے حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ میں نے اِن دونوں کو پناہ دی ہے۔ میرے شوہر کے رشتہ دار ہیں حضرتؐ نے فرمایا اُم ہانی پناہ دیتی ہیں

تو ہم بھی پناہ دیتے ہیں۔ حرث بن ہشام روایت کرتے ہیں کہ مجھے ام ہانی کی سفارش سے امن ملا تو جب بھی میں ڈرتا تھا کہ کوئی مسلمان مار نہ دے۔ خصوصاً حضرت عمرؓ کی طرف سے مجھے سخت اندیشہ تھا۔ گھر میں بیٹھا تھا کہ عمرؓ میرے سامنے سے گذرے اور کچھ نہ کہا۔ میں اپنے سیاہ کارناموں کی وجہ سے حضرتؐ کی خدمت میں آنے سے شرماتا تھا۔ مگر حضرتؐ مسجد کو تشریف لیجاتے تھے کہ سامنا ہوگیا۔ حضرتؐ ٹھہر گئے۔ اور بخندہ پیشانی بات کہنے لگے۔ میں فوراً آگے بڑھا اور کلمۂ شہادت زبان پر لایا۔ فرمایا الحمدللہ تم جیسا شخص اسلام سے بیگانہ نہیں رہ سکتا۔

۳۔ صفوان بن امیہ حضرتؐ کو اور مسلمانوں کو سخت اذیتیں پہنچاتے رہے ہیں تیقتل کا حکم سن کر فرار ہو گئے۔ انکے عمزاد بھائی عمیر بن وہب خدمت میں آئے اور عرض کی کہ صفوان قوم کا سردار ہے۔ آپنے ہر کس و ناکس کو امن دیا ہے۔ اسکو بھی معاف کیجے۔ فرمایا جاؤ اسے ڈھونڈ لاؤ۔ ہم نے معاف کیا۔ عرض کی کہ کوئی نشان عطا ہو وہ اسکے بغیر نہ آئے گا۔ آپنے عمامہ جو مکے میں داخل ہونیکے وقت سر مبارک پر تھا۔ عطا فرمایا۔ وہ ساحل پر پہنچ چکے تھے۔ وہب کو دیکھ کر کہا۔ بھائی جاؤ اب واپس چلنے کا موقع نہیں۔ وہبنے کہا۔ میں سب سے حلیم اور سب سے رحیم آقا کی طرف سے بلانے آیا ہوں۔ اندیشہ نہ کرو۔ آئے۔ حاضر ہوئے اور پوچھا کہ میرا بھائی سچ کہتا ہے آپ نے فرمایا ہاں تمھیں امن ہے۔ عرض کی اسلام لانے کے لئے دو ماہ کی مہلت دیجے۔ فرمایا چار مہینے تک غور کر لو۔ جلد ہی حنین کا معرکہ پیش آگیا۔ حضرتؐ نے صفوان سے چالیس ہزار درہم قرض لئے اور کچھ زرہیں طلب کیں۔ پوچھا۔ کیا یہ مال مجھ سے غصب کیا جاتا ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا نہیں عاریت ہے۔ واپس دیا جائے گا۔ اور جو ضائع ہو اسکی قیمت ادا ہوگی۔ مہم میں ساتھ گئے فتح کے بعد حضرتؐ نے سو اونٹ دیئے۔ پھر سو اور دیئے۔ سہ بارہ سو اور دیئے۔ ایک جنگل بکریوں کا بھرا ہوا تھا۔ صفوان دیکھنے لگے تو حضرتؐ نے فرمایا۔ کس نظر سے دیکھتے ہو جاؤ سب بکریاں تمھاری ہیں۔ کہا اتنی فیاضی بادشاہ نہیں کر سکتے۔ آپ ضرور نبی ہیں۔ بعد میں کہا کرتے تھے کہ میں حضرت کو سب سے برا سمجھتا تھا۔ حضرت بار بار فیاضیاں دکھاتے رہے۔ حتیٰ کہ مجھے آپ سب سے

زیادہ محبوب ہوگئے۔

۴۔ سارہ گانے کا پیشہ رکھنے والی عورت تھی۔ مدینے میں حضرت ؐ کے پاس خیرات مانگنے حاضر ہوئی۔ حضرت ؐ نے پوچھا کیوں اب گانے بجانے سے کام نہیں چلتا؟ کہنے لگی جب سے جنگ بدر میں شکست کھائی ہے گانا سُننے کا کسے ہوش ہے۔ آپ ؐ نے ایک اونٹ پر غلہ لادوا کر دیا۔ مکے میں آئی تو پھر وہی گانے کا اور حضرت کی ہجو سُنانے کا پیشہ اختیار کیا۔ ابن خطل نہایت زہرآلود شعر یاد کرا دیا کرتا تھا۔ سارہ اور ابن خطل کی دونوں لونڈیاں گاتی پھرتی تھیں۔ حضرت ؐ نے ان تینوں کے قتل کا حکم دیا۔ ایک لونڈی ماری گئی۔ دوسری لونڈی اور سارہ کے لیئے سفارش ہوئی۔ معاف کیا گیا تو دونوں مسلمان ہوگئیں۔

یہ سب لوگ معافی پانے کے بعد اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے ہیں۔ باقی اشتہاری مجرم یعنی ایک عورت اور چار مرد مسلمان ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

۵۔ ہبار بن اسود مسلمانوں کو سخت تکلیف دیتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت ؐ کی صاحبزادی بی بی زینب ہجرت کے لیئے اونٹ پر سوار ہو کر مکے سے نکلی ہیں تو ہبار نے پیچھے سے آکر اونٹ کو زخمی کیا بی بی زینب گر گئیں۔ حاملہ تھیں اسقاط ہوگیا اور اسی مرض میں فوت ہوئیں۔ یہ فتح کے دن بھاگے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ کے مقام پر فروکش تھے کہ دفعتہً حاضر ہوئے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر کہا کہ آپ کے خوف سے مارا مارا پھرا ہوں۔ عجم کی طرف جانے کا ارادہ تھا آپ کی رحم دلی اور چشم پوشی کا خیال آیا۔ ہم لوگ شرک میں مبتلا تھے۔ آپ کی بدولت ہلاکت سے بچے۔ مجھے اپنے تمام جرموں اور خطاؤں کا اعتراف ہے۔ معاف کیجے۔ فرمایا اسلام سب قصوروں کو مٹا دیتا ہے۔ الحمدللہ خدا نے تمھیں ہدایت دی۔

۶۔ کعب بن زہیر اپنی مشہور شاعرانہ سحر طرازی سے اسلام کے خلاف بہت کام لیتے رہے ہیں۔ اُن کا بھائی بجیر مسلمان تھا۔ اُنکے قتل کا حکم ہوا ہے تو بجیر نے اُنکو نظم میں خط لکھا ہے۔ اور صلاح دی ہے کہ اگر مسلمان ہو جاؤ تو بہتر ہے۔ نہیں تو جہانتک ہو سکے دور نکل جاؤ۔ بہت تنگ ہو کی

اندیشہ لگا رہا۔ آخر مدینے میں آئے۔ خدمت میں حاضر ہونے کے لیئے صبح صادق کا وقت انتخاب کیا منہ لپیٹے ہوئے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ہاتھ میں لیکر عرض کی کہ یا رسول اللہ اگر کعب بن زہیر تائب ہو کر آئے تو آپ اُس کا قصور معاف کر دینگے۔ حضرت نے فرمایا ہاں۔ کہا وہ گنہگار یہی ہے۔ کلمۂ شہادت پڑھا اور اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد سُنایا۔ حضرتؐ نے اپنی چادر عطا فرمائی۔ امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اِس چادر کے دس ہزار درہم دینے چاہے۔ کعبؓ نے کہا رسول اللہ کا انعام مال دنیا کے عوض نہ دونگا۔ امیر معاویہؓ کو بھی شوق لگا رہا۔ کعب فوت ہوئے تو اُنکے وارثوں سے بیس ہزار درہم دے کر خرید ی۔ اور تمام خلفاء تخت نشینی کے وقت اُسے اوڑھتے رہے۔ یہ چادر فتنۂ تاتار میں گم ہوئی۔

۷۔ وحشی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار حضرت حمزہ رضؓ کے قاتل ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ میرے قتل کا حکم ہوا تو طائف کو چلا گیا۔ کچھ دن کے بعد طائف والے بھی مسلمان ہونیکے لیئے چلے تو میرے لیئے زمین تنگ ہو گئی۔ کبھی شام کو۔ کبھی یمن کو۔ کبھی کسی اور ملک کو نکل جانے کا ارادہ کرتا تھا۔ کسی نے کہا تو تائب ہو کر خدمت میں کیوں نہیں پہنچتا۔ آپ توبہ کے بعد کسیکو محروم نہیں کرتے میں آیا۔ دفعۃً سامنے چلا گیا۔ اور کلمۂ شہادت پڑھا۔ فرمایا تم وحشی ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ حضرت حمزہؓ کے قتل کی کیفیت پوچھتے رہے پھر فرمایا تمھیں دیکھکر چچا یاد آتے ہیں اور صدمہ ہوتا ہے آؤ تو پیچھے بیٹھا کرو۔ وحشی نے جنگ یمامہ میں اُسی حربے سے مسیلمہ کذاب کو مارا ہے تو کہا کرتے تھے۔ شاید یہ عمل میرے اُس فعل کا کفارہ ہو۔ میں نے حالت کفر میں دنیا کے بہترین شخص کو اور مسلمان ہو کر ظالم ترین شخص کو قتل کیا ہے

۸۔ عبد اللہ بن ابی سرح مدینے میں جا کر مسلمان ہوئے۔ حضرتؐ نے کتابت وحی کی خدمت اُنکے سپرد کی۔ کچھ کا کچھ لکھنے لگے۔ قرآن کی غلطی چھپ نہ سکتی تھی۔ راز فاش ہوا تو بھاگ کر مکے میں چلے گئے۔ اور وحی کے متعلق بے سروپا باتیں پھیلانے لگے۔ فتح مکہ کے بعد قتل کا حکم ہوا تو حضرت عثمانؓ کے پاس پناہ لی کیونکہ اُنکے رضاعی بھائی تھے۔ حضرت عثمانؓ اُنھیں لیکر خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں نے اِسے پناہ دی ہے۔ مگر ان کا جرم بہت سخت تھا کہ وحی ربانی کو بگاڑنے

کی اور دین حق میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کی بات سُنکر مُنہ پھیر لیا۔ حضرت عثمانؓ نے پھر سفارش کی۔ جواب نہ پایا۔ سہ بارہ عرض کی کہ یا رسول اللہ میں نے اسے پناہ دی ہے۔ بیعت کر لیجیے۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا اور بیعت قبول کی۔ پھر اہل محفل سے فرمایا کہ یہ شخص تو پہلے واجب القتل تھا۔ ہم اسی لیئے خاموش تھے کہ تم میں سے کوئی شخص فرض کو بجالائے اور اسے قتل کر دے۔ لوگوں نے عرض کی کہ ہم خود تیار تھے۔ ایک اشارے کا انتظار تھا۔ فرمایا مخفی اشارہ دھوکا ہے۔ نبی ایسا نہیں کر سکتا۔ عبداللہ بن ابی سرح نے دوبارہ مسلمان ہو کر جان نثاری میں بہت نام پایا ہے۔ مصر کی مہم میں بطور نائب سپہ سالار کے کام کیا ہے۔ اور افریقا کی باقی فتوحات اِنہی کے نام پر ہوئی ہیں۔

۹۔ ابو سفیان کی بی بی ہند۔ وہ عورت ہیں جو دف بجا کر اور خوش الحانی سے گا کر مسلمانوں کے خلاف جوش پیدا کرتی رہی ہیں۔ حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو ہند نے اُن کا سینہ چاک کیا دل نکالا۔ اور دانتوں سے چبا کر تھوکا۔ اُنکے قتل کا حکم ہوا تو عورتوں کے ہجوم میں مُنہ سر لپیٹ کر بیعت کے لیئے حاضر ہوئیں۔ مگر حاضر جواب بہت تھیں بولنے سے رُک نہ سکیں۔ حضرتؐ نے اثنائے وعظ میں فرمایا عہد کرو، ہم زنا نہ کرینگی۔ بولیں شریف عورتیں زنا کب کرتی ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا چوری نہ کرنا۔ کہا۔ شوہر کنجوس ہے۔ ضرورت کیلیئے اُسکی جمع میں سے کچھ بے اجازت خرچ کر لیا کرتی ہوں۔ حضرتؐ نے دختر کُشی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اولاد کو قتل نہ کرنا۔ کہا بچوں کے باپ تمہارے حکم سے مارے گئے ہیں۔ بچوں کے لیئے ہمیں تاکید کرتے ہو۔ فرمایا شریعت کے کسی حکم سے نافرمانی نہ کرنا۔ کہا یہاں آگئے ہیں تو کیا نافرمانی کا خیال لیکر آئے ہیں۔ ایسے چٹ پٹے جواب سُن کر حضرتؐ نے تبسم فرمایا اور پوچھا تم ہند ہو۔ کہا۔ ہاں یا رسول اللہ۔ گذشتہ قصور معاف کیجیے۔ خدا آپ پر رحم کرے۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ مرحبا۔ بی بی ہند آیندہ معرکوں میں شریک ہوتی رہی ہیں۔ جنگ یرموک میں بڑی گھمسان کی لڑائی تھی اور مسلمانوں کو بہت نقصان کے بعد فتح میسر ہوئی تھی۔ اس موقع پر بی بی ہند مسلمانوں کا دل بڑھانے میں اپنی پوری قوت خرچ کرتی رہی ہیں۔ اُن کے شوہر ابو سفیان کی ایک آنکھ جنگ حنین

میں ضائع ہوئی تھی۔ اُسوقت آنکھ میں ایسا تیر لگا کہ آنکھ باہر آگئی۔ اُسے ہتیلی پر رکھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ اگر چاہو تو آنکھ کو اپنی جگہ پر رکھکر خدا سے دعا کروں کہ درست ہوجائے۔ اور چاہو تو صبر کرو۔ خدا اسکے عوض میں عقبیٰ کی راحت دیگا۔ ابوسفیان نے کہا بس کافی ہے۔ آنکھ کو دور پھینک دیا۔ جنگ یرموک میں دوسری آنکھ بھی ضائع ہوگئی۔ مگر برابر شریک رہے۔ آواز بلند پائی تھی۔ جب للکار کر کہتے تھے کہ بھائیو! ہم نے بتوں کے دن بہت منائے ہیں۔ یہ خدا کا دن ہے۔ دیکھنا ہمت نہ ہارنا۔ تو بجھے ہوئے دل گرم ہوجاتے تھے۔

۱۰۔ یہ انجام ہے اُن لوگوں کا جن کی جان بخشی ہوئی ہے۔ اِن کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی تھے جو اپنی تیرہ کاریوں کی پاداش سے خائف ہوکر روپوش ہوگئے تھے۔ حضرتؐ کے چچا ابولہب اور اُنکی بیوی دونوں تمام عمر حضرتؐ کو تکلیفیں پہنچاتے رہے ہیں وہ مرچکے ہیں۔ اُنکے دو بیٹے عقبہ اور معتبؓ اپنی سرکشی اور اپنے والدین کی ایذا رسانی سے شرمندہ ہوکر حاضر نہ ہوئے۔ حضرتؐ نے اپنے عمِ بزرگوار حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ میں آپکے برادرزادوں کو نہیں دیکھتا۔ جائیے، اُنھیں تلاش کیجیے۔ اُسے تو حضرتؐ نے اُنھیں ایمان کی تلقین کی۔ مسلمان ہوگئے۔ حضرتؐ اُنھیں لیکر کعبے میں تشریف لائے کچھ دیر تک دعا کرتے رہے۔ واپس ہوئے ہیں تو آپکے چہرۂ مبارک پر مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ اور آپنے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ میں نے چچا کے بیٹوں کو خدا سے طلب کیا تھا۔ اُس نے عنایت کردیئے دونوں آپکے ساتھ جنگ حنین اور طائف میں شریک ہوئے۔ معتبؓ کی ایک آنکھ جنگ حنین میں ضائع ہوئی۔

۱۱۔ سہیل بن عمرو وہ شخص ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے نمائندہ تھے۔ وہ اپنی عداوتوں کی وجہ سے خانہ نشین ہوگئے تھے۔ اُن کے صاحبزادہ عبداللہؓ نے جو مسلمان تھے حضرتؐ سے سفارش کی۔ فرمایا۔ اُنھیں لے آؤ کوئی اندیشہ نہ کریں۔ اور اپنے ہمراہیوں کو ارشاد کیا کہ سہیل آئیں تو اُنھیں تیز نظر سے بھی نہ دیکھنا۔ وہ دانا اور شریف ہیں۔ ایسے شخص سے اسلام کی خوبیاں مخفی نہیں رہ سکتیں۔ عبداللہؓ نے جاکر سہیل سے کہا تو بولے واللہ یہ شخص بچپن میں نیک تھا عمر رسیدہ ہوکر

بھی نیک نہ ہا۔ حاضر ہوئے اور جنگ حنین میں ساتھ رہے۔ اسلام کا اظہار اس جنگ کے بعد کیا ہے اور کیا ہے تو ایسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر صحابہ کرام میں جو اضطراب پیدا ہوا ہے وہ مدینے میں جناب صدیق اکبر رضہ نے دور کیا۔ اور مکے میں سہیل بن عمرو نے۔ اور اس خبر کو سن کر اتفاق سے دونوں بزرگوں نے تقریر بھی یکساں کی ہے کہ جو شخص محمدؐ کی عبادت کرتا تھا اُسے معلوم ہونا چاہئیے کہ محمدؐ نہیں رہے۔ لیکن جس نے محمدؐ کی تلقین سے خدا کے ساتھ رشتہ جوڑا ہے اُس کا خدا اب بھی موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔ پھر دونوں نے یہ آیت پڑھی ہے کہ محمدؐ ایک رسول تھے پہلے بھی رسول آتے رہے ہیں۔ اگر وہ فوت ہوں یا قتل کیئے جائیں تو کیا تم پیچھے کو لوٹ جاؤ گے ایسا کیا تو کچھ اپنا ہی بگاڑو گے۔ خدا کا کوئی حرج نہیں۔ ان بزرگواروں کی تقریر نے دونوں شہروں میں یکساں اثر کیا اور سب کا اضطراب دور کر دیا۔ سہیل بن عمرو جنگ یرموک میں شہید ہوئے ہیں یا شام کی وبائے طاعون میں۔

باب ۱۲ دوازدہم

بیرونِ عرب کی یورشیں اور اُن کے اسباب

عرب کی حالت ما قبل و مابعد ، نواح عرب کی حالت ، مذہبی تعصب کی آگ ، عیسائیوں کی فرقہ آرائیاں فتوحات کی اہمیت کم کرنے کی کوشش ، پبلک کے مقابلے میں فوج کی برتری ، زمانۂ حال کی بیداری اور اسلامی تعلیم اور پبلک کی بیداری ، تائید غیبی ، یورش کا شرعی سبب ، کیا اسلامی فتوحات دنیا کا معمولی واقعہ ہیں؟ ، کیا اسباب کامیابی غیر معمولی نہ تھے؟ ، قدرت کی کرشمہ سازی اور تاریکی سے نور پیدا کرنے کا تماشا ، اسلامی حکومت کی ہر دلعزیزی ، اعلیٰ نمونے کا اثر ، مسیح علیہ السلام کی تعلیم ، مہاتما بدھ کا اپدیش ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ، بے سامانوں کو باسامان بنانے کا اہتمام

کام کی تکمیل اور کوشش کا خاتمہ ، حرکت اور سکون ، دونوں حقوق العادت ، شرک کا قولی اور فعلی انسداد ، کام کی معمولی رفتار اور اس کا قیام و دوام حامیانِ امن و آزادی سے مسلمانوں کا سلوک سرزمین حبش ، حبش کی جغرافیائی حالت ، حبش کے تاریخی حالات ۔ حبش کی نسبت مسلمانوں کی غیر جانب داری ، آہ انصاف ، اشاعت مذہب کا باعث حُسن سلوک ہے ۔

عرب کی حالت ما قبل و ما بعد یہ ہیں وہ کوششیں جو آزادی سے پہلے اور آزاد ہونیکے بعد حسب موقع اور حسب ضرورت کی گئیں۔ مجبوری کے عالم میں ہر طرح کا جبر برداشت کیا گیا ہے اور اپنے فرض کو نہیں چھوڑا۔ اختیار کے وقت تازہ فرائض عائد ہوتے ہیں تو پوری قوت سے مظلوموں کی مدد کی گئی ہے۔ ظالموں کا تدارک کیا گیا ہے اور جو ضرورت پیش آئی ہے اسکو پورا کرنیکے لیے کسی مصیبت اور صعوبت کو برداشت کرنے سے پہلو تہی نہیں کی ۔ اور غالب آنے کے بعد معافی اور درگذشت کے اظہار میں کوتاہی نہیں ہوئی۔ نتیجہ یہ کہ ملک سے سرکشی دور ہوئی ظلم کا نشان نہ رہا۔ اور ہر طرف امن اور آزادی کا جھنڈا لہرانے لگا۔ ورنہ عرب کی جو حالت اسلام سے پہلے تھی وہ تاریخ دانوں سے مخفی نہیں۔ خدا کو وہ ملک آباد رکھنا اور اس سے ہدایت کا چشمہ نکالنا مقصود تھا۔ اسلیئے قدیم زمانے سے تمام قوم کے اندر سال میں چار مہینے محترم تسلیم ہوگئے تھے جن کے اندر لوگ ادھر اُدھر جانے کا کام کرسکتے تھے تجارتی مال کی آمدورفت ہوسکتی تھی تو اہل ملک کی بسر اوقات کی صورت پیدا ہوتی تھی۔ مگر جو لوگ زیادہ زبردست ہوتے تھے وہ اس حرمت کا بھی پاس نہ کرتے تھے ۔ کبھی جنگ کو جاری رکھنا منظور ہوتا یا غصے میں آکر کسی پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتے اور مقدس مہینہ آجاتا تو اعلان کردیتے تھے کہ مہینے بدل دیئے گئے ہیں۔ احترام کے دن پھر منائے جائینگے اس بے لگامی نے چار ماہ کا امن بھی مخدوش کردیا تھا ۔ اور قریباً ہمیشہ تمام ملک میں جنگ و جدال کا بازار گرم رہتا تھا۔ رہزنی۔ غارت گری ہوتی رہتی تھی۔ کوئی قانون نہ تھا۔ کوئی قانون پر مجبور کرنے والا نہ تھا۔ بھائی سے بھائی اور کنبے سے کنبہ جدا تھا۔ قتل و غارت کا ذکر فخر سے کیا جاتا تھا شراب نوشی۔ قمار بازی اور عیاشی کو برتری کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ دوسروں کی عزت و ناموس کو

برباد کرنے میں رکاوٹ نہ تھی۔ بیگانہ مال و زر اور زن و بچہ پر تصرف کرنے میں جھجک نہ تھی جو دل کی خواہش ہو وہی اُن کا دین تھا۔ اور خواہش کو پورا کرنے کیلئے جو شکل اختیار کی جائے وہی جائز تھی۔ ان تمام حالات کو مختصر اور جامع الفاظ میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے شاہ حبش کے دربار میں یوں بیان فرمایا ہے کہ:

"تمہاری تمام قوم جاہل تھی۔ بُت پرستی کرتے تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ بیحیائی سے شرماتے نہ تھے۔ رشتہ داروں کا پاس نہ کرتے تھے۔ ہمسائیگی کا حق نہ پہچانتے تھے اور زبردست کمزور کو کھائے جاتا تھا۔"

جہاد نے اِن سب قباحتوں کا سدّباب کیا۔ اور ملک سے غارت گری اور ستمرانی کو ایسا مٹایا کہ عدی بن حاتم طائی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو پیشین گوئی میرے کانوں نے سُنی تھی میری اپنی آنکھوں سے پوری ہوتی دیکھ لی کہ ایک عورت قادسیہ علاقہ ایران سے آئی۔ تنہا تمام ملک کو عبور کرتی ہوئی مکہ معظمہ میں وارد ہوئی اور حج کے بعد باامن و امان واپس گئی۔

نواح عرب کی حالت | جو کیفیت عرب میں اہل ملک کے بے لگام ہونے کی وجہ سے تھی اسی قسم کی ابتری خود حکومت کرنے والوں اور قانون بنانے والوں کے ہاتھ سے اُن تمام علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی جو خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں اسلامی قانون جنگ کے مطابق تسخیر کیے گئے ہیں۔ مصر، بابل، مقدونیہ، مدائن اور روم کے بڑے بڑے زبردست شہنشاہ کوس لمن الملک بجانے اور اپنے سوا اور سب کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کیلئے قرنہائے دراز سے ایران، شام، فلسطین، مصر اور اُنکے تمام گرد و نواح کو خونریزی و سفاکی کا تختۂ مشق بنائے ہوئے تھے۔ فراعنہ مصر کے بعد بخت نصر، کیخسرو اور اسکندر کے زمانوں میں جو خونی دریا ان تمام ممالک میں بہتے رہے ہیں وہ اس دور کا قصہ ہی۔ جس زمانے میں اسلام کا ظہور ہوا ہے سب فنا ہو کر روم اور ایران کی دو سلطنتیں باقی رہ گئی تھیں اور اس دعوٰی کو تلوار کے ساتھ مٹانے کی سر توڑ کوششیں کر رہی تھیں اور جن ایام میں اسلامی توحید کا نعرہ بلند ہونے کو تھا یہ تخت و تاج کے اجارہ دار رشک و حسد کی آگ سے

ایک دوسرے کے مقبوضات کو خاک سیاہ کرنے کے لیئے پورا زور صرف کر رہے تھے۔ قسطنطنیہ کے
شہنشاہ یوستیانوس نے ۵۲۷ء میں تخت نشین ہوکر ایرانیوں سے جنگ شروع کی تو پانچ سال
تک فتح و شکست کا پلہ پست و بلند ہوتا رہا۔ دونوں طرف کے ممالک بیچراغ اور خزانے خالی ہوگئے
تو صلح پر آمادہ ہوئے اور معاہدے کو دائمی صلح کا خطاب دیا۔ مگر ملک گیری کی ہوس صلح کو کب قائم
رہنے دیتی ہے۔ ساسانی تخت پر نوشیرواں جلوہ گر ہوا تو دس سال کے بعد ۵۴۱ء میں پھر جنگ
شروع ہوئی۔ نوشیرواں نے ملک شام کو تسخیر کیا۔ اسکے دار الخلافہ انطاکیہ کو آگ لگا کر تودہ خاک
بنا دیا۔ ایشیائے کوچک کو ایسا لوٹا کہ جو تلوار سے بچے، فاقوں مرے۔ اُدھر سے رومیوں کا مشہور
سپہ سالار بلی زاریوس اُٹھا۔ اُس نے ایرانی حدود میں وہی قیامت برپا کی۔ دونوں بادشاہ
لڑتے لڑتے بڈھے ہوگئے اور عاجز آگئے تو بیس سال کے بعد ۵۶۱ء میں صلح ہوئی یوستیانوس کے
مرنے پر سلطنت کمزور ہوگئی تو شہنشاہ سوریقوس نے ۵۷۳ء میں کمزوری کا علاج کرنے کیلئے
ایران پر حملہ کیا۔ اسی جنگ کے اثنا میں نوشیرواں فوت ہوگیا اور اُس کا بیٹا ہرمز چہارم تخت نشین
ہوا۔ اسکے ظلم سے رعایا برافروختہ ہوگئی۔ عراق کی طرف سے رومی تباہی پھیلاتے ہوئے آرہے تھے۔
شمال مشرق کیطرف سے ترکمانوں نے غارت گری شروع کردی۔ ملک کے اندر رعایا نے بغاوت کی
تمام مملکت قتل و غارت کا آماجگاہ بن گئی۔ اسوقت ایران میں حسن اتفاق سے بہرام نامی سپہ سالار
پیدا ہوا جس نے اپنی سپاہیانہ قابلیت سے فوج میں جان ڈال دی۔ سب دشمنوں کو پامال کیا
اور سات سال کے بعد ایران کے میدانوں کو حملہ آوروں سے خالی کردیا۔ ۶۱۴ء میں جبکہ عرب کے
اندر اسلام کا آفتاب طلوع ہوچکا ہے۔ کسریٰ پرویز نے روم پر یورش کی۔ اور دفعۃً شام، مصر اور افریقیا
کو تسخیر کرلیا۔ انطاکیہ، دمشق اور بیت المقدس پر قابض ہوا تو لشکر کو غارت گری کی عام اجازت دی
قبر مقدس اور کلیسائے قیامت کو جلا دیا۔ وہاں کے خزانے لوٹ لیئے۔ وہ صلیب جس پر جناب مسیح
علیہ السلام کو لٹکانا بیان کیا جاتا ہے اور جسکو عیسائی سب سے زیادہ مقدس سمجھتے تھے اٹھا کر اپنے ملک میں
لے گیا۔ اور دو سال کامل تمام ملک شام میں قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔ پھر ایشیائے کوچک کیطرف

بڑھا اور قیامت برپا کرتا ہوا آبنائے باسفورس کے قریب پہنچ گیا۔ یہی معرکے ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہوا ہے اور دس سال کے اندر اندر رومیوں کے غالب آنے کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ چنانچہ ۶۲۲ء میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی طرف ہجرت کی ہے رومی شہنشاہ ہرقل عیش و عشرت کی خواب سے بیدار ہوا۔ ایشیائے کوچک میں اتر کر ایرانیوں سے نبرد آزما ہوا اور غالب آیا۔ تین سال تک جنگ جاری رہی اور ہرقل ایرانیوں کے اپنے ملک میں داخل ہو گیا تو پرویز نے مصر اور باسفورس سے اپنی فوجیں واپس بلائیں اور اس بلا کو گھر سے نکالا۔ ۶۲۷ء میں ہرقل نے دوبارہ بڑی تیاری سے یورش کی اور ایرانیوں کو سخت شکست دی۔ اسکا لشکر فتحیابی کے نشان اڑاتا اور ملکوں کو بے چراغ کرتا شہر نینوا تک پہنچ گیا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ رومیوں نے دس عظیم الشان شہر کو پامال کیا۔ ادھر خسرو پرویز بہت بڈھا ہو گیا۔ اس نے اپنے ایک بیٹے کو تخت پر بٹھایا۔ دوسرے کو رشک آیا۔ اسکے اٹھارہ بھائی تھے سب کو باپ کے سامنے قتل کیا۔ اور باپ کو قید خانے میں ڈالدیا خود بھی آٹھ مہینے زندہ رہا۔ پھر چار سال کے اندر نو بادشاہ تخت پر بیٹھے۔ ہر طرف فساد پھیل گیا جسکا خاتمہ مسلمانوں کی فتحیابی نے کیا۔

مذہبی تعصب کی آگ | ہوس ملک کے علاوہ جو بادشاہوں کو بے قرار رکھتی تھی ان ممالک کے اندر مذہبی فرقہ آرائیاں اور تعصب کی ہنگامہ طرازیاں ایسی تھیں جنھوں نے شاہ و گدا، قوی و ضعیف سب کو ایک دوسرے کا دشمن بنا رکھا تھا۔ ایران میں زردشت کا مذہب عام تھا۔ بعد میں مانی اور مزدک دو مقتدا اور پیدا ہوئے۔ جن کے خیالات نے اختلافوں کے دروازے کھولدیئے۔ خصوصاً مزدک کی تعلیم نے بہت فتنہ برپا کیا۔ وہ کہتا تھا کہ عورت اور مال کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ جو شخص چاہے اور جس وقت چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ اس خیال کو وقت کے بادشاہ کیقباد نے بھی تسلیم کر لیا۔ جن لوگوں کی یہ ذہنیت ہو۔ ان سے دوسرے لوگ کیونکر امن پا سکتے ہیں اور جب حکومت بھی ان کی ہمخیال ہو تو مال و زر کے حریص اور عورتوں کے شیدائی کونسا فتنہ ہے جو پیدا نہیں کر سکتے کیقباد کے زمانے میں اپنے مال اور ناموس کو بچانے والے بیدریغ قتل ہوتے رہے۔ نوشیرواں کا

وقت آیا تو وہ جدید مذہب کا دشمن نکلا۔ قوم کا بیشتر حصہ جو مزدک کا پیرو ہو گیا تھا۔ مارا جانے لگا

دوسری طرف عیسائی ممالک میں یہود و نصاریٰ کی عداوت دیرینہ تھی۔ تمام عیسائی حکومتیں یہود کو سخت تکلیفیں پہنچاتی تھیں اور قانون بناتی تھیں تو یہود کو ذلیل کرنے کیلئے خاص دفعات وضع کرتی تھیں۔ انکو عیسائیوں کے برابر حقوق نہیں دیئے جاتے تھے۔ اور ہر طرح سے حقارت کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ سپین میں گاتھ قوم کی حکومت تھی۔ وہ عیسائی ہو گئے ہیں تو یہودیوں کے ایسے دشمن ہوئے کہ انھوں نے دین یہود کو ایک مذہب کے طور پر ماننے سے انکار کر دیا۔ انکو اپنے تہوار منانے سے۔ نوشت و خواند کی مہارت پیدا کرنے سے روکا۔ یا غلام رکھنے کا حق سلب کر لیا۔ اور مجبور کیا کہ وہ تمام مسیحی تہوار منائیں۔ مسیحی رسم و رواج کی پابندی کریں۔ اور ہر طرح مسیحی مذہب کے احترام کو مدنظر رکھیں۔ یہودی سخت نالاں تھے مگر اپنی ناراضمندی ظاہر نہیں کر سکتے تھے اور بہت سے بظاہر عیسائی ہو گئے تھے۔ مگر ان سے سلوک ذلت کا کیا جاتا تھا۔ اور حقوق میں قدیم عیسائیوں کے برابر نہ سمجھے جاتے تھے۔ ان تکلیفوں سے مجبور ہو کر وہ اکثر بغاوت کرتے رہتے تھے اور قتل کیے جاتے تھے۔ ہرقل کے زمانے میں انطاکیہ کے یہودیوں نے شورش کی۔ بڑے پادری کو قتل کر دیا اور اسکی لاش کو بری طرح بگاڑا۔ ہرقل نے فوج بھیجی اور یہودیوں کی بڑی تعداد ذبح کی گئی۔ شہر صور میں ایک بار بغاوت ہوئی اور حاکم قتل کیا گیا۔ جس پر یہود کو سخت سزائیں دی گئیں۔ کچھ عرصے کے بعد تمام ملک فنیقیہ کے یہود نے سازش کی اور رات کو شہر صور میں آکر عیسائیوں کا قتل عام کرنا چاہا۔ خبر مل گئی۔ شہر کے دروازے بند کر لیئے گئے۔ یہودی آئے۔ گرد و نواح کے دیہات اور کلیساؤں کو لوٹنے لگے۔ حکومت نے انتقام لیا۔ تمام علاقے کے یہودیوں کو قتل کر دیا۔ قیساریہ اور فلسطین میں بغاوت ہوئی۔ ہرقل نے اپنے بھائی کو بھیجا۔ یہودیوں کی تمام آبادی قتل کی گئی۔ خسرو پرویز کے ابتدائی حملوں میں رومی کثرت سے قید ہوتے تھے۔ یہودیوں نے اسی ہزار عیسائی قیدی ایرانیوں سے خرید کر ذبح کیئے اور عید قربان منائی۔

عیسائیوں کی فرقہ آرائیاں | یہود غیر تھے اسلیئے ذلیل سمجھے جاتے تھے۔ مگر اُس زمانے میں

عیسائیوں کے اندرونی اختلاف بھی حد کو پہنچے ہوئے تھے مختلف فرقے تھے اور ایک ایک فرقہ کی کئی
کئی شاخیں تھیں اور ان میں باہمگر سخت عداوت اور جنگ و پیکار رہتی تھی۔ خیالی فرقہ جو کہتا تھا
کہ مسیح علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے۔ اکیفانی فرقہ جو قائل تھا کہ حکام وقت کی اطاعت حرام
ہے اور ایسے ایسے کئی اور فرقے مدت سے چلے آتے تھے۔ اسکے علاوہ جس بڑے اختلاف نے
ہرقل کے زمانے میں عیسائی دنیا کے اندر ایک کو دوسرے کا جانی دشمن بنا رکھا تھا وہ مسیح علیہ
السلام کے انسانی اور خدائی صفات کی نسبت تھا۔ مسیح علیہ السلام انسانی زندگی بسر کرتے رہے تھے یا
مگر ابن اللہ سمجھے گئے ہیں۔ اس لیئے سوال پیدا ہوتا تھا کہ آیا انکی فطرت انسانی تھی کہ خدائی، اور نیز
اُنکے اندر خواہشیں اور جذبات انسانی تھے یا خدائی۔ شہنشاہ اور اُسکے ارکان سلطنت قائل تھے کہ
حضرت مسیح دونوں طرح کی فطرت اور دونوں طرح کے جذبات رکھتے ہیں مگر اُن کی شامی اور مصری
رعیت کا بڑا حصہ جو یعقوبی کہلاتا ہے ایک فطرت اور ایک مشیئت کا معتقد تھا۔ اس بحث میں اکثر
تلوار چلتی رہتی تھی۔ منبج شہر کے یعقوبی بطریق (لاٹ پادری) اسناسیوس نے دونوں فرقوں
کو متحد کرنا چاہا اور ہرقل سے ملکر تجویز کی کہ ایک عقیدے کو ہم چھوڑ دیں اور ایک کو تم چھوڑ دو۔ مسیح کی
فطرتیں دو مانو اور خواہش ایک مان لو اور اختلاف کو دور کر دو۔ ہرقل نے قسطنطنیہ کے بطریق سے
مشورہ کیا۔ اسناسیوس نے اُسے پہلے ہی گانٹھ لیا تھا۔ چنانچہ مذہبی کانفرنس منعقد ہوئی اور تجویز
منظور کیگئی۔ اور ہرقل کی طرف سے جدید روش کو تسلیم کرنیکے لیئے فرمان شائع ہوا۔ مگر مذہب کیا،
اور بادشاہ کے حکم سے اسکی ترمیم کیا۔ خوشامد پسند لوگ مان گئے۔ باقی سب مخالف رہے۔ اور اس
مسئلے میں فرقے بجائے دو کے تین ہو گئے۔ قسطنطنیہ، اسکندریہ اور انطاکیہ کے پادری بادشاہ کے
ہمخیال ہو گئے۔ بیت المقدس کا بطریق اور رومی کلیسا کے پیرو دو فطرتوں اور دو مشیئتوں پر اصرار
کرتے رہے۔ مصر اور اندرون شام کے یعقوبی فطرت و مشیئت کی وحدت پر قائم رہے۔ عمان کے
بطریق نے شاہی فرمان کی مخالفت بہت زور سے کی۔ ہرقل نے غضبناک ہو کر اپنے خلاف عقیدہ
رکھنے والوں کے لیئے سزائیں تجویز کیں اور مخالفین سے مذہبی عدالتوں کے اندر انتقام لیا جانے لگا

عیسائیوں کی مذہبی عدالتیں سزا دینے میں جیسی بیرحم تھیں اُنکی یاد سے یورپ آجتک لرزہ براندام ہے۔ آرمینیا والے شاہی فرمان سے اور مذہبی سزاؤں سے ایسے برافروختہ ہوئے کہ تمام ملک نے رومی اقتدار سے نکلکر ایرانیوں کو بلایا اور اُنکی اطاعت قبول کی۔ مصر والے اسی بنا پر ناراض تھے۔ مسلمانوں کا حملہ ہوا تو شاہی فوج نے مقابلہ کیا۔ رعیت نے عرب کو نہایت خوشی سے خیر مقدم کہا۔

فتوحات کی اہمیت کم کرنے کی کوشش | میں نے یہ مضمون عیسائی مورخ علامہ جرجی زیدان مصری کی کتاب تاریخ تمدن اسلامی سے لیا ہے۔ وہ ایران اور روم کی ایسی تمام کمزوریوں سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی فتوحات نے جو اس قدر جلد دنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتوں کو فنا کر دیا اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ ممالک اپنے سیاسی اور مذہبی اختلافوں اور معرکہ آرائیوں سے ایسے بدحال ہو گئے تھے کہ مقابلے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ مگر اول تو ایسی عظیم الشان اور مہذب سلطنتوں کی کمزوری بڑی عرب کی خستہ حالی اور بے سامانی کے مقابلے میں قابل التفات نہیں ہو سکتی۔ یہ سلطنتیں کیسی ہی کمزور مانی جائیں قدیم سے جنگ آور سلطنتیں تھیں۔ دونوں کے پاس فوج بے شمار تھی فنون جنگ میں ماہر تھی۔ حرب و ضرب کا سامان بے انتہا رکھتی تھی۔ عرب اپنے ملک سے ستو باندھکر نکلتے ہیں۔ تلواریں نیزے اور زرہیں بھی سب کے پاس نہیں ہیں۔ تلواریں اور نیزے ٹوٹ جاتے ہیں تو خیموں کی چوبوں سے اور لاٹھیوں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ قواعد جنگ کی باریکیاں جو رومیوں اور ایرانیوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہیں عرب نے خواب میں بھی نہیں دیکھیں۔ ایسی حالت میں فتحیابی کی عظمت و شان کو کم کرنے کی کوشش سرسبز نہیں ہو سکتی۔

پبلک کے مقابلے میں فوج کی برتری | ایران میں مزدک کی تعلیم نے مال اور عورت پر تصرف کرنے کی عام اجازت دیدی۔ اور عیاش بادشاہ کیقباد نے اُس کا مذہب قبول کر لیا تو عوام الناس سب کے سب اِس سیلاب میں بہ نکلے۔ غربا مال کی ضرورت رکھتے ہیں۔ نوجوان عورت کی خواہش رکھتے ہیں اور دونوں قسم کی ہوس رانیوں کا دروازہ کھولدیا جاتا ہے تو جذبات کو روکنے کی ہمت کون کر سکتا ہے۔ مگر ارکان سلطنت اور قوائے لشکر میں جو لوگ فہمیدہ تھے اُنکو طیش آیا۔ فوج اُن کے قابو

میں بھی یورش کی اور بادشاہ کو قید کر دیا۔ اُس وقت مزدک بادشاہ کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ عوام پر اثر رکھتا ہوں۔ اجازت ہو تو آپ کی حمایت کا علم بلند کروں۔ بادشاہ ہوس پرستی کا عاشق تھا مگر شاہانہ دماغ رکھتا تھا۔ اُس نے انکار کیا اور کہا کہ فوج کے مقابلے میں عوام الناس کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ یہ کوشش کارگر نہوئی۔ کیقباد کا خیال صحیح تھا۔ کیونکہ بعد میں وہ کسی تدبیر سے رہا ہو کر بھاگا ترکستان میں پہنچا۔ وہاں کے بادشاہ سے مدد لیکر آیا ملک کے عوام بھی اسکے مددگار ہوئے۔ اور وہ تخت پر قابض ہو گیا۔ مگر فوج کی شورش فرو نہوئی اور جب تک اُس نے مزدک کے مذہب سے توبہ کرنے کا اعلان نہیں کیا اُسے امن نصیب نہیں ہوا۔ یہ ہے فوج کی قوت جسکے مقابلے میں اُس زمانہ کے اندر پبلک کی رضامندی یا نارضامندی کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی تو عرب کی پبلک جو تہذیب میں، تعلیم میں، جنگ آوری اور ملک گیری کے تجربوں میں ایران کی پبلک سے کوئی نسبت نہیں رکھتی تھی، اپنی معمولی قوت کے ساتھ فوجی نظام پر کیونکر غالب آ سکتی تھی۔ یہ قدرت کی خاص کارسازی ہے کہ وہ بدوی عرب جنھوں نے قواعدداں اور آراستہ لشکر کی کبھی شکل بھی نہیں دیکھی تھی اپنی بے سامانی اور بیقاعدگی کے ساتھ اور نہایت مختصر تعداد کے ساتھ ملک سے نکلے اور اپنے برہنہ جسموں کے ساتھ ایک چھوڑ دو دو فولادی دیواروں سے ٹکرائے اور اُنکو پاش پاش کرتے ہوئے اپنا سر سلامت لیکر ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا پہنچے۔ ایرانی اور رومی سلطنتیں اسلامی زمانے کے قریب سنہ ۵۶۰ء سے ۶۲۰ء تک آپس میں نبرد آزما ہوتی ہیں اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد (جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے) کئی کئی سال متواتر ایک دوسری کو فنا کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں اور کامیاب نہیں ہوتیں۔ بادیہ نشین اُٹھتے ہیں تو دس پندرہ سال میں دونوں کا صفایا کر دیتے ہیں۔ ایسی عظیم الشان فتوحات کا مسئلہ دنیا کے عام قوانین قدرت کو کام میں لانے سے حل نہیں ہو سکتا۔ اور ان ممالک کی کمزوری اور بد انتظامی کو عرب جیسی قوم کی کامیابی کا باعث مانا نہیں جا سکتا۔ صرف تائیدِ غیبی اور نصرتِ ربانی کا قانون ہے جس پر اتنے بڑے انقلاب کو مرتب کیا جا سکتا ہے۔

زمانۂ حال کی بیداری اور ہے | علامہ جرجی زیدان اپنی کتاب کو عیسائی دنیا کے اندر ہر دلعزیز بنانے میں اس وجہ سے کامیاب ہوئے ہیں کہ آج تمام دنیا کی روش بدلی ہوئی ہے۔ ہر ملک میں جمہوری خیالات کی حکومت یا اسکی طرف میلان موجود ہے۔ فی زمانہ پبلک ہی بڑی قوت مانی جاتی ہے اور حکومتیں کیسی زبردست اور طاقتور ہوں پبلک کے حالات اور پبلک کے خیالات سے غیر متاثر نہیں رہ سکتیں۔ پبلک کی قوت اور اُسکی معاونت سے کامیابی حاصل کرتی ہیں اور اسکی بدحالی یا مخالفت کی صورت میں سرسبز نہیں ہوسکتیں۔ آجکل پبلک کا مشورہ لینے کے بغیر کوئی قانون نہیں بن سکتا۔ پبلک سے رائے لینے کے بغیر آمدنی اور خرچ کی شکلیں تجویز نہیں ہوسکتیں اور پبلک کی اجازت کے بغیر کسی تعمیری یا تخریبی کام کا کسی صلح جوئی یا جنگ آوری کی مہم کا نہ آغاز ہوسکتا ہے نہ انجام۔ ایسے زمانے کے اندر ایام قدیم کی پبلک کا ذکر کیا جاتا ہے تو سُننے والے اپنے حالات پر قیاس کرتے ہیں اور سلطنت کی وہی حالت فرض کر لیتے ہیں جو پبلک کی نسبت بیان کی جاتی ہو مگر حقیقت میں یہ قیاس اور اسکا نتیجہ غلط ہے۔ اُسوقت میں اور اُن ممالک میں جمہوری خیالات کا نام و نشان نہ تھا۔ پبلک کی بہتری اور بدحالی پر سلطنت کا انحصار نہ تھا۔ وہ زمانہ فوجی حکومت کا تھا۔ قانون سینہ زوری سے بنایا جاتا تھا۔ اسکی تعمیل جبر سے ہوتی تھی۔ آمدنی حکومت کے زور سے وصول کی جاتی تھی۔ اور خرچ شخصی اغراض میں ہوتی تھی ملک کی بہتری اور آبادی کا کام ہو یا دشمن کی تباہی اور ہلاکت کا سب ایک شخص کی عدل پسندی یا ستمگری اور دانائی یا نادانی پر منحصر ہوتا تھا اور جو کام کیا جاتا تھا۔ اُسکے لیئے پبلک اور فوج کو بھیڑ بکریوں کی طرح دھکیل دیا جاتا تھا اور کسیکو مجال دم زدن نہ ہوتی تھی۔

اسلامی تعلیم اور پبلک کی بیداری | حکام کو ہر کام میں پبلک سے مشورہ لینے کا سبق کم از کم مشرقی ممالک میں اسلام نے پڑھایا ہے اور ہر معاملے میں رضا کاروں سے اُنکی مرضی کے مطابق کام لینے کا عملی نمونہ صحابۂ کرامؓ نے دکھایا ہے۔ جو کام وہ کر گئے ہیں اور تمام ملکی و مالی معاملات میں ذاتی اغراض سے یکسو ہوکر ادائے فرائض کا نمونہ جیسا وہ لوگ دکھا گئے ہیں۔ مہذب دنیا میں اب تک

نظر نہیں آیا۔ دور دراز کے سفر اور رسد رسانی کا سرانجام کرنے والے۔ فوجوں کی سپہ سالاری ملکوں کی گورنری بلکہ شاہی و فرمانروائی کے فرائض بغیر معاوضہ ادا کرنے والے اسی مقدس زمانے میں دیکھے گئے ہیں۔ آج وبا اور قحط کے زمانے میں مصیبت زدوں کو مدد دینے کے لیئے کارخانے کھولے جاتے ہیں۔ رفاہ عام کے کاروبار کیے جاتے ہیں اور اکثر اوقات بزعم خود شریفانہ اصول کی حمایت میں تلوار بلند کرتے ہیں۔ مگر ہر کام کو سرانجام دینے والے بڑے گرانقدر معاوضے وصول کرتے ہیں تو کام کی جوابدہی گردن پر لیتے ہیں اور فرض کو بجالانے کے لیئے ذاتی اغراض اور مالی مفاد سے دست بردار ہونے والے شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔

شخصی اقتدار کی صورت اور نتیجہ | جس زمانے کا ذکر علامہ جرجی زیدان کرتے ہیں۔ اس میں فرض تک کا احساس ہی دنیا کو نہ تھا۔ اور سب کاموں کا مدار خود غرضی اور ہوس پرستی پر رکھا جاتا تھا۔ اُس وقت کی کشور کشائی و معرکہ آرائی اور تمام ملکی معاملات میں پبلک کے حالات اور خیالات کو کوئی نہ دیکھتا تھا اور انتظام کو قائم رکھنے اور اسکو ترقی دینے کے لیئے کسی اولوالعزم فرمانروا یا کسی حوصلہ مند سپہ سالار کا وجود کافی ہوتا تھا جو عوام الناس سے بھیڑ بکری کا کام لے سکے اور جو حکم دے اُسے تلوار کے زور سے پورا کرائے۔ تاریخ نے یہ تماشا ہمیشہ دیکھا ہے کہ کوئی حکومت نہایت پستی کے عالم میں ہے اور ہر طرف سے دشمنوں میں محصور ہے۔ دفعتہً کوئی دانا مدبر زمام حکومت ہاتھ میں لیتا ہے اور فوراً سلطنت کو قعر مذلت سے اوج اقبال پر پہنچا دیتا ہے اور اسی طرح فتحیابی اور کشور کشائی کے نشے میں سرشار رہنے والی سلطنت لائق فرمانروائی حکومت سے محروم ہوتی ہے تو تھوڑے عرصے میں ادبار کی آندھی اقبال کو اُڑا لے جاتی ہے۔ رومی سلطنت میں قسطنطین اعظم کے بعد یوستیانوس کا زمانہ (۵۲۷ء تا ۵۶۵ء) سب سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہو کہ وہ خود مدبر تھا اور اسکو بلی زاریوس جیسا سپہ سالار میسر آگیا تھا جو اُسکی تمام تر فتوحات کا باعث بنا نوشیرواں کے مرنے پر رومیوں اور ترکمانوں نے دو طرف سے ملک کو پامال کرنا شروع کر دیا تھا رعیت ہرمز کے ظلم سے باغی ہو گئی تھی اور سلطنت کا نشان مٹنے کو تھا کہ بہرام جیسا سپہ سالار

پیدا ہوگیا جس نے دونوں دشمنوں کو ملک سے نکالا۔ اور رعیت پر قابو پایا۔ ۶۲۰ء میں قسطنطنیہ کے تخت پر فوقاس جیسا جاہل بادشاہ متصرف ہوا تو تمام رعیت برافروختہ ہوگئی اہل قسطنطنیہ کی درخواست پر افریقا کے گورنر نے اپنے بیٹے ہرقل کو بھیجا جس نے سلطنت میں جان ڈال دی مسلمانوں نے یورش کی ہے تو قسطنطنیہ کے تخت پر یہی ہرقل متصرف تھا۔ اس نے خسرو پرویز کی زبردست کامیابیوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔ اور اپنے تمام ممالک کو اُسکے تصرف سے نکالنے کے بعد ایرانی سلطنت کے بڑے حصے پر قابض ہوگیا تھا ایسا کامیاب اور زبردست بادشاہ ہے جس کو اسلامی خانہ بدوشوں سے سابقہ پڑتا ہے تو شکست پر شکست کھاتا ہوا ایشیا اور مصر سے دستبردار ہونے پر مجبور ہوتا ہے۔ خسرو پرویز کے وقت میں ایران سے مزدکی فتنہ دور ہوچکا تھا تمام قوم ایک مذہب اور ایک خیال کی پابند تھی۔ خسرو پرویز مال و زر کے لحاظ سے تمام کیانی بادشاہوں میں ممتاز ہے۔ گنج شائگاں۔ گنج بادآورد اور کئی نام کے متعدد خزانے رکھتا ہے۔ ملک گیری کے لئے نکلا ہے تو کیخسرو کا سچا جانشین ثابت ہوا ہے۔ اُدھر ہرقل کے ملک میں مذہبی اختلاف موجود ہے بادشاہ اپنے عقیدے کی مخالفت کرنے والوں کو سخت سزائیں دیتا ہے اور وہ بھی باہمدگر خونخواری اور سفاکی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ نہ بادشاہ اور رعیت میں اتحاد ہے نہ رعیت کا ایک فرقہ دوسرے فرقے سے ہمدردی رکھتا ہے۔ باوجود ان تمام قباحتوں کے ہرقل پر پُرزے سنبھال کر اٹھتا ہے تو خسرو پرویز کو ہر میدان میں شکست دیتا ہوا اُسکے گھر میں جا پہنچتا ہے مگر بے سامان بدویوں کی مٹھی بھر جماعت پر اُسکی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اور کسی شہر کے محاصرے میں اور کسی میدان کے معرکے میں وہ کامیابی کا منہ نہیں دیکھتا۔ رعیت کی بدحالی و ناخوشی باہمی اختلاف و عداوت خسرو پرویز کو شکست دینے میں حارج نہیں ہوتی تو ان حالات کے ذکر سے اسلامی فتوحات کی عظمت شان کو کم کرنے کی کوشش کیونکر سرسبز ہوسکتی ہے۔ خسرو پرویز کے بعد ایران کے اندر بیشک کوئی لائق فرمانروا نہ رہا تھا مگر پرویز کی آنکھیں دیکھنے والے تجربہ کار سپہ سالار موجود تھے اور رستم نے قادسیہ کے میدان میں اپنی سپہ سالاری کے تمام جوہر دکھائے۔ ہاتھی۔ گھوڑوں اور فوجی سازوسامان کی

پوری نمائش کی مگر جو لوگ خدا سے کامیابی کا وعدہ لیکر نکلے تھے وہی کامیاب ہوئے قادسیہ کا معرکہ رستم کے حسن تدبیر سے اور یرموک کا معرکہ بقول مورخ طبری خود ہرقل کے موجود ہونے سے مسلمانوں پر صعوبت نازل کرنے میں بے نظیر تھا مگر دونوں معرکوں نے عروج و نزول کا فیصلہ کر دیا اور وقت کے قابلترین سپہ سالاروں کی تجربہ کاری نوآموز عرب کے ہاتھوں رسوا ہوئی۔

تائیدِ غیبی | جب تک عرب کو تائید غیبی حاصل نہ ہوئی تھی اور جب تک اُن کے اندر فرائض کی بجاآوری میں ذاتی اغراض سے دست بردار ہونے کا جذبہ پیدا نہ ہوا تھا وہ ایسے ذلیل تھے کہ یمن پر حبش کے وحشی حملہ آور ہوئے بنو حمیر کی سلطنت پر قابض ہو گئے اور ہاتھیوں کی فوج لیکر خانہ کعبہ کو مسمار کرنیکے لیئے آئے تو عرب میں اپنے مسلمہ عبادت خانے کو بچانے کی جرأت نہ ہوئی؛ خانہ کعبہ کو خدا نے اپنی قدرت خاص سے بچا لیا مگر یمن کو حبشیوں کے تصرف سے نکالنے کی ہمت آزادی پر فخر کرنے والوں نے بالکل نہ دکھائی۔ ساٹھ سال کے بعد حمیری خاندان کا ایک شہزادہ سیف بن ذوالیزن نوشیرواں کے آگے فریادی ہوا اور اُس نے فوج بھیجی تو حبشیوں کو نکالا گیا سیف بن ذوالیزن نوشیرواں کا باجگذار رہا۔ اسکے مرنے پر پھر فتنہ بپا ہوا تو نوشیرواں نے ایرانی گورنر بھیجدیا۔ عربی غیرت اور حمیری عظمت کچھ نہ بنا سکی۔ ہجرت کے ساتویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خسرو پرویز کو تبلیغی مراسلہ لکھا ہے تو یمن میں بازان نامی ایرانی گورنر موجود تھا۔ جسے پرویز کا حکم پہنچا کہ محمدؐ کو ہمارے پاس بھیجدو۔ اسے (معاذ اللہ) گستاخی کی سزا دیجائیگی بازان نے اِس معاملے کو ایسا حقیر سمجھا کہ گویا اپنی عملداری میں کسی مجرم کو گرفتار کرنے کا کام ہے۔ دو سپاہی مدینے میں آئے کہ چلو بادشاہ بلاتا ہے۔ اور بے حیل و حجت روانہ ہو جاؤگے تو بازان تمہاری سفارش لکھ دیگا۔ حضرتؐ نے فرمایا ٹھہرو۔ کل جواب دینگے۔ دوسرے دن فرمایا کہ جاؤ تمھارا بادشاہ اپنے بیٹے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ وہ دونوں مدینے میں شب باش ہوکر اور آنحضرتؐ کی عظمتِ شان اور صحابہ کرام کی تعظیم و تکریم دیکھ کر مرعوب ہو گئے تھے۔ پولیس والوں کے ہتھکنڈے بھول گئے اور دم بخود واپس پھرے۔ وہاں انقلاب سلطنت کی اطلاع دینے کیلئے

شیرویہ کا فرمان آچکا تھا۔ یہ معجزہ دیکھکر بازان اور اہل یمن مسلمان ہو گئے تو عرب سے ایرانی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ ایسی ذلیل حالت سے نکلکر عرب کا دفعۃً قیصر و کسرےٰ کے تخت پر قابض ہو جانا اعجازی قوت کا کرشمہ نہیں تو کیا ہے۔ ایسا معجز نما انعام ملنے کی شکل یہ ہوئی کہ عرب کے اندر فرض کا احساس پیدا کیا گیا اور انکو بتایا گیا کہ جس طرح کمزوری کے عالم میں ظالموں کا ظلم برداشت کرنا فرض ہے، اور اُسکا اجر ذات باری کے سوا کوئی دے نہیں سکتا۔ اِسی طرح قوت و اقتدار حاصل کرنیکے بعد اُسکا شکر ادا کرنا مظلوموں کو مدد دینا اور ظالموں کو ظلم سے باز رکھنا بھی فرض ہے جسکا اجر لذائذ دنیوی کی بجائے رضائے الٰہی اور نعمائے آخرت کو سمجھنا چاہیئے۔ اس خیال کو مدنظر رکھکر قدم اُٹھانے کی ضرورت ہے پھر جو کچھ پیش آئے سراسر کامیابی ہے۔ اس میدان میں قدم رکھکر ناکام رہنے کی کوئی صورت نہیں۔ دشمن پر غالب آنے کو تمام دنیا کامیابی سمجھتی ہے۔ لیکن اس کوشش میں جان سے گذرنا بھی کامیابی ہے کیونکہ رضائے الٰہی اور نعمائے آخرت کا نتیجہ سب حالات پر برابر مرتب ہوتا ہے۔ اہلِ عرب اس یقین کے ساتھ میدان میں آتے تھے۔ وہ دشمن پر تلوار چلاکر اور دشمن کی تلوار سے گھائل ہوکر یکساں خوشنود ہوتے تھے۔ بلکہ غازیوں سے زیادہ شہداء کی حالت پر رشک کرتے تھے کہ جلد مقصود تک پہنچے۔ دوسری طرف کے امراء اور سپہ سالار اپنے اقتدار کو قائم رکھنے اور لذائذ دنیا سے لطف اٹھانے کا جذبہ لیکر میدان میں آتے تھے؛ سپاہی بالادستوں کے حکم سے اور حکومت کے جبر سے تلوار چلاتے تھے۔ غلبے کی تمنا رکھتے تھے اور مغلوبیت سے افسردہ ہوتے تھے۔ نیت اور ارادے کا یہ تفاوت تھا جسکی وجہ سے تائید غیبی نے ایک فریق کو مالامال کیا اور قلت و بے سامانی کے اندر کامیابی دی۔ دوسرا فریق جاہ و جلال کی نمائش کرتا رہا اور خائب و خاسر ہوا۔

یورش کا شرعی سبب | رومی اور ایرانی سلطنت کی بدانتظامی اور رعایا کی بدحالی سے جو نتیجہ علامہ جرجی زیدان نکالتے ہیں یقیناً غلط ہے۔ مگر ہاں ان دونوں حکومتوں پر صحابۂ کرام کی یورش کا باعث یہی تھا کہ وہاں ہر طرف فتنہ و فساد برپا تھا۔ اور حکام سے انتظامی قابلیت سلب ہو چکی

تھی اور اہل عرب پر آزادی سے بہرہ ور ہونے اور ملک میں امن قائم کرنیکے بعد حکم ربانی کے مطابق یہ فریضہ عائد ہوتا تھا کہ اپنے ہمسایہ ممالک سے بلکہ جہانتک ممکن ہو دنیا سے فتنہ و فساد کو دور کریں اور خلق اللہ کے لیے امن و آسائش کا سامان بہم پہنچائیں۔ صحابہ کرام نے یہ فریضہ اس خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے کہ جو ممالک صدہا سال سے مصری، بابلی، ایرانی، یونانی اور رومی فتحیابیوں کا شکارگاہ بنے ہوئے تھے یک لخت امن و خوشحالی کا بہشت بن گئے اور جہاں لوگ زبردست انسانوں کی رضامندی کرنیکے لیے کسی مذہب کے ماننے پر مجبور رہتے تھے وہاں یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ کی تعمیل میں گبر و ترسا اور یہود و نصاریٰ سب کو خدائے واحد کی خوشنودی مدنظر رکھنے کی تلقین کی گئی اور لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ کے قانون سے زید و عمرو کو مذہب پر مجبور کرنے سے روکا گیا۔ اس عہد زریں کے بعد مسلمانوں میں دیندار اور دنیا پرست، عادل و ظالم ہر طرح کی مخلوق پیدا ہوتی رہی اور نور کے ساتھ ظلمت اور نکوکاری کے ساتھ بدروی کا توازن جیسا قدرت کو منظور ہے قائم رکھا گیا۔ مگر چونکہ خداشناسی اور انصاف پسندی کی حکومت کا دنیا کو دکھلانے کی ضرورت تھی اس کا اہتمام سرانجام مشیئت ایزدی نے نبی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقدس ہاتھوں کو سپرد کیا تھا۔ اور ان نفوس زکیہ نے شاہی کے اندر درویشی شان قائم رکھنے اور خویشوں کے ساتھ بیگانوں کو خوش کرنے کا وہ نقشہ دکھایا جو دنیا کے نزدیک ناممکن تھا اور جس حد تک تہذیب تمدن کی ترقی اور جمہوری خیالات کی پابندی آجتک بھی نہیں پہنچ سکی۔

کیا اسلامی فتوحات دنیا کا معمولی واقعہ ہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی طرز حکومت میں اسلام کے دشمنوں کو بھی یارائے خوردہ گیری نہیں ہے مگر علامہ جرجی زیدان اس عہد کی تعریف کرنے پر مجبور رہتے ہیں تو اپنے مخصوص انداز میں اعتراض کا پہلو پیدا کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ ایک موقع پر الفاظ تحسین کے ساتھ کوئی آمیزش نہیں کر سکتے تو فرماتے ہیں کہ:

> "راشدین کے زمانے میں سیاسی سلطنت نہ تھی مذہبی خلافت تھی جس میں
> تقویٰ، رحم اور انصاف کی بنیاد پر ایسی حکومت کی گئی ہے جسکی مثال کسی

زمانے میں پائی نہیں گئی۔"

مگر اسی باب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

"خلفائے راشدین کی طرز حکومت بحالت مجموعی ایسی نہ تھی جو انسان کی اجتماعی حالت کے موافق اور ملک رانی کے لئے مناسب ہو۔ وہ مذہبی خلافت تھی اور ایسے افراد کے جمع ہو جانے پر منحصر تھی جسکا اتفاق شاذ و نادر ہی ہو سکتا ہے اور ایسے حالات پر موقوف تھی جو اتفاقاً جمع ہو گئے تھے یعنی اسلامی اتحاد مذہبی جوش کے بدوی غیرت اور عربی حوصلہ مندی۔ یہ سب باتیں ایک زمانے میں جمع ہو گئیں جنسے عجیب نتیجے برآمد ہوئے۔ اسلام پھیل گیا اور دنیا ایسے قلیل عرصے میں مسخر ہو گئی جس کی مدت دس سال سے بڑھ کر بیس سال تک نہیں پہنچی۔ انسان کے اجتماعی حالات کو سمجھنے والے جانتے ہیں کہ ایسا انتظام سوائے اُس عجیب زمانے کے اور کسی وقت میں تدبیر مملکت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پس اس مذہبی خلافت کا بدل کر حکومت کی شکل اختیار کرنا ضروری تھا۔ یہ قانونِ قدرت ہے جو بدل نہیں سکتا۔" (تاریخ التمدن الاسلامی۔ جلد چہارم)

| کیا اسباب کامیابی غیر معمولی نہ تھے؟ |

ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ کارنامہ مشیت خداوندی کا کوئی خاص ظہور نہیں ہے بلکہ معمولی قوانین قدرت سے ظہور پذیر ہوا اور انہی قوانین کے مطابق ختم ہو گیا۔ اور خصوصیت تھی تو اس قدر کہ تمام اسباب اتفاقاً جمع ہو گئے تھے۔ وہ اسباب نہ رہے تو کامیابی بھی معدوم ہو گئی۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کامیابی کے جو اسباب بیان کیے گئے ہیں آیا وہ پہلے سے موجود بھی تھے یا خاص اسی زمانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ اگر پہلے ان کا وجود نہیں تھا اور ایک وقت خاص میں وہ سب پیدا بھی ہوئے مؤثر بھی ہوئے اور پھر دفعۃً طلسمی کارخانے کی طرح نہ اسباب موجود رہے نہ اُن کے نتائج۔ تو اس واقعے کو خارق عادت کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں اسلامی اتحاد اور مذہبی جوش یقیناً پہلے سے موجود نہ تھا۔ بدوی غیرت اور عربی حوصلہ مندی کو دیکھنا چاہیئے کہ

اُس وقت سے پہلے کیا شکل رکھتی تھی۔

قدرت کی کرشمہ سازی، اور تاریکی سے نور پیدا کرنے کا تماشا

عرب کے یمنی حصے میں جو سلطنت کسی وقت موجود تھی اور جسکی مدفونہ یادگاروں کو دیکھکر نتیجہ نکالا گیا ہے کہ مہذب اور شاندار حکومت تھی۔ اسکی کوئی تاریخ موجود نہیں اور ہمسایہ ممالک کی تاریخوں سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ یمن کی سلطنت نے کبھی باہر نکلکر نام پیدا کیا ہو اور اسکی جسقدر عظمت اندرون ملک میں ہوگی وہ بھی آغاز اسلام سے بہت مدت پہلے تباہ ہو چکی تھی۔ قرآن کریم سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیغام سن کر ملکۂ سبا کے ارکان سلطنت نے مدافعت کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کی ہے مگر ملکہ نے مصالحت کو بہتر سمجھا اور اطاعت اختیار کی ہے۔ اسکے بعد اسلامی عہد کے قریب وہاں کے لوگ ایسے بیدست و پا ہو گئے تھے کہ حبشیوں کے اور ایرانیوں کے مقابلے میں کوئی غیرت اور حوصلہ دکھا نہیں سکے۔ دوسری طرف حیرہ میں ایک بادشاہی کا ڈھانچ بنا ہوا تھا مگر وہ بھی ایرانیوں کے باجگذار اور خدمتگار تھے۔ بہرام گور کی پرورش عرب میں ہوئی ہے۔ یزدجرد کے حکم سے اسکی دایہ گری حیرہ والوں نے کی تھی۔ عربی شاعری میں عرب و عجم کے بعض معرکوں کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں مگر وہ بھی غارت گری کی مہمیں تھیں یعنی ایرانی سرحد کے قریب رہنے والے عربی قبائل حدود ایران پر چھاپا مارتے تھے۔ کبھی کامیاب واپس آتے تھے کبھی ایرانی فوج کے ہاتھوں سخت مصیبت اُٹھاتے تھے۔ قدیم زمانے میں فنیقی سلطنت کے ایک بادشاہ کا کارنامہ تاریخ میں ثبت ہے کہ اُسنے یورش کرتے ہوئے تمام عرب کو عبور کر لیا تھا۔ اور اہل عرب دم بخود دیکھتے رہ گئے تھے۔ اپنے گھر کے اندر زبردست کا کمزور بھائی کو دبا لینا یا خانہ بدوشی میں پھرتے پھراتے کسی گاؤں پر چھاپا مارنا اور لوٹ مچا کر بھاگ نکلنا اگر یہی ہمیشہ سے اہل عرب کا کارنامہ ہے، کونسی حوصلہ مندی اور غیرت کا ثبوت ہے؟ درخت کا تخم زمین پر گرتا ہے۔ پھوٹ کر نرم پتے اور کونپلیں نکالتا ہے۔ آہستہ آہستہ بڑھتا ہے۔ سایہ دیتا ہوا، پھول اور پھل لاتا ہوا تناور اور شاندار درخت بن جاتا ہے اور جتنی مدت میں کمال کو پہنچتا ہے۔ اُس سے زیادہ عرصے تک قائم رہتا ہے۔ پھر بڑھاپے کی طرف آتا ہوا سُوکھ

جاتا ہے۔ اسکو قدرت کا قانون کہتے ہیں۔ مگر مداری سفید زمین پر ٹوکرا اوندھا دیتا ہے اُٹھاتا ہے
تو ایک پھل دار درخت موجود ہوتا ہے۔ پھر ٹوکرا رکھ دیتا ہے اور کچھ بھی نہیں رہتا۔ اسے معمولی کام
نہیں کہتے۔ مداری کی صناعی اور شعبدہ گری کہتے ہیں۔ عرب والے پہلے سے حملہ آوری اور یورش کرنے
کے خوگیر ہوتے۔ چھوٹے چھوٹے بادشاہوں سے نبرد آزما ہو کر شکستیں کھاتے اور فتحیاب ہوتے
رہتے۔ پھر کوئی صاحب عزم فرمانروا پیدا ہو جاتا اور اُنکو پہلے سے زیادہ زبردست معرکوں میں
کامیاب کرتا اور ایک مدت تک اُن میں وہی فاتحانہ حوصلہ موجود رہتا۔ باہمگر اتحاد ہوتا تو دشمنوں
پر تفوق رہتا۔ اسکے بعد تنزل آتا اور بتدریج فنا ہوتے تو اسکو جورجی زیدان کے الفاظ میں
سُنّۃ اللہ فی خلقہٖ کہہ سکتے۔ مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ پہلے سے کوئی غیرت اور کوئی
حوصلہ مندی موجود نہ تھی۔ جس تن واحد (ارواحنا فداہ) کی آواز پر سب کچھ موجود ہوا وہ کسی کشور
کشا اور ملک گیر خاندان کا فرد نہ تھا۔ ملک رانی اور جہانبانی کے اصول سے آشنا نہ تھا۔ اور اُسکے میدان
میں آنے کے وقت اور کسیقدر کامیاب ہونیکے بعد اُسکے سامنے اپنے ملک میں ایک طرف تمام
دنیا کے اندر کوئی نمونہ اُس خاص قسم کی شاہی و فرمانروائی کا موجود نہ تھا جس کا وہ موجد ہوا ہے۔ مخالف
اسے بادشاہ سمجھتے تھے مگر حیران ہوتے تھے کہ فاقہ کشوں کی زندگی بسر کرتا ہے اور اسکو ماننے والے
اسکی ایسی تعظیم و تکریم کرتے ہیں جو قیصر و کسریٰ کی بھی دیکھی نہیں گئی۔ اسمیں کوئی غرور پیدا نہیں
ہوتا۔ کوئی ہوس پیدا نہیں ہوتی۔ وہ اپنے تئیں مسکین کہتا ہے اور اپنے تمام اوضاع و اطوار میں
مسکین بنا رہتا ہے۔ اور باوجود اسکے تمام قوانین ملک گیری اور حکمرانی کا موجد ہوتا ہے اور ان کو
اپنے ہمراہیوں پر اور غیروں پر نہایت پابندی کے ساتھ نافذ کرتا ہے۔ کسی کے ساتھ رو رعایت
اور کسی پر ظلم کا روادار نہیں ہوتا۔ اور نہ صرف وہ بذاتِ خاص بلکہ اُسکے ہمراہی اور جانشین بھی
جب تک اُس پیشین گوئی کو پورا نہیں کر لیتے جو اپنے مقتدا کی زبان مبارک سے سن چکے ہیں اور
اُس تمام پروگرام کو ختم نہیں کر چکتے جو اُس نے اپنے وقت کے سب سے بڑے ظالموں اور جابروں کو زیر
کرنے اور ہمسایہ ممالک کو ظلم و ستم سے پاک کرنے اور ہر جگہ امن اور قانون کی حکومت جاری کرنے

کے لیے مرتب کیا تھا۔ اس تمام وقت تک تمام کام کرنے والے بالکل اپنے مقتدا کے نقش قدم پر چلتے
ہیں اور اسکی روش سے سرمو تفاوت نہیں کرتے۔ مگر جس وقت تمام کام پورا ہو چکتا ہے جسکے لیے وہ دنیا
میں آیا تھا۔ اور ایک ایسی حکومت کا تجربہ کامیابی کے ساتھ ختم کردیا جاتا ہے۔ جسکی نظیر زمانہ مابعد و
ماقبل میں موجود نہیں۔ اور سب دنیا مان لیتی ہے کہ شاہی و فرمانروائی کی یہ بھی ایک شکل ہے اور سب سے
بہتر شکل ہے۔ جب یہ سب کچھ ہو چکتا ہے تو فسوں سازیٔ قدرت کا جو تماشا دکھایا جا رہا تھا وہ دفعۃً
ختم کردیا جاتا ہے اور آئندہ کے لیے انسان اپنی انسانی طاقتوں کے ساتھ مصروفِ عمل نظر آتے ہیں جنہیں
کوئی فرشتہ سیرت ہوتا ہے اور کوئی ابلیس طینت۔ کوئی حسینی خودداری دکھاتا ہے اور کوئی
یزیدی خود غرضی۔

اسلامی حکومت کی ہر دلعزیزی تاریخی زمانے سے پہلے قیاس کیا گیا ہے کہ ایرین قوم اپنے وطن
سے نکلکر دنیا کے بڑے حصے پر متصرف ہو گئی تھی۔ اور اوقات مابعد میں مغلوں کی قوم بہت تھوڑے عرصے
میں زمین کے بہت بڑے رقبے پر پھیل گئی ہے۔ تیمور، نادر اور نپولین جیسے بادشاہوں نے اپنی
مختصر زندگی میں بڑے بڑے ممالک کو مسخر کرلیا ہے۔ ایرین قوم کی نسبت بہت کم معلومات
ہیں۔ وہ کتنے عرصے میں پھیلی اور اس نے اقوام مفتوحہ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ سب حالات پردۂ
خفا میں ہیں۔ اور ہندوستان کے اندر اسکے جس سلوک کا نشان آجتک اچھوت اقوام پر نظر آتا ہے
وہ قابل تعریف نہیں۔ باقی سب حملہ آور خدا کے غضب کی آندھیاں تھیں جنسے ملک بیچراغ ہوئے
اور نوعِ انسانی پر آفت آئی۔ اور ایسے بڑے طوفانوں کے بعد جو باقی رہے انکے اجسام پر حکومت
کی گئی۔ دلوں میں سب کے عداوت کی آگ بھڑکتی رہی۔ ان سب کے برخلاف صحابہ کرام کی آمد رحمت
کی آمد تھی۔ جس نے موجودہ حکومتوں کی بجائے نئی سلطنت۔ گذشتہ مذاہب کی بجائے نیا
مذہب اور فرسودہ تہذیبوں کی بجائے نئی تہذیب پیدا کی اور جو انقلاب ہوا اس نے جسموں
سے گذر کر دلوں پر قبضہ جمایا۔ کشور کشائی میں وہ شان دکھائی کہ اگر کسی شہر پر قبضہ کرنیکے بعد
عارضی طور پر وہاں سے فوج کو واپس بلایا گیا ہے تو شہر والوں نے آبدیدہ ہو کر انکے دوبارہ آنے

کی تمنا ظاہر کی ہے۔ حکمرانی کا وہ ڈھنگ برتا ہے کہ رومیوں کی قانونی اور ساسانیوں کی فوجی حکومت دونوں سے اسلامیوں کی مذہبی حکومت کو زیادہ پسند کیا گیا ہے۔ اور رعایا کو اپنے حکمرانوں سے اُنس ایسا پیدا ہوا ہے کہ شام، فلسطین، مصر اور افریقا کے تمام مفتوحہ علاقوں نے اپنی مادری زبان کو چھوڑ کر عربی زبان اختیار کرلی ہے اور جن علاقوں نے زبان کو نہیں بدلا اُن میں بھی عربی زبان کے ماہر اور ہر قسم کے علوم و فنون کو عربی میں ادا کرنے والے ایسے پیدا ہوئے ہیں جن کی تصنیفیں آجتک عربی زبان کا بہترین نصاب سمجھی جاتی ہیں۔ پس حل کرنیکے لائق صرف صحابۂ کرامؓ کی ملک گیری کا سوال نہیں ہے بلکہ اِس عام اور پائدار ہر دلعزیزی کا بھی ہے جس نے کروڑہا بندگانِ خدا کو مذہب کے علاوہ اُن کی زبان اختیار کرنے اور مادری زبان فراموش کرنے پر آمادہ کردیا۔ کیا دنیا میں کسی انسانی کوشش کی ایسی مثال ملسکتی ہے جس نے ایک غیر ملکی زبان کے ساتھ ایسا انس پیدا کردیا ہو۔ زبان پر کسی کی حکومت نہیں چلتی۔ موجودہ مہذب قوموں کی زبانیں عرصہ دراز سے دنیا پر بڑا اقتدار رکھتی ہیں اور اِن زبانوں کے بولنے والوں کا رقبہ بہت وسیع ہوتا جاتا ہے مگر اسی طرح کہ زبان کے بولنے والے وطن سے نکلکر آبادیاں قائم کرتے ہیں اور حسبِ معمول اپنی زبان ساتھ لے جاتے ہیں۔ اُنکی نسل کسی علاقے میں آباد ہو ضرور اپنی وطنی زبان استعمال کریگی۔ مگر جن لوگوں پر اُنکی حکومت ہے مدتوں سے ہے اور اُنکو تعلیم بھی حاکموں کی زبان میں دیجاتی ہے۔ اور زبان کو عام کرنے کے لیئے نئی طرح کے سائنٹفک طریقے نئے سے نئے تجویز کیئے جاتے ہیں اور روزمرہ کی ضرورتیں بھی اُس زبان میں ماہر ہونے پر مجبور کرتی ہیں ایسے لوگوں کی مادری زبانیں آجتک نہیں بدلیں اور اِن میں مہذب زبانوں کے ماہر بھی ایسے شاذونادر ہی پیدا ہوئے ہیں جن کی تصنیفیں زبان کا اعلیٰ نمونہ سمجھی جائیں۔ ایک زبان کے اندر دوسری زبان کے الفاظ کو ملانے کا باعث روزمرہ کی ضرورت بھی ہوسکتی ہے مگر ایک زبان کی بجائے دوسری زبان اختیار کرنے کا قانون صرف محبت کا قانون ہے۔ جن لوگوں سے محبت ہوجاتی ہے

اُنکے الفاظ کو اپنی زبان پر لانے کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے اور وہی اشتیاق رفتہ رفتہ ایک کی بجائے دوسری زبان پیدا کر دیتا ہے۔ ایسی محبت کا پیدا ہونا اور اُس کا ایسے کمال تک پہنچنا بھی دنیا نے صرف ایک ہی بار دیکھا ہے۔

اعلیٰ نمونے کا اثر

پس ایسے بڑے انقلاب اور ایسے عظیم الشان تغیر کو جسکی نسبت جرجی زیدان کے الفاظ میں تسلیم کیا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں دیکھا نہیں گیا ایسی رکیک تاویلوں سے حل کرنے کی کوشش کیوں کی جاتی ہے جنکا تاریخی ثبوت کوئی نہیں۔ عرب کے اندر اسلام کے پیدا ہونے سے ایک دن پہلے بھی اُن اوصاف کمال کا کوئی نشان نہ تھا جو روحانی اور جسمانی طور پر دنیا کا نقشہ بدل دیں تو عام قوانین قدرت کو اس پر منطبق کرنے سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ جب وہ بے نظیر اور انوکھی چیز ہے تو جو کچھ نظر آتا ہے اُسکو نیک نیتی کے ساتھ سمجھنے اور اُسکے فوائد و منافع کو دیکھنے کی کوشش کیوں نہیں کی جاتی۔ انسان دنیوی کاروبار کے لیئے کوئی بہتر طریق دریافت کرتا ہے اور لوگوں کو اس طرز پر کاربند ہونیکے لیئے ترغیب دینا چاہتا ہے تو ایک وقت میں اور ایک خاص مقام پر اسکا سب سے اعلیٰ نمونہ پیدا کر دیتا ہے۔ دنیا والوں کو صنعت و حرفت کے عالمانہ اصول سے شناسا کرنا مقصود ہوتا ہے یا تعلیم کا پیشہ اختیار کرنے والوں کو اس کام کے مؤثر طریقوں سے آگاہ کرنا مطلوب ہوتا ہے تو ایسا کارخانہ یا مدرسہ قائم کیا جاتا ہے جہاں صنعت و حرفت کے برترین ماہر اور تعلیمی کام کے بہترین اساتذہ پورے اصول اور قواعد کے مطابق کام کر کے دکھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنے فرض کو ادا کر دیا۔ سیکھنے والے وہاں سے فارغ ہو کر اپنی اپنی حیثیت اور ضرورت کے مطابق کام شروع کرتے ہیں تو ہمیشہ اور ہر جگہ اُن اصول و قواعد کی پوری پابندی نہیں کر سکتے مگر چونکہ نمونہ پیش نظر ہوتا ہے اسلیئے کوئی کسی کام میں اور کوئی کسی وقت میں تھوڑا یا بہت قاعدے کا لحاظ رکھتا ہے۔ اپنی ذاتی مجبوریوں سے یا پیش آنے والے کام کی سختی یا سہولت کے مطابق کبھی دانستہ اور کبھی نادانستہ کوتاہیاں بھی کرتا ہے اور کبھی قاعدے کو پورے طور پر عمل میں لا کر کام کا بہتر سے بہتر نمونہ بھی پیدا کرتا

رہنمات ۔ قدرت کی طرف سے جو ہدایتیں آتی ہیں اُنکی بھی یہی کیفیت ہی ۔

مسیح علیہ السلام کی تعلیم

جناب مسیح علیہ السلام نے وہ اخلاق جو مظلومیت کی حالت میں اختیار کرنے چاہئیں دنیا میں پیش کیے اور فرمایا کہ ایک رخسار پر تھپڑ کھاؤ تو دوسرا رخسار سامنے کردو اور ایک کوس کے لیئے بیگار میں پکڑے جاؤ تو دو کوس چلے چلو۔ جناب مسیح علیہ السلام اپنی پاکیزہ زندگی میں اسی اصول پر کاربند رہے مگر آپ کی ہدایت قبول کرنیوالے اس حکم کی پورے طور پر تعمیل نہیں کر سکے بلکہ اُنھوں نے دنیوی تکالیف سے بے پروا اور سامان راحت کو مہیا کرنے سے بیزار رہنے کا نمونہ دیکھکر راہبانہ زندگی بسر کرنے کی جو بدعت پیدا کرلی اس سے دنیا میں کئی طرح کی بدراہیاں اور خرابیاں پیدا ہوئیں پھر بھی چونکہ مظلومیت اور بیکسی کی حالت میں یہ سب سے بہتر اصول ہو اسلیئے آنجناب کی تعلیم کو رائگاں نہیں کہہ سکتے۔ مسیحی مذہب کے بعض منادی کرنے والوں نے صبر اور نفس کُشی کی جو اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں اُن کا سبب یہی تھا کہ اُنکے سامنے اپنے رہنما کا حکم اور اسکا پاک نمونہ موجود تھا جسکے سانچے میں پورے طور پر ڈھلنے والا اور جیسا کہ آپنے فرمایا ہے اپنی خوشی اور اختیار سے ظلم و جور کو برداشت کرنے والا کوئی پیدا نہ ہوا ہو جب بھی اس سے تعلیم کا غیر مفید ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ وہ بذات خود مفید ہے اور قرآن کریم نے وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ کے حکیمانہ فرمان سے مسیح علیہ السلام کے ارشاد کا مفید عنصر ظاہر کردیا ہے اور عفو کو انتقام سے بہتر و برتر فرمایا ہے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ نہ صرف اس زمانے میں جبکہ مسیح علیہ السلام کا ظہور ہوا ہے بلکہ کبھی بھی ایسے صبر و تحمل کا دنیا میں نشان پایا نہیں گیا اور ہمیشہ جہان کو زبردستوں کا ظلم اور مظلوموں کی بغاوتیں تباہ کرتی رہی ہیں۔ پس مسیح علیہ السلام کے ایسے حکم اور آپکے اس طرز عمل کو کسی بیرونی ترغیب کا نتیجہ نہیں کہہ سکتے اور اسکو دنیا کی مثال سے مدد نہیں مل سکتی تو ماننا پڑتا ہے کہ آپ کو یہ تعلیم براہ راست الہام ربانی سے القا ہوئی ہے اور یہ بھی ایسا اعجاز ہے جو دنیا نے ایک ہی بار دیکھا ہے اور اسکی غرض یہی ہے کہ جن حالات سے آنجناب کو گذرنے کا اتفاق ہوا ہے اس قسم کے حالات میں آنجناب کے اس

معجزے کو دلیل راہ بنایا جائے اور تھوڑا یا بہت جسقدر ہو سکے اِس روش پر چلنے کے لیئے قدم اُٹھایا جائے۔

مہاتما بدھ کا اپدیش مہاتما بدھ نے بھی ایک انوکھا پیغام دنیا کو پہنچایا۔ اور تکالیف سے نجات پانے کے لیئے راحت کی خواہش کو دل سے نکالنے کی تلقین کی اور بے سامانی کے عالم میں خود رو پھلوں پر بسر کرنے اور درختوں کے سائے میں بود و باش رکھنے کا حکم دیا۔ اس تعلیم پر صرف مہاتما بدھ نے عمل کیا۔ دنیا دار آپ کی تقلید نہ کر سکے اور جوگیوں، سنیاسیوں نے اس روش کو اختیار کیا تو اپنا بار دوسروں پر ڈالا۔ لذائذ کا اہتمام کرنے سے آزاد رہے مگر انکو چھوڑ نہ سکے۔ ایسا بیشک ہوا لیکن اس پیغام کے اندر صداقت کا عنصر موجود ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اول جس شخص کو ایسی زندگی بسر کرنے کی توفیق ہو اور خواہشوں کو یکلخت چھوڑ سکے وہ یقیناً گناہ کی خواہش سے پاک رہیگا۔ دوسرے اگر انسان یہاں تک نہ پہنچ سکے جب بھی اس میں کلام نہیں کہ جسمانی خواہشوں میں منہمک رہنے سے روحانی ترقی میسر نہیں آسکتی۔ اور قلب کو روشن کرنے کے لیئے جسمانی خواہشوں کو کسی نہ کسی حد تک روکنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم نے اس صداقت کی تصدیق کی ہے اور فرمایا ہے: قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا یعنی سرتاپا دنیا کی لذتوں میں مصروف رہنے اور اپنے اس فعل کو مستحسن سمجھنے سے زیادہ ناکامی کا باعث اور کوئی نہیں۔ پس گو مہاتما بدھ کے فرمان اور اُنکے طرز عمل کا اتباع پورے طور پر نہیں ہو سکا مگر دنیوی اور جسمانی خواہشوں میں جو زہریلا اثر ہے اسکی طرف دنیا والوں کا خیال ضرور منتقل ہوا اور جن لوگوں نے تصفیہ باطن کا بیڑا اٹھایا اُنھوں نے خواہشوں کو روکنے کی کم یا زیادہ کوشش ضرور کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ اس سے زیادہ ممتاز اور زیادہ کارآمد وہ اعجاز ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر ظہور پذیر ہوا۔ مظلوم کے لیئے ایک خاص نمونہ

پیدا کرنا اور درد کو مخدر دواؤں سے کم کرنا برابر ہے۔ تکلیفوں سے گھبرا کر دنیا سے بے تعلق ہونا اور بدہضمی سے بچنے کے لیئے ہمیشہ روزہ رکھنا برابر ہے۔ مگر ظالموں کے سامنے اُنکے طرزِ عمل کی بجائے بہتر طریق کار کی مثال پیدا کرنا مرض کے مواد کو دفع کرنے کا اثر رکھتا ہے۔ دنیا کے فرمانروا ہوسِ ملک گیری میں جسقدر خونریزیاں اور سفاکیاں کرتے ہیں اور اپنی عیش پرستیوں کیلئے جسقدر اسراف بیجا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اُسکے لیئے عذر یہی پیش کرتے ہیں کہ جہانبانی و ملک گیری کی ضرورتیں اسکے بغیر پوری نہیں ہوتیں۔ امن قائم کرنیکے لیئے عبرتناک سزاؤں کے بغیر چارہ نہیں اور شاہانہ تزک و احتشام ظاہر کرنیکے بغیر رعب سلطنت قائم نہیں رہ سکتا۔ ان سب کو دکھا دیا گیا ہے کہ ملک رانی بھی ہو سکتی ہے کشور کشائی بھی ہو سکتی ہے۔ جسکے لیئے نہ ممالک کو بے چراغ کرنے کی ضرورت ہو نہ زن و بچہ کا قتل عام کرنے کی۔ خود اپنے تئیں ہر حال میں قانون کا پابند بنانے سے عبرتناک سزائیں دینے کی نسبت زیادہ امن پیدا ہو سکتا ہے۔ اور لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہکر دشمنوں کو معاف کرنے پر انتقام سے بہتر نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ گداؤں کی شکل میں رہ کر شاہی کرنے سے رعب زیادہ قائم ہوتا ہے۔ اور خود بھوکے رہ کر رعایا کو خوشحال رکھنے سے عظمت و شان دوبالا ہوتی ہے۔ اس پاک ہدایت کی تعلیم اور اُسپر عمل کرنے کی شکل ایسی واضح اور صاف ہو کہ آیندہ جب کبھی مسلمانوں کے ہاتھ سے کوئی خرابی پیدا ہوئی ہے تو روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ کس نقطے پر اسلامی تعلیم سے روگردانی کی گئی ہے اور کس موقع پر اُسوہ رسول ؐ کو پیش نظر نہیں رکھا۔ یہ وہ طرز حکومت ہو جسکی فضیلت و برتری سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وہ بے نظیر ایجاد ہے جس کا نقشہ دنیا نے کبھی نہیں دیکھا۔ ایسا انقلاب عام قوانین عالم سے کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ اور ایسی جدّت کو کرشمۂ اعجاز ماننے کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ آنے والے اس روش پر کلی طور سے عمل پیرا نہ ہوئے اور ملک رانی کی وہ شکل دنیا نے پھر نہ دیکھی مگر اعلٰے سے اعلٰے نصب العین جو پیش کر دیا گیا ہے وہ اپنا اثر دکھانے سے قاصر نہیں رہا اور آنے والے حکمرانوں میں وقتاً فوقتاً اچھی سے اچھی مثالیں پیدا ہوتی رہی ہیں بلکہ کہا جا سکتا

ہے کہ یکساں حالات اور واقعات کے اندر مسلم اور غیر مسلم فرمانرواؤں کا جب کبھی مقابلہ ہوا ہے کسی نہ کسی حیثیت میں ایک نے اپنے تئیں دوسرے سے بہتر و برتر ثابت کیا ہے اور جب تک اس قوم کا اقبال رہا ہے حملہ آوری کی صورت میں، قلعہ کشائی کی شکل میں، رعایا پروری کے انداز میں، دشمن کشی کی روش میں، مسلم و غیر مسلم کا تفاوت ہمیشہ نہیں تو اکثر نظر آیا ہے۔ خدم و حشم کا ہجوم اور غلاموں کنیزوں کے جھگھٹے بھی رہے ہیں اور ایسے شہنشاہ بھی متعدد گذرے ہیں جو ہاتھ کی محنت سے روزی کماتے رہے ہیں اور محض ایک گھروالی سے کام لیتے رہے ہیں۔ نیز ان جمہوری خیالات کی ترقی میں اور فرائض شاہ و رعیت کی حد بندی میں جو نئی سے نئی ایجادیں ہورہی ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ اس جادہ پر گام زن ہونے میں اُس نصب العین کا دخل نہیں جسکا مینار عرب کے ریگستان میں تعمیر کیا گیا تھا اور جسکا ذکر اوراق تاریخ کے لئے زینت ہی اور کون دعوےٰ کرسکتا ہے کہ دنیا نے اس سے بہتر نظام پیدا کرکے دکھادیا ہے یا اُسکے برابر پہنچ سکے ہیں۔

بے سامانوں کو باسامان بنانے کا اہتمام | قدرت ربانی کا جو کرشمہ ریگستان عرب اور ممالک گرد و پیش میں ایک خاص وقت کے اندر ظاہر ہوا اور واقعات نے اسکے بعد جو شکل اختیار کی اسکے اندر ایک برترین نصب العین کو قائم کرنے کے سوا اور بھی منافع اور مصالح مرکوز ہیں جن کو عقل انسانی ادراک کرسکتی ہے۔ اسلام صفحہ ہستی پر نمودار ہوا ہے تو اُس وقت دنیا کے تمام مشہور مذاہب سامان نشو و نما سے پورے بہرہ اندوز تھے۔ بت پرستی اپنی مختلف اشکال کے ساتھ ہندوستان میں، بدھ مذہب چین میں، آتش پرستی ایران میں، اور عیسائیت یورپ میں کروڑوں انسانوں کے دل پر قابض اور ہزارہا میل رقبے پر حکومت کرتی تھی۔ یہودیت اگرچہ حکومت سے عاری تھی مگر مال و زر کے اعتبار سے ایسی فوقیت رکھتی تھی کہ بڑی بڑی حکومتیں اسکے مقروض ہونے کی ذلت برداشت کرتی تھیں۔ اسلام پیدا ہوا ایسی قوم میں جو تعداد میں سب سے کمتر اور ثروت و حکومت سے بالکل بے بہرہ تھی۔ قدرت کو منظور تھا کہ یہ مذہب بھی ظاہری سامان کے اندر دیگر مذاہب کے برابر ہوکر مقابلہ کرے اور جبنے ور و قوت کے اُسی درجے تک پہنچ جائے جو دنیا کے دوسرے پہلوانوں کے اندر موجود ہے

تو اسکو اپنی ہمت اور حوصلے سے کام لینے اور برابر والوں سے کشتی لڑنے کیلئے چھوڑ دیا جاتا۔ اس کام کیلئے ضرورت تھی ایسے لوگوں کی جو متحد ہو کر لوہے کی دیوار بنجائیں اور آندھی بنکر دنیا میں پھیل جائیں۔ قرعۂ فال ایسے لوگوں پر پڑا جو بھائی بھائی ہو کر ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ اور اپنے ریگستان سے نکلکر کسی کے سامنے نہ آئے تھے۔ ایسی مخلوق سے کام لینا چاہا تو حق تعالیٰ نے اپنے ایک یتیم اور بیکس بندے کو جو آقائے دو عالم ہو کر زمین و آسمان میں شہرت پانے والا تھا (ارواحنا فداہ) وہ اثر عطا فرمایا کہ اسکی ایک آواز نے قوم کی کایا پلٹ دی۔ بد قماش خدا شناس ہو گئے رہزن پاسبان بن گئے اور دشمن دوست بن کر گلے ملنے لگے اور سب کے سب اپنے آقا کا پیغام سنانے کیلئے سر بکف اٹھ کھڑے ہوئے اور جس نسل نے اس کام کا بیڑا اٹھایا تھا انہی لوگوں نے اسکو معراج کمال تک پہنچتے ہوئے دیکھ لیا اور وہ اسلام جسکو ایک یتیم نے دنیا سے روشناس کیا تھا چند سال نہ گذرنے پاتے تھے کہ اپنے متبعین کی تعداد میں، دولت و ثروت میں، تہذیب و تمدن میں اور فرمانروائی و حکومت میں دیگر تمام قدیم سے قدیم مذاہب کے برابر بلکہ بعض بعض سے زیادہ بلند رتبے تک پہنچ گیا۔

کام کی تکمیل اور کوشش کا خاتمہ آج فن تاریخ کی ترقی نے ہزاروں برس کا فاصلہ مٹا کر قدیم سے قدیم زمانوں کو نظر کے سامنے کر دیا ہے مگر کیا کبھی ایسا معجزہ دنیا میں نظر آیا۔ اور ایک نسل بیسیوں نسلوں کا کام کرتی ہوئی دیکھی گئی۔ نہیں یہ خدا کا ہاتھ تھا جو براہ راست مصروف عمل ہوا اور قرآنی الفاظ میں جو تیر انسانوں کے ہاتھ سے چلتے ہوئے نظر آئے وہ حقیقت میں خدائی ہاتھ سے نکل رہے تھے اور جو تلواریں انسانوں کے ہاتھ میں چمکتی دیکھی گئیں وہ خدا کے فرشتے ہلا رہے تھے اور مدعا یہی تھا کہ سب کے بعد آنے والے مذہب کیلئے تھوڑے عرصے میں ظاہری سامان مہیا کر دیا جائے جو پہلوں نے کئی کئی صدیوں میں پیدا کئے ہیں۔ یہ مقصد پورا ہو گیا اور خدا کا ہاتھ بے پردہ عمل کرتا ہوا سب کو نظر آ گیا تو دوبارہ دوسری قسم کا معجزہ منصۂ ظہور پر آیا اور خدا کا پھیلا ہوا اور حرکت کرتا ہوا ہاتھ پیچھے کو سکڑتا اور ساکن ہوتا ہوا بھی سب کو دکھایا گیا۔ یعنی وہی نسل جو اپنے تن من سے اشاعت دین میں منہمک تھی اور باہمی عداوتوں کو فراموش کر چکی تھی دفعتہً باہمی نزاع و فساد

کی طرف عود کرتی ہوئی نظر آئی اور وہی کشت و خون کے نظارے اور تیغ آزمائی کے دنگل جو چند سال کے لیئے معدوم ہوگئے تھے از سرِ نو زندہ ہوگئے اور خود انہی لوگوں کے ہاتھ سے جو تمام کاوشوں کو مٹا کر شیر و شکر بن گئے تھے۔

حرکت اور سکون | اس آفتاب و ماہتاب نے وہ سیر بھی دیکھی ہے جبکہ میدانِ جنگ میں ایک زخمی کے پاس پانی کا پیالہ لایا جاتا ہے تو وہ دوسرے زخمی کو دیکھکر اُسکی طرف لیجانے کا اشارہ کرتا ہے۔ وہ دوسرا تیسرے کی طرف بھیجتا ہے۔ تینوں دم توڑ دیتے ہیں اور پانی کسی کے لب تک نہیں پہنچتا۔ ایسے ایسے تماشوں کے بعد جلد ہی آفتاب و ماہتاب وہ نظارہ بھی دیکھتے ہیں کہ بھائی کی تکلیف میں اپنی کلفت کو بھول جانے والے ایک دوسرے پر تلوار کھینچکر جھپٹتے ہیں، تو مسلمانوں کے دارالخلافہ میں خلیفۂ وقت کو تین دن پانی نہیں پہنچتا اور اُسکو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے ذبح کیا جاتا ہے۔ اور اُمت کے ہاتھ سے رسول علیہ السلام کا نواسہ دریا کے ساحل پر پیاسا شہید ہوتا ہے۔ یہ بھی معجزہ ہے اور عشق و محبت کے نشے میں جھومنے والے دفعتہً عداوت و فساد کے جوش سے بے اختیار ہوتے ہوئے بھی زمانے نے ایک ہی بار دیکھے ہیں۔ وہ خدا کے ہاتھ کی حرکت تھی یہ خدائی ہاتھ کا سکون ہے۔ خدائی ہاتھ کی حرکت نے انسانی حرکتوں کو معطل کردیا تھا؟ حرکت بند ہوئی تو انسانی ہاتھ خود بخود حرکت کرنے لگے۔ مشیئت کا تقاضا اور قدرت کا قانون تھا جس میں تغیر نہیں۔ اسلام کو بھیجا تھا خدا نے اپنی مشیئت سے، اسکو ترقی کے معراج تک پہنچایا اُس نے اپنی قدرت سے۔ کام ہوا انسانوں کے ہاتھ سے مگر اُسی طرح جیسے پُتلیوں والا پُتلی کے ہاتھ سے کرا لیتا ہے یعنی بے اختیار۔

دونوں فوق العادت | جو لوگ اسلام کو من جانب اللہ نہیں مانتے اور معاذاللہ پیغمبرِ اسلام کا دماغی اختراع سمجھتے ہیں وہ اسے بنتے ہوئے اور بڑھتے ہوئے دیکھکر سمجھ سکتے ہیں کہ عرب نسل کی قوت اور اسکا اتحاد اس ترقی کا موجب ہوا مگر قدرت کو منظور نہ تھا کہ دنیا اس دھوکے میں رہے۔ اُس نے دکھا دیا کہ اسکو بنانے اور اقبال تک پہنچانے کا سہرا جس نسل کے سر پاندھتے

اور جس کی قوت اتحاد کو ترقی کا باعث سمجھتے ہو۔ دیکھو یہی نسل موجود ہے اور قوت اتحاد کھو بیٹھی ہے اگر یہ قوت اِسکے اندر ہوتی اور ایک عرصے تک مشق و مزاولت کرنے سے وہ اسے چمکا لیتی تو اور ترقی کرتی۔ اور ایک نسل سے آیندہ نسلوں تک پہنچاتی یا دفعتہً نابود کر دیتی؟ کبھی دیکھا ہے کہ پہلوان زور آزمائی کرتے کرتے بغیر کسی عارضے کے دفعتہً ناتواں ہو گیا ہو۔ کبھی دیکھا ہے کہ فلسفی اسرار قدرت کی تفتیش کرتے کرتے بغیر کسی دماغی صدمے کے دفعتہً جاہل و نادان بن گیا ہو۔ جس طرح کسی کمال کو حاصل کرنیکے لیے عرصہ دراز درکار ہوتا ہے اسی طرح جوانی کے بعد پیری، قوت کے بعد ضعف اور عقل کے بعد نادانی کیطرف عود کرنے میں بھی افراد اور اقوام کو ایک زمانہ قطع کرنا پڑتا ہے مگر یہاں قوتِ اتحاد پیدا ہوئی دفعتہً اور گم بھی دفعتہً ہوئی تو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ انسانی کام تھا اور اس نے اپنی معمولی طاقت سے انجام تک پہنچایا۔

شرک کا قولی اور فعلی انسداد | اسلام شرک کو مٹانے اور توحید کا غلغلہ بلند کرنے کیلئے دنیا میں آیا ہے۔ خدا کا کوئی فعل مخلوق کی طرف منسوب کرنا رضائے ربانی کے خلاف اور اسلام کے منافی ہے۔ وہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کارناموں کو جو خدائی جلال سے ظہور پذیر ہوئے آپ کی طرف منسوب کرنے سے روکتا ہے اور مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی" فرما کر نبیؐ کے فعل کو کرشمۂ قدرت سمجھنے کا حکم دیتا ہے۔ خدا کے قول کے مطابق خدا کا فعل بھی شرک کی نفی کرنیکے لیئے اس شکل میں ظہور پذیر ہوتا ہے کہ جس نسل کے ہاتھ سے اسلام کو ترقی دلواتا ہے اُسی نسل کی انسانی کمزوریوں کو بعد میں ظاہر کر دیتا ہے اور دکھا دیتا ہے کہ تم جنکو فاعلِ مختار سمجھ کر شرک کے مرتکب ہوتے ہو دیکھ لو وہ اس قوت کے مالک ہی نہ تھے۔ ہمارا انعام ہے کہ نبیؐ کے ہاتھ سے ہم نے اس درخت کی تخم ریزی کرائی۔ اور ہمارا احسان ہے کہ نبیؐ کے ہمراہیوں کو اسکی آبیاری پر مامور کیا۔ تیر چلانے والے ہم تھے مگر ہاتھ نبیؐ کا تھا۔ اس شرف میں کوئی انسان اُسکا شریک نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں اسلام کا ڈنکا بجانے والے ہم تھے مگر نقارہ اور اُسکی چوبیں اصحاب نبیؐ کے ہاتھ میں دی گئی تھیں۔ اس اعزاز کو بعد والے نہیں پا سکتے۔ انسانی کمزوری سب میں تھی

اور اپنے وقت پر ظاہر ہوا کرتی ہے۔ جس وقت ہم امداد خاص مبذول فرماتے ہیں امداد پانے والوں کے شرف پر آسمان کے فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔ جب مدد کا وقت گذر چکتا ہے تو پھر وہی عاجز مخلوق ہوتی ہے اور وہی اُسکی کمزوریاں۔

کام کی معمولی رفتار اور اُسکا قیام و دوام

مگر جب کام اس حد تک پہنچ گیا جہاں خدائی امداد کے بغیر نہ پہنچ سکتا تھا تو آیندہ اگر لوگوں کی فطری کمزوریاں ظاہر ہونے لگیں تو اسمیں قباحت کیا ہے دست قدرت کی کارسازی بھی ظاہر ہوگئی اور جو کام معراج کمال تک پہنچ چکا ہے۔ اسکے قیام و استحکام کے وسائل بھی مہیا ہوگئے اور کام اپنی معمولی رفتار سے چل نکلا ہم دیکھتے ہیں کہ اس فتنہ و فساد کے زمانے میں جبکہ اہل عرب باہمی کاوشوں میں مصروف ہوگئے تھے اسلامی رقبے کی توسیع اور دین حق کا کام بند نہیں ہوا۔ اسی فتنہ و آشوب کے زمانے میں مسلمانوں کے رخشندہ گوہر سمندر چیر کر قسطنطنیہ کے نیچے پہنچتے ہیں۔ اُسکی دیواروں کے سامنے اپنا خون بہا کر اور بندگان دین کی ہڈیاں مدفون کرکے آیندہ فاتحین کے لیئے نشان راہ قائم کرتے ہیں اور اسی ہرج و مرج کے زمانے میں جوانمردان اسلام دوسری جانب دریائے جیحون کو عبور کرتے اور سغد و سمرقند پر تاتاریوں کو ہزیمت دیتے ہیں۔ اسی زمانے میں فضلائے صحابہؓ احادیث پیغمبر علیہ السلام کی تلقین اور فرامین قرآنیہ کی تفسیر میں منہمک نظر آتے ہیں۔ اور اسی عہد میں صحابہؓ کے بعد علمائے تابعینؒ علوم شرعیہ کی تدوین و تصنیف میں مصروف رہتے ہیں۔ اُسوقت تمام بار گوشۂ عرب کے اندر رہنے والے چند نفوس کی گردن پر تھا۔ بعد میں مختلف اطراف عالم کے اندر بسنے والے کروڑوں انسان توحید کا غلغلہ بلند کرنے اور اسلام کے نام پر فدا ہونیکے لیئے آمادہ ہوجاتے ہیں۔ اور اُس وقت سے آجتک ملک گیری و کشورکشائی میں، دین حق کی تبلیغ و اشاعت میں، اور علوم شرعیہ کی تدوین و تصنیف میں جو سرفروشیاں اور دماغ سوزیاں ہوتی رہی ہیں۔ اُن میں نام پانے والے ایرانی بھی ہیں تورانی بھی ہیں افریقی بھی ہیں اندلسی بھی، افغانی بھی ہیں ہندوستانی بھی، اوامر و فرائض کا ذکر صحیفۂ ربانی میں محفوظ ہے اور اُسپر کاربند ہونے والے خلق خدا میں ہر طرف موجود جسکو جس قدر خدمت کرنے کا موقع مل سکیگا اجر کا مستحق ہوگا

اور جسقدر کوتاہیاں سرزد ہونگی اُن کا جواب دینا پڑے گا۔ اور کام جو جاری ہو چکا ہے کسی نہ کسی شکل میں کم یا زیادہ ہوتا رہے گا کبھی بند نہ ہو گا۔

حامیان اسلام آزادی سے اسلامیوں کا سلوک | آزادی حاصل کرنیکے بعد جو فرائض مسلمانوں پر احکام شرعیہ کے رُو سے عائد ہوتے ہیں اُن کو پورے قواعد و ضوابط کے ساتھ بجالانے کا جو نقشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقدس ہاتھوں نے دنیا کو دکھایا حتی الوسع اُس کا ذکر کیا جا چکا۔ اب اِس کارنامے کا صرف ایک پہلو باقی ہے۔ اسلام نے تلوار اٹھانے کا حکم اِس غرض سے دیا ہے کہ دین کو محض خوفِ خدا سے اختیار کرنے کے اندر جسقدر مزاحمت ہوتی ہو دور کردیجائے اور جس خطے میں فتنہ و فساد کی آگ شعلہ زن ہو فرو کرنے کی کوشش ہوتی رہے۔ اِس مثبت حکم کی منفی جانب یہ نظر آتی ہے کہ جہاں مذہب کو اختیار کرنے میں آزادی ہو اور فتنہ و فساد کا وجود نہو مسلمانوں کو ایسے علاقے پر یورش کرنیکی اجازت نہیں اور اسکا عملی نمونہ سرزمین حبش کو اسلامی ترکتازی سے محفوظ رکھنے میں نظر آتا ہے۔

سرزمین حبش | اِس ملک میں اور سرزمین عرب میں اگرچہ سمندر حائل ہے مگر دونوں میں ایسا قرب اور ان کی آمد و رفت ایسی آسان ہے کہ آغاز بعثت میں مسلمانوں کو ستایا گیا ہے اور وہ بے سرو سامان وطن سے نکلے ہیں تو حبش میں پناہ گزیں ہوئے ہیں۔ کچھ عرصے بعد واپس آئے ہیں اور وہی زمین و آسمان دیکھا ہے تو پھر وہیں پہنچ گئے ہیں۔ اور اس سے پہلے بھی حبش اور عرب کے مابین آمد و رفت ایسی رہی ہے کہ حبش کی درباری اور علمی زبان جو جیز کہلاتی ہے عربی سے بہت مشابہت رکھتی ہے۔ مذہبی مقتدا کیلئے خالص عربی زبان کا مرکب لفظ ابُو نا استعمال کرتے ہیں۔ قدیس کے لیئے بھی ایسا ہی لفظ ذأنس مستعمل ہے۔ ۵۲۲ء میں حبش کے بادشاہ ایل اسبیان نے یمن کو اپنی قلمرو میں ملاکر ساٹھ سال تک اُسپر تصرف رکھا۔ جس ملک سے ایسا قدیمی تعارف ہو اور ایسا قرب ہو اور یمن پر حکومت کرنے کی وجہ سے رقابت کا خیال بھی ہو اہل

عرب کو اقبال کے زمانے میں اُسپر یورش کرنے کی خواہش ضرور پیدا ہونی چاہئے تھی۔ اس خواہش کے پیدا ہونیکے لیئے ترغیبیں بھی کئی موجود تھیں۔

حبش کی جغرافیائی حالت | وہاں مختلف الاقسام غلّے اور پھل افراط سے پائے جاتے ہیں اور اُن غلوں کے علاوہ جو دنیا کے اور حصوں میں موجود ہیں حبش کے اندر چند ایسے غلّے بھی پیدا ہوتے ہیں جو اُسی ملک سے مخصوص ہیں اور غربا اکثر انہی پر بسر کرتے ہیں اور مانا جاتا ہے کہ دنیا میں بہت کم ملک ہیں جو حبش کے برابر زرخیز ہوں۔ وہاں بعض جگہ سال کے اندر تین فصلیں پیدا ہوتی ہیں دودھ دینے والے جانور گائے بھینس اور بکری کی افراط ہے۔ شہد اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ کئی صوبے سرکاری خراج اسی جنس کی شکل میں ادا کرتے ہیں۔ نمک، گندھک، تانبا لوہا سکہ وغیرہ کار آمد معدنیات موجود ہیں۔ مفید نباتات کی بھی کثرت ہے۔ سونا اور چاندی بھی پایا جاتا ہے اور بہہ جانے والی اجناس میں سونا بھی ہے۔ آب و ہوا بعض جگہ بہت سرد بعض جگہ بہت گرم اور بعض جگہ معتدل ہے۔ پہاڑ ہمیشہ برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ ہر طرح سے حملہ آوروں کے لیئے کشش کا سامان موجود ہے۔ وسعت بھی کافی ہے۔ رقبہ دو لاکھ مربع میل ہے۔ آبادی تیس چالیس لاکھ۔ بیرون عرب کے مسلمان بلکہ تازوں سے قطع نظر خالص عربی نسل نے ملک گیری شروع کی ہے تو ایشیا میں بخارا اور سمرقند تک اور ادھر ہندوستان کی سرحد تک پہنچ گئے ہیں۔ افریقہ کو تسخیر کرتے ہوئے جا کر ساحل بحر روم لیا ہے۔ پھر کشتیوں میں سوار ہو کر ہسپانیہ پر قابض ہوئے ہیں اور اُن ممالک پر جن میں کروڑوں انسان بستے ہیں حملہ کرنے سے باز نہیں رہے مگر اُنکے ہاتھ کے نیچے جو حبش کا علاقہ تھا اور آبادی زیادہ نہیں رکھتا تھا بالکل محفوظ رہا ہے اور کسی نے اس طرف نظر بھر کر نہیں دیکھا۔

حبش کے تاریخی حالات | سبب یہی کہ وہ لوگ مذہبی رواداری میں خاص طور پر ممتاز ہیں اُنکا مذہب بت پرستی ہے یا عیسائیت کی ایک پست ترین قسم جو قبطیوں سے یعقوبی فرقے کی ایک شاخ ہے اور جسکو چوتھی صدی مسیحی میں اسکندریہ کے پادریوں نے رائج کیا تھا۔ اُنہیں حبشیوں نے

توہم پرستی اور ملکی رسوم کو بھی دخل کر لیا ہے اور اب تک اُسی روش پر گامزن ہیں۔ پندرھویں صدی میں بادشاہ کیتھولک فرقے کا پیرو اور پاپائے روم کا معتقد ہو گیا تھا۔ لوگوں کو کیتھولک مذہب قبول کرنے پر مجبور کرنے لگا اور مذہبی عدالتوں نے مخالفوں کو سخت سے سخت سزائیں دینی شروع کیں۔ ملک کو یہ روش ایسی ناگوار ہوئی کہ سب نے بغاوت کر دی اور بادشاہ نے تنگ آکر سنہ ۱۶۳۲ء میں مذہبی آزادی کا اعلان کیا تو بغاوت فرو ہوئی۔ طبائع کی اسی سلامت روی کا اثر تھا کہ مسلمان اس ملک میں گئے اور قریش نے اپنے آدمی بھیجکر اُنھیں واپس لانا چاہا تو بادشاہ کو بھڑکانے کیلئے یہی حجت پیش کی ہے کہ مسلمان مسیح کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے اور مسیحی مذہب کو غلط کہہ کر اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہیں۔ مگر بادشاہ پر اسکا اثر نہوا۔ اُس نے مسلمانوں کو بُلا کر اور اُنکے عقائد سُنکر اجازت دی کہ شوق سے رہو اور اپنے مذہب کی پابندی کرو۔ سنہ ۶ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حبش کو تبلیغی مراسلہ لکھا ہے تو بادشاہ مسلمان ہو گیا۔ ملک اپنی روش پر قائم رہا۔ اور اس انقلاب نے کوئی ابتری پیدا نہیں کی۔ وہ بادشاہ فوت ہوا تو اُسکا جانشین عیسائی تھا۔ فتنۂ و فساد کا اس وقت کے اندر ملک میں نشان نہ تھا۔ اگرچہ سنہ ۵۲۲ء سے سنہ ۹۰۰ء تک وہاں کی تاریخ معلوم نہیں ہے مگر اسقدر یقین ہے کہ اُسی قوم کی شاہی حکومت رہی ہے۔ آیندہ ایک یہودی عورت نے حکومت کی ہے۔ اس نے قدیم خاندان شاہی کے تمام افراد کو قتل کر دیا ہے۔ صرف ایک شیر خوار بچے کو اُسکے غلام لے کر روپوش ہو گئے ہیں۔ سنہ ۱۲۶۸ء تک یہودی خاندان متصرف رہا۔ پھر دوبارہ قدیم خاندان میں حکومت آئی۔ سنہ ۱۶۳۲ء کے بعد وہاں کا انتظام بگڑا ہے۔ افریقا کی ایک حبشی قوم جس کو گلا کہتے ہیں یورشیں کرنے لگی ہے۔ شاہی اقتدار میں ضعف آگیا۔ مختلف صوبوں کے حکام خود مختار ہو بیٹھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب وہاں سات یا آٹھ ریاستیں آزاد اور کئی نیم آزاد ریاستیں موجود ہیں جن میں بیشتر فرمانروا گلا نسل سے ہیں اور باہم ہمیشہ جنگ و جدال رکھتے ہیں۔ گلا قوم میں اسلام بھی پھیل گیا ہے۔ اکثر ریاستوں میں مسلمان پائے جاتے ہیں اور ایک ریاست میں جو حبش کے قدیم دار الخلافہ گونڈر پر حکومت کرتی ہے۔ بادشاہ اور نیز رعایا کا بیشتر حصہ مسلمان ہے۔

حبش کی نسبت مسلمانوں کی غیر جانبداری | حبش پر ادبار ۱۶۳۲ء کے بعد آیا اور یہی وقت ہے جبکہ اقبال نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑا۔ اس سے پہلے نہ اس ملک میں ابتری تھی نہ کسی مسلمان بادشاہ نے اسپر یورش کی۔ اس طویل عرصے میں صرف ایک واقعہ ۱۵۲۸ء اور ۱۵۴۲ء کے مابین پیش آتا ہے جس میں ایک ترکی سپہ سالار حبش پر حملہ آور ہوتا ہے اور بادشاہ حبش کوہستانی علاقے میں پناہ لیکر پرتگال والوں کو مدد کیلئے بلاتا ہے۔ ان کا بیڑا آتا ہے۔ فوج اترتی ہے اور شکست کھاکر واپس چلی جاتی ہے مگر ترکی سپہ سالار کو ایک معرکے میں گولی لگتی ہے تو اس کا لشکر پراگندہ ہوجاتا ہے۔ یہ واقعہ اُس زمانے کا ہے جبکہ مسلمان خود مسلمانوں پر یورشیں کرنیکے خوگیر ہوگئے تھے اور ہوس ملک گیری نے قواعد جہاد کی کوئی پابندی باقی نہ رہنے دی تھی۔ اور سلطنت ترکی نے بالخصوص اُس زمانے میں سلطان سلیم اول کی قیادت میں اپنی تمام عظمت مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے اور کمزوروں کا گلا دبانے سے حاصل کی ہے۔ سلطان سلیم کو انہی کارناموں پر فخر ہے۔ اسلیئے اس یورش کو احکام مذہب سے وابستہ نہیں کرسکتے۔ احکام جہاد کو پورے طور پر عمل میں لانے کی مثال خلافت راشدہ دکھا چکی ہے۔ اسکے بعد کبھی تعمیل ہوئی ہے کبھی نہیں ہوئی۔ حبش کے بارے میں پھر بھی بڑے عرصے تک پاس و لحاظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس بارے میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں قیصر و کسریٰ کی ظالمانہ حکومتوں کے تباہ ہونے کی پیشینگوئی کی تھی وہاں اہل حبش کی رواداری اور حکومت کی معدلت گستری سے خوشنود ہوکر حکم نافذ فرمادیا تھا کہ حبش پر یورش نہ کیجائے۔ صحابہ کرامؓ کو اس حکم سے سرتابی کرنے کی مجال نہ تھی۔ مگر انکے بعد بھی اس قدر عرصے تک کسی نے حبش سے آویزش کرنیکی جرأت نہیں کی۔ ترکوں نے جو کچھ کیا اسکے جوابدہ وہ خود ہوں گے۔

آہ انصاف | انصاف دنیا میں کہیں نہیں۔ مؤرخ گبن کو شکایت ہے کہ "ہر طرف سے مسلمانوں کے اندر محصور ہونے کی وجہ سے حبش کو ہزار سال تک بیرونی دنیا نے اور اُس نے بیرونی دنیا کو بھلائے رکھا"۔ بیرونی دنیا سے بے تعلق رہنے کا الزام مسلمانوں پر رکھتے ہیں مگر یہ توفیق نہیں ہوتی کہ دیکھیں

عرب کے ہمسایہ میں اور مسلمان حکومتوں کے اندر محصور رہنے کے باوجود ایک ملک بت پرستی اور عیسائیت
کو قائم رکھتا ہے اور مسلمان ہزار سال تک اُس سے تعرض نہیں کرتے چاہیئے تھا کہ اُنکی صلح جوئی اور امن
پسندی کے معترف ہوتے اور اس غلط الزام کی تردید کرتے کہ مسلمانوں نے مذہب تلوار کے زور سے
پھیلایا ہے۔ اُلٹا الزام دیتے ہیں کہ مسلمانوں نے اُنکو بسم اللہ کے گنبد میں رکھا اور امن کی نیند کیوں سونے دیا۔

اشاعت مذہب کا باعث حسن سلوک ہے

اگر تلوار اُٹھانے سے اسلام کا مدعا مذہب پر مجبور کرنا ہوتا
اور اگر احکام قرآنیہ کا یہ مطلب ہوتا کہ جب تک نیا مسلمان ہو کر ایک خدا کو نہ مانے جہاد سے ہاتھ
نہ روکا جائے تو حبش کو اس حکم سے بری کرنے کا اختیار نہ رسول علیہ السلام کو حاصل تھا نہ مسلمان
احکام قرآنیہ پر فرمان رسولؐ کو ترجیح دے سکتے تھے صحابہ کرام کی تمام ہمت فریضہ جہاد کی
بجا آوری میں صرف ہوتی رہی ہے۔ انکے بعد بھی اکثر جانبازوں نے اس حکم کی تعمیل کی ہے اور
خشکی اور تری میں دور دور پہنچے ہیں مگر بیچ میں گھرا ہوا حبش کا خطہ مسلمان نہیں ہے اور کوئی اُسکے سر پر
تلوار بلند نہیں کرتا تو وجہ یہی ہے کہ جہاد کا حکم انہی لوگوں کی نسبت ہے جو اپنا مذہب منوانے کے لئے
لوگوں پر جبر کرتے ہیں اور دین کو خدا کے واسطے اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتے یا ملک میں فتنہ
و فساد پھیلاتے ہیں اور خلق خدا کو تکلیف دیتے ہیں۔ یہی آیات قرآنیہ کا مطلب ہے۔ یہی تفسیر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے جبکہ حبش پر یورش کرنے سے منع فرمایا اور یہی طرز عمل صحابہ کرام کا رہا
ہے کہ مفسدین کو اطاعت پذیر ہونیکے بعد اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دیتے رہے ہیں
اور جہاں حبش کی طرح فتنہ و فساد نہیں ہے وہ ملک اپنے ہاتھ کے نیچے ہو جب بھی آزاد رہا ہے۔ اس
روش پر اشاعت اسلام کا نتیجہ خود بخود مرتب ہوتا گیا ہے اور جس کسی نے اسکے اصول پر ٹھنڈے
دل سے غور کیا ہے تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں دیکھا۔ بالخصوص جو ممالک فتنہ و فساد کی حالت
میں جان کنی کی تکلیفیں برداشت کر رہے تھے انھوں نے جن لوگوں کے ہاتھ سے امن و راحت کا مزہ
چکھا اور آرام کی نیند سوئے اُنکے مذہب کو جی جان سے اختیار کیا اور ایک، اور ہزار ہا اللہ
کہہ کر اسلام کی آغوش میں آنے لگے۔

باب ۱۳ سیزدہم

اسلامیوں کی خودکُشی

خودکشی کی سعی ، حسن دوروزہ کی جلوہ آرائی ، مذہب کے مفہوم میں مسلمانوں اور نامسلمانوں کا نقطۂ نظر
موجودہ تمدن کا میلان ، رفع فساد کی ضرورت ازمنہ گذشتہ وحالیہ میں ، غیر اسلامی روش کی
ہر دلعزیزی ، مسئلہ جہاد کی مختلف تاویلیں ، کامیاب مخالفت کی حد ، ناممکن التسخیر سورچے
انجام نیک ، سرانجام کار کا پروگرام ، بیگانوں کی خودکشی ، لامتناہی کوشش اور انجام عقوبت کے
مساوات عامہ ، دنیوی کامیابی بھی ناکامی ہے ، شیطانی حکومت کے بعد ربانی خلافت ،

خودکشی کی سعی اس تحریر کے باب نہم میں ذکر ہوا ہے کہ ہر طرح سے ادبار اور بدحالی میں مبتلا ہونیکے باوجود مسلمانوں کے اندر اقبال اور خوشحالی کے معراج تک پہنچنے کا امکان موجود ہی اور تین علامتیں ہیں جنسے ایسا یقین پیدا ہوتا ہی۔ اور یہ بھی ذکر ہوا ہی کہ اس وقت بیرونی خیالات سے متاثر ہوکر خود مسلمان اِن تینوں علامتوں کو نابود کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں اور اگر خدانخواستہ ایسی خودکشی کے ارتکاب میں کامیاب ہوگئے تو پھر اقبال اور خوش حالی کو ابدالآباد تک نہ پاسکیں گے ذکر ہوچکا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی پستی کا احساس ہے جسکو علامت نیک کہنا چاہیئے مگر پستی کو دور کرنے کی کوشش اُس طریق پر ہورہی ہے جو اسلامی نہیں ہے اور نیز پائدار بھی نہیں ہے۔ دوئم مسلمانوں کی قومیت اسلام پر مبنی ہے اور تمام دنیا کے مسلمان ایک دوسرے کے مددگار ہوسکتے ہیں۔ یہ بھی علامت نیک ہے۔ لیکن کوشش اس قومیت سے بیگانہ ہونے کی ہورہی ہے اور ہر دست ہر ایک نسل دوسرے سے جدا ہوکر ترقی کرنا چاہتی ہے۔ حالانکہ یہ ترقی بھی اگر ہوئی تو ناپائدار ہوگی۔ سوئم مسلمان ایک خاص روش پر کاربند ہوکر ترقی تک پہنچنے کا تجربہ کرچکے ہیں اور اُسکے اصول و قواعد اور شروط و لوازم پورے طور پر قید انضباط میں آچکے ہیں۔ تجربہ کرنے کی تمام کیفیت اور اُسکے نتائج اس خوبی سے

تحریر میں لائے جاچکے ہیں کہ سب حالات یقینی طور پر معلوم ہیں اور تفاصیل کا کوئی جزو مخفی نہیں ہے۔ اس مضمون کے بعد اس مختصر تحریر میں ترقی کے اصول وضوابط اور عمل وتجربہ کی بعض جزئیات کا ذکر ہوا ہے۔ صرف ایک جملے کا ذکر باقی ہے کہ ترقی کی اس روش کا پورا علم رکھنے کے باوجود مسلمان اسکو فراموش کرنا اور از خود ساختہ طریقوں پہ کاربند ہونا چاہتے ہیں۔ اپنی پہلی روش کا علم علامت نیک ہے مگر اسکو فراموش کرنے کی کوشش ایسا وبال ہے جسکو برداشت کردیا گیا تو خیر نظر نہیں آتی۔

حُسن دروزہ کی جلوہ آرائی

ہو جو کچھ رہا ہے ہمارے اپنے ادبار کا اثر اور اقوام غیر کی غلامی میں آنے کا نتیجہ ہے۔ ادبار کیحالت میں عقل زائل ہوجاتی ہے اور غلامی کے اندر آقاؤں کی ہر ادا دلکش نظر آنے لگتی ہے تو یہ نہیں سمجھ سکتے کہ بہار کا وقت گذرنے کے بعد خزاں اور اقبال کا زمانہ پورا کرنے کے بعد ادبار کا آنا ضروری تھا۔ جوانی کی غلط کاریاں بڑھاپے کو جلد پیدا کرتی ہیں۔ غلط کاریاں کم ہوں یا بالکل نہ ہوں جب بھی جوانی کو طول ہوسکتا ہے۔ بڑھاپے سے رہائی نہیں ملتی۔ ہم نے جو اقبال کا پورا زمانہ دیکھا ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ غلط کاریاں دیگر اقوام کی نسبت کم کی ہیں۔ آدمی اٹھتی جوانی میں غلط کاری سے بچے تو طبیعت مضبوط ہوجاتی ہے آئندہ بے احتیاطیاں بھی ہوں تو قوت جلد جواب نہیں دیتی۔ ہماری قوم اٹھتی جوانی اور آغاز اقبال میں پوری پاکباز رہی ہے۔ اسلئے پختہ عمر کو پہنچکر ادبار کی طرف آئی ہے۔ مگر ہم اس حقیقت کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ اقوام عالم کے جلدی جلدی اقبال وادبار کا جھولا جھولنے سے عبرت نہیں لیتے اپنے تئیں فی الحال پست دیکھتے ہیں۔ موجودہ اقوام کے عروج سے مرعوب ہوتے ہیں تو اپنے تئیں ذلیل سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ انکی روش میں جادو ہے اور ہمیں انہی کا شاگرد ہونا چاہیئے۔

مذہب کے مفہوم میں مسلمان اور نامسلمان کا نقطۂ نظر

نامسلمان کی کیفیت یہ ہے کہ انھوں نے مذہب کو اور اپنے طرز عمل کو دو جداگانہ چیزیں فرض کرلیا ہے۔ کوئی کسی چیز کو یا کسی ہستی کو خدا مانتا ہو اور کسی شکل میں کسی خاص وقت کے اندر اسکی طرف توجہ کرنے کی عادت رکھتا ہو تو اسکو مذہب کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انسانی دماغ کی ساخت ایسی ہے کہ ان میں سے اکثر کو ایک نادیدہ قوت کا سہارا

حاصل کرنیکے بغیر چین نہیں آتا۔ یہ سہارا لینے کا عمل مذہب ہے۔ انکی اس سے زیادہ حقیقت کچھ نہیں اور کاروبار کے وقت اس خیال کو دلیل لانے کی ضرورت نہیں کہ جنکا سہارا لیتے ہیں وہ ہمارے افعال سے خوشنود یا ناراض مند ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس اصول کو مان کر انھوں نے یقین کر لیا ہے کہ مذہب کا کام صرف اسقدر ہے کہ کسی محسوس یا غیر محسوس ہستی کو انسان کی گردن پر سوار سمجھکر ایک وقت میں اُسکے آگے جھکنے کا طریق بتادے۔ اسکے علاوہ اور جسقدر کام دنیا سے تعلق رکھتے ہیں انکی نسبت ہدایت دینے سے مذہب کو کوئی سروکار نہیں۔ پس مذہب کھانے پینے کے اندر حلال و حرام کی تمیز کیوں کرے۔ پیشے اور کسب میں جائز و ناجائز کا دردسر کیوں مول لے۔ تنزل سے نکلنے اور ترقی کرنے کے طریقے کیوں سکھائے۔ منافع کو حاصل کرنے مضرتوں کو دور کرنے کا رستہ کیوں دکھائے مختصر یہ کہ مذہب شریعت کیوں بتائے۔ ادھر مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ محرمات کے ارتکاب سے جسم کو کوئی مضرت پہنچے یا نہ پہنچے۔ کسی پر کسی طرح کا ظلم کرنے سے دنیا میں کوئی حرج ہو یا نہ ہو اور ظالم کو ظلم و ستم کی آزادی دینے سے یہاں کا انتظام بگڑے یا نہ بگڑے انسان کے اندر جسم کے علاوہ ایک روح بھی ہے اس قسم کے ہر ایک کام سے وہ تاریک ہوتی جاتی ہے۔ روح کو ایک آیندہ زندگی ملنے والی ہے جو براہ راست خدا کے نور سے ظہور پکڑے گی۔ تاریک روحیں خدا کے نور سے فیضیاب نہو سکیں گی۔ اور تکلیف اٹھائیں گی۔ مذہب کا یہ کام ہے کہ ظلمت کے تمام اسباب سے اجتناب کرنے کا حکم دے۔ اور روشنی حاصل کرنیکے تمام ذرائع کو کام میں لانے کے طریق بتائے پس محرمات سے بچنا چاہیئے عاقبت کے خیال سے۔ ظلم و جور سے محترز رہنا چاہیئے آنجہانی رنج و راحت کی نظر سے۔ اور ظالموں کو ظلم سے روکنا اور مظلوموں کی دادرسی کرنا چاہیئے آیندہ نتائج کے لحاظ سے یعنی ہر کام کو کرنا چاہیئے نور معرفت حاصل کرنیکے لیئے۔

موجودہ تمدن کا میلان مذہب کی نسبت ایسا خیال موجودہ تمدن کی گرفت سے باہر ہے وہ تمام قیدوں کو توڑنا چاہتے ہیں تمام بندشوں سے آزاد ہونا چاہتے ہیں مگر چوٹ ٹھکتی جگہ پر لگاتے مسلمان فتنہ پردازوں کے مقابلے میں سینہ سپر ہونا فرض جانتے ہیں۔ اس کام میں خطرات ہیں

کمزور طبیعتیں گھبراتی ہیں۔ پہلے زمانوں میں بھی جن لوگوں کو ظالموں نے وطن سے نکال دیا تھا اور غلام بنا لیا تھا۔ انکی اپنی درخواست پر جہاد کی اجازت دیگئی ہے تو وقت پر بہت کم لوگ تیار ہو سکے تھے۔ قرآن کریم میں یہ قصہ مذکور ہے اور فرمایا ہے:

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ (بقرہ پ ۲ ع ۲)

جب اُنپر جہاد فرض ہوا تو سب منہ پھیر گئے صرف تھوڑے میدان میں آئے۔ خدا ظالموں کو خوب جانتا ہے

اور انہی پر منحصر نہیں ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے۔ آغاز اسلام میں جہاد کا حکم ہوا ہے تو منافقین کو ناگوار گذرا تھا۔ ارشاد ہے:

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ (نساء پ ۵ ع ۱۱)

جب اُنپر جہاد فرض ہوا تو ایک گروہ انسان سے ڈرنے لگا جیسا خدا سے ڈرنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف زدہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ یا الٰہی ہمپر جہاد کیوں فرض ہوا کیوں کچھ اور مدت مہلت نہ دی۔

آج بھی اسی انسانی کمزوری سے فائدہ اُٹھایا جا رہا ہے اور مذہب سے برگشتہ کرنیکے لئے سب سے بھاری اعتراض فریضۂ جہاد پر وارد کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مذہب کو تلوار سے کیا سروکار۔ جذبات سے اپیل کرنا عقل کو مغلوب کرنے میں ہمیشہ موثر ہوا ہے جس کام میں تکلیف ہو اُسکی مذمت کیجائے تو طبیعت خوش ہو کر تائید کو آمادہ ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی یہی نتیجہ برآمد ہوا ہے۔ ہر طرف سے تحسین مرحبا کی آوازیں آنے لگی ہیں۔ مذہب کی ایک گرفت کو توڑنے میں کامیابی ہوئی تو آیندہ کے لئے دروازہ کھل جائیگا۔ جب ظلم کو روکنے سے مذہب کو سروکار نہیں تو شراب پینے یا نہ پینے سے مذہب کو کیا سروکار۔ تعلقات زناشوئی سے مذہب کو کیا واسطہ۔ قماربازی اور دیگر محرمات کو ترک کرنے سے مذہب کا کیا فائدہ۔ اگر مظلوموں کی فریادرسی مذہبی فریضہ نہیں تو اوامر و نواہی کی تعمیل کیوں فرض ہوگی۔ مدعا ہر قسم کی آزادی ہے۔ فریضۂ جہاد کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ اور اسکی تردید اس شد و مد سے اور اس کثرت سے کیگئی ہے گویا معاذ اللہ اسلامی تحریک کے غلط ہونے کا ثبوت ہی اس مسئلے کو سمجھا گیا ہے

رفع فساد کی ضرورت ازمنۂ گذشتہ و حالیہ میں | حالانکہ جہاد کی فرضیت پیغمبر عرب علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی ایجاد نہیں ہمیشہ اس فریضے کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ہندوستان میں مہابھارت کی جنگ سری کرشن جی مہاراج کی ترغیب تحریص سے ظالموں کو سزا دینے کے لیئے ہوئی۔ رامائن کا تمام واقعہ سری رامچندر جی کے مبارک ہاتھوں سے جباروں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیئے ظہور پذیر ہوا۔ بنی اسرائیل کی یکہ تازیاں اسی فریضے کی بجاآوری میں ہوتی رہیں۔ جناب مسیح علیہ السلام کی زندگی میں اسکا سامان نہیں ہوا۔ اور آنجناب کی تعلیم میں اسکا ذکر نہیں مگر مسیحی مقتداؤں نے جب کبھی اپنی غرض کو پورا کرنا چاہا ہے اس فریضے کی حقانیت سے کام لیکر جہاد کا فتوے دیا ہے اور آج کے زمانے میں بھی جو نبرد آزمائیاں ہوتی ہیں ان میں کبھی فی الواقع ظالموں کو سزا دینے کا فرض ادا کیا جاتا ہے اور کبھی کوئی اور فائدہ مدنظر ہوتا ہے۔ جب بھی کسی کے فرضی مظالم کو تشہیر دیکر فوج کشی کی ضرورت ثابت کیجاتی ہے۔ ہوتا سب کچھ ہے جو پہلے ہوتا رہا ہے مگر اب ہر ایک بھلا او برا کام اپنی اغراض کے لیئے کیا جاتا ہے۔ اور جس قسم کی ضرورت ہو اُسکے حسب حال وجوہ و دلائل ایجاد کرلیجاتی ہیں۔ مذہب کا حکم مانا جاتا تو ہر وقت اُن شرائط کا لحاظ رکھنا پڑتا جو جہاد کے لیئے مذہب کی طرف سے مقرر ہیں۔ اور مذہب کو مانکر کبھی اپنی غرض درمیان میں نہ ہوتی جب بھی جہاد کرنا پڑتا اور کبھی غرض جنگ سے وابستہ ہوتی مگر شرائط موجود نہ ہوتیں تو ہاتھ کو روکنا پڑتا۔ اس پابندی سے نجات پانے کی صورت یہی تھی کہ اپنی اغراض کو مذہب سے وابستہ نہ رکھا جائے اور تلوار اُٹھانے کا کام اپنے اختیار میں لیکر محض اپنی ضرورتوں کو جنگ کی شرط قرار دیا جائے اور ایک خواہش کے لئے مذہب کو معطل کر نیکے بعد اور خواہشوں کی بجاآوری میں آزاد ہونے کا رستہ کھولا جائے۔ چنانچہ موجودہ تمدن کو اس مدعا میں پوری کامیابی حاصل ہوئی ہے اور مذہب کے تقدس کا واسطہ دیکر جنگ کے ہیبتناک مناظر سے خوف زدہ کیا ہے تو توریت، انجیل، اور کرشن گیتا سب پر ایمان رکھنے والوں کی زبان سے متفقہ فیصلہ صادر کرا دیا ہے کہ تلوار اٹھانے کا حکم جاری کرنا اور کشت و خون کی اجازت دینا مذہب جیسی مقدس تحریک کا کام نہیں یعنی مظلوموں کی فریادرسی کے واسطے مذہب میں کوئی ہدایت موجود نہیں

غیر اسلامی روش کی ہر دلعزیزی

مسلمان تمام اطرافِ عالم کے اندر ادبار اور اُسکی نحوستوں کی زنجیر میں گرفتار اور عقل سلیم سے عاری ہو چکے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ موجودہ تمدن کا ڈنکا تمام دنیا میں بج رہا ہے۔ اسکی عظمت جلال کا رعب ہر فرو بشر پر مسلط ہے۔ مہذب اقوام تمام جہان پر قابض اور ہر مقصد میں کامیاب ہیں۔ انکے علوم و فنون کے ثمرے اور اُنکے آئین و قوانین کے نتیجے انکے لیئے ہر گونہ راحت و آرام کے کفیل ہیں اور جسقدر مادی فوائد خیال میں آسکتے ہیں انکی گرفت سے باہر نہیں ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ جس میدان میں وہ راہ سپار ہیں اسکے سوا کوئی اور میدان نہیں اور جس کامیابی سے وہ دوچار ہیں اُس کو زوال کا اندیشہ نہیں اور جس طرح اُنکے فیصلے مادی دنیا کے تمام معاملات میں ناطق ہیں اسیطرح روحانی دنیا کی نسبت بھی وہی صائب رائے قائم کر سکتے ہیں پس جو کچھ وہ کرتے ہیں صحیح ہے اور جو کہتے ہیں حق ہے۔ وہ اس زمانے کے داناؤں سے سُنتے ہیں کہ فلسفی ہمیشہ فلسفی نہیں ہوتا۔ اور بعض اوقات وہ ایسی غلطی کرتا ہے کہ نادان بھی خندہ زن ہوتے ہیں اور جس فن سے شناسا نہیں ہوتا انہیں کبھی صحیح مشورہ نہیں دے سکتا۔ انھیں قرآن کریم آگاہ کرتا ہے کہ روحانی معاملات میں غلطی کرنے والے مادی کاروبار میں کامیاب ہو جائیں تو دھوکا نہ کھانا اس سیمیائی نمود کی کوئی حقیقت نہیں اور ایسی کامیابی سے دائمی راحت میسر نہیں آسکتی :

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ (آل عمران پ ۴ ع)

مگر وہ اس قرآنی تنبیہ سے اور عقلائے عالم کے نصائح سے عبرت پذیر ہونے کی قابلیت کھو چکے ہیں اور دل سے یقین رکھتے ہیں کہ جو اس وقت کامیاب ہیں وہ ہمیشہ کامیاب رہیں گے اور جو ایک فن میں ماہر ہیں وہ ہر فن میں رہنما بن سکتے ہیں۔ ہماری غلامانہ ذہانت نے اُنکی نشست و برخاست اور وضع و قطع ہر چیز کو دلکش بنا دیا ہے تو اُنکے خیالات سے متاثر کیوں نہ ہوں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ زمین پر رہنے والے آسمان پر حکومت کرنے لگے ہیں۔ اور جسمانی ظلمتوں میں بھٹکنے والے روحانی روشنی سے واقف ہو گئے یعنی مہذب اقوام کو دنیا کی کامیابی نے دین کا رستہ دکھا دیا ہے۔

مسئلہ جہاد کی مختلف تاویلیں | غرض مسلمانوں کا جو طبقہ اپنے تئیں روشن خیال کہتا ہے

وہ موجودہ تمدن پر فریفتہ ہوکر مذہبی گرفت کو ڈھیلا کرتا جاتا ہے۔ اور اس امر پر بالخصوص سب نے اتفاق کرلیا ہے کہ مذہب اور تلوار کا کوئی رشتہ نہیں۔ اسکو مان کر اسلام سے قطع تعلق کر لیتے تو کوئی دشواری نہ تھی۔ مذہب سے برگشتہ ہوکر مذہب کو ہدف ملامت بنانا تعجب انگیز اور حسرت خیز نہیں ہے مگر نور ایمان بھی ایسی چیز ہے کہ کسی دل میں در آئے تو آسانی سے نکل نہیں سکتا وہ اسلام سے برگشتہ ہونے اور دین ہارے سے بغاوت کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوسکتے۔ اس کانگریس کے اندر رہکر ایک علیٰحدہ پارٹی بناتے ہیں جسکو اسلامیوں کے بہت سے مسلّمات سے اختلاف ہے۔ اور پوری قوت سے اُنکی تردید میں مصروف رہتے ہیں۔ مہذب قومیں مذہب سے آزاد ہونے کے باوجود مذہب کا احترام ملحوظ رکھتی ہیں۔ اور عام محفلوں میں سیاسی اور مذہبی امور کا ذکر خلاف تہذیب سمجھتی ہیں مگر ہمارے روشن خیال بزرگوار تہذیب جدید کی حمایت پر آمادہ ہوتے ہیں تو جذبۂ وفا شعاری سے ایسے از خود رفتہ ہوجاتے ہیں کہ کسی مجلس میں اداۓ فریضہ سے غافل نہیں رہتے اور جہاں بیٹھتے ہیں اسلامی مسائل کی قطع و برید سے اپنے تئیں معاف نہیں رکھ سکتے۔ لیکن طرفہ تماشا یہ ہے کہ اکثر متفق علیہ مسائل سے اختلاف کرنے میں دلیر ہوتے ہیں مگر خود بھی کسی ایک اصول پر متحد نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ ان سب نے مسئلہ جہاد پر غور کیا ہے تو ہر ایک نے جدا راستہ اختیار کیا ہے۔ صحابہ کرام کی یورشوں کو مذہب سے جدا کردیا ہے۔ عہد رسالت کی نبرد آزمائیوں سے انکار نہیں ہوسکا تو بعض نے مختصر سا جواب دے کر ٹالنا چاہا ہے کہ وہ دشمن کے حملوں کا جواب تھا۔ مگر تمام واقعات اس بنیاد پر حل نہیں ہوسکے اور جو یورشیں کسی قوم کے فتنہ و فساد کو مٹانے کے لیئے کی گئی ہیں اُنکو حملۂ دشمن کا جواب نہیں کہہ سکتے۔ طبیعتیں غور و تامل میں مصروف رہی ہیں اور دوسرا حل یہ پیدا کیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں منکرین پر کسی نہ کسی طرح کا ارضی یا سماوی عذاب آیا کرتا ہے۔ نبی عرب علیہ السلام کے وقت میں تلوار کا عذاب آیا۔ جو اس وقت سے مخصوص تھا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے منسوخ

ہونے کا ثبوت دشوار ہے۔ اور کام جس شکل میں شروع ہوا ہے اُسی شکل میں اور اُنہی شرائط کے ساتھ عہد نبوت کی آخری ساعت تک اور اُسکے بعد بھی جاری رہا ہے۔ حل کی ایک اور شکل ایجاد ہوئی ہے اور جن بزرگواروں نے اپنے تقدس کو منصب نبوت تک پہنچایا ہے۔ اُنکی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ حکم جہاد کی میعاد ہمارے وقت تک تھی آیندہ یہ فریضہ اسلامیوں پر عائد نہیں رہا اور مذہب اسلام زمانۂ حال میں اس داغ سے پاک ہو گیا ہے۔ یہ جہاد سب مسلمانوں پر چل جاتا تو کام ختم ہو جاتا اور غور کرنے والے اس کاوش سے نجات پاتے مگر ایسا نہ ہو سکا کسی اور حل کی تلاش رہی آخر فیصلہ کیا گیا کہ نبی بشریت سے پاک اور غلطی سے مبرا نہیں ہو سکتا۔ اُس کا قول و فعل سند نہیں احکام اسلام کی تحقیق اس قید و بند سے آزاد ہونی چاہیئے۔ یہ بزعم خود سب سے کاری ضرب لگائی گئی ہے۔ اور مادی عقل و شعور چونکہ اپنے اختیارات کو ہر میدان میں وسعت دینے کا آرزومند ہے اس نظریئے کے مقبول ہونیکی امید سب سے زیادہ ہے اور یہی وہ کوشش ہے جو عروج اسلام کی تیسری علامت کو نابود کرنیکے لیئے ہو رہی ہے۔ ان مختلف خیالات میں سے جو قبولیت عام حاصل کرے گا اسلامیوں کی پستی اور زیردستی پر ایسی مُہر لگا دے گا جو کبھی ٹوٹ نہ سکے گی۔

کامیاب مخالفت کی حد غرض یہ بھی ایک جہاد ہے جو اسلامی دنیا میں جہاد کے خلاف ہو رہا ہے۔ جنگ دو سردارد۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ فتح کسکو ہوگی۔ ایک طرف روشن خیال طبقہ ہے۔ دوسری جانب تمام احکام اسلام کو من وعن ماننے والا گروہ بھی موجود ہے۔ روشن خیال طبقہ اپنے حریف کی ہر دلعزیزی اور قوت سے ناآشنا نہیں ہے وہ اُسکو مغلوب کرنے کی ہر ممکن تدبیر عمل میں لا رہا ہے۔ داعیان مذہب کے اثر کو دور کرنے کی سعی عرصہ دراز سے ہو رہی ہے اور تعلیم یافتہ گروہ میں اُنکی تنگ خیالی۔ سفاہت اور نادانی کی تشہیر کیجا رہی ہے اور اُسکو منضبط شکل میں لانیکے لیئے انٹی مُلا لیگ وغیرہ منتظم جماعتیں مصروف کار ہوتی جاتی ہیں مگر استقلال کے ساتھ کسی کام کو جاری رکھنا مسلمانوں کے ہر طبقے میں مفقود ہے۔ جماعتوں کی تنظیم ہر کام کیلئے

ہو رہی ہے مگر نام کے بعد کام کا موقع بہت کم ملتا ہے۔ تاہم اِسقدر یقین ہے کہ اگر کبھی موجودہ کوششیں سرسبز ہوئیں اور داعیان مذہب کو بدنام کرنے کی ناموری حاصل ہوگئی تو یہ ایک نمایاں فتح ہوگی اور احکام اسلام کی اشاعت کا کام رک جائے گا اور جہاد کے خلاف جہاد کرنے والے ایک مورچہ فتح کرلیں گے۔ مگر کام بہت بڑا ہے۔ قرآن کریم نے تمام احکام کو نہایت صاف اور روشن الفاظ میں پیش کیا ہے۔ مذہب کے دفاتر ضخیمہ احکام کے شروط ولوازم اور وجوہ ومصالح کو تحریر میں لانے سے قاصر نہیں رہے۔ دوسرے مورچے پر ان سب کو نابود کرنے کی مہم درپیش ہے۔ قرآن کریم کی نسبت کسی ایسی بے ادبی کی جرأت نہیں ہوسکتی صرف یہ آرزو کرتے سنے گئے ہیں کہ قرآن کے سوا تمام دفاتر اسلام کو دریا بُرد کردینا چاہیئے محض آرزو کرنے سے مطلب برآری نہیں ہوسکتی۔ لیکن اگر کبھی یہ تمنا پوری ہوئی اور اسلامی کتب خانے نذر آتش کر دیئے گئے تو دوسرا مورچہ بھی تسخیر ہوجائے گا۔ قرآن موجود رہے گا۔ مایہ مہربانوں کو اسمیں تاویل کرنے کی پوری مزاولت ہے۔ واضح الفاظ سے مخفی مطالب نکالے جاسکتے ہیں اور نکالے جا رہے ہیں۔ پھر بظاہر کوئی دشواری باقی نہ رہیگی۔

ناممکن التسخیر مورچہ | یہ سب کام غیر اغلب ہے ناممکن نہیں۔ قوم اپنی ہے اپنے موجودہ روش پر تعلیم دی گئی اور مذہب نا آشنا رکھا گیا تو اپنے لیڈروں کی قیادت میں مذہبی دیوانوں سے بدگمان اور مذہبی لٹریچر کو تباہ کرنیکے لیئے آمادہ ہو سکے گی۔ مگر اِسکا علاج سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمانوں کے تمام گذشتہ اور موجودہ حالات تاریخ نے اپنے آغوش میں لے لیئے ہیں اور اغیار کی بہت بڑی جماعت ہر زمانے میں اُنکی تشہیر و اشاعت کرتی رہتی ہے۔ حالات کے ضمن میں احکام مذہب اور بالخصوص احکام جہاد بہت بڑی تفصیل سے مذکور ہوتے رہتے ہیں اِس کام کو مخالفین اسلام بدنما رنگ میں پورا کرتے ہیں تو تاریخ کو محض مؤرخانہ نظر سے دیکھنے اور پیش کرنے والے بھی ہمیشہ موجود رہتے آئے ہیں۔ گذشتہ واقعات کو روشنی میں لانے کے لیئے فن تاریخ اور اقوام غیر کا لٹریچر ضرورت سے زیادہ سامان رکھتا ہے۔ اسکے ساتھ قرآن کریم بھی موجود رہے گا اور اسکی زبان کو سمجھنے والے پیدا ہوتے رہیں گے تو ممکن نہیں کہ

قرآن کا وہ مطلب جو عہد رسالت کے واقعات پر منطبق ہوتا ہو سمجھ میں نہ آئے۔ یہ ایسی مزاحمت ہے۔ جس پر ہمارے مجاہدین قلم گمان غالب ہو کہ غالب نہ آسکیں گے۔ اس لیئے سر دست یہی کہنا چاہیئے کہ :-

انجامِ نیک | جب تک صحیفۂ ربانی محفوظ ہے اور جب تک اسلام کے سادہ احکام اور اُن کے شروط و لوازم کی تشریح و توضیح کرنے کا کام قدرت اپنے بندوں کے ہاتھ سے لے رہی ہے اور جب تک اسلام کے کارنامہ ہائے عظمت و جلال کا ذکر اوراق تاریخ کو مزین کرتا ہے وہ پھر کیسے ہی اندرونی اور بیرونی حملے ہوتے رہیں اسکے کسی ایک مسئلے کو بھی دنیا سے نابود اور اذہان سے فراموش نہیں کر سکتے۔ اگر یہ قیاس صحیح ہو تو تنزل کے بعد عروج کی طرف جانے کے لیئے جو صائب تدبیریں اور یقینی وسائل اسلامی تعلیم میں موجود ہیں وہ اس قوم کو ہمیشہ اپنی حالت کے بدلنے اور پستی سے نکلنے کے لیئے ترغیب دیتے رہیں گے۔ آج مسلمان ترقی کے آرزومند ہیں۔ اسلیئے کہ وہ دیگر اقوام کو ترقی کی طرف جاتے دیکھتے ہیں۔ اس ترغیب سے رستہ بھی وہی اختیار کرتے ہیں جس پر اغیار گامزن ہیں۔ اسلام کی اپنی ہدایت سے حرکت پر آمادہ ہونگے تو اُس رستے کو بھی دیکھنے سے محروم نہ رہینگے جو اسلامیوں سے مخصوص ہے۔ آجکل وہ اغیار سے سبق لیتے ہیں تو قومیت کو بھی انہی کے سانچے میں ڈھالکر ترک ترکوں سے اور ایرانی ایرانیوں سے سروکار رکھتے ہیں۔ نور اسلام سے روشنی لیں گے تو مشرقی اور مغربی اور کالے اور گورے سب بھائی نظر آنے لگیں گے اور ایک فرد کا رشتہ تمام افراد سے اور ایک خطے کا تعلق تمام دنیا سے معلوم ہو جائے گا۔ فی زمانہ وہ اپنے کام کو شروع کرنا چاہتے ہیں تو موجودہ حکومتوں سے آزاد ہو کر اپنے اپنے علاقے میں اپنی نفسانی خواہشیں پوری کرنے کو مدعا قرار دیتے ہیں۔ احکام ربانی پر کاربند ہوں گے تو اپنی تمام خواہشوں کو مشیئت ایزدی پر قربان کر دینگے اور بندگان خدا کو ظالموں کے ظلم سے نجات دلوانے کے سوا کوئی مدعا پیش نظر نہ رکھیں گے۔ آجکل وہ کسی ایک نظام میں منسلک ہونا چاہتے ہیں تو کسی رہنما اور لیڈر کی تلاش میں وقت ضائع کرتے رہتے ہیں جو انکو نمونہ بن کر

دکھلائے۔ خدائی نظام میں منسلک ہونے پر آمادہ ہوں گے تو اُنکو کسی ولیرا اور کسی گاندھی کی
ضرورت نہ ہوگی۔ اُسوۂ رسول علیہ السلام ہر حال میں رہنمائی کے لیئے پیش نظر رہیگا۔

سرانجام کار کا پروگرام | یہ مبارک وقت آئے گا تو اُنکے مکتب کا پہلا سبق یہ ہوگا کہ دنیا کی
جس نعمت کو ہر چند وہ کیسی ہی ارفع و اعلیٰ ہو حاصل کرنے کی تمنا کی جائے وہ دور بھاگتی ہے اور اسکی
طرف سے استغنا کیا جائے تو خود قدموں میں گرتی ہے۔ پس وہ دنیوی آزادی کو بھی اپنا مدعا قرار نہ
دیں گے جس کے لیئے مقاطعہ جوعی کرنا پڑے یا سول نافرمانی کی ضرورت ہو۔ وہ بقول مسیح علیہ
السلام کے قیصر کا قیصر کو دیتے رہیں گے اور خدا کا خدا کو۔ اِس طرف سے بالکل بے تعلق ہو کر پہلا
قدم جو اُٹھائیں گے وہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنے کا ہوگا۔ اپنی ذات کا امتحان لیں گے
اپنی خواہشوں کی آزمائش کرینگے اور جس قدر بدی اور بدراہی اپنے اندر پائیں گے اُسکو دفع کرنے
کی مشق کریں گے اور جب تک غار حرا میں چلہ کھینچنے والے (صلوات اللہ علیہ) کی طرح اپنے تئیں کندن
نہ بنالیں گے اور جب تک تمام طاغوتی خواہشوں پر غالب نہ آجائیں گے گردوپیش کو آنکھ بھر کر نہ
دیکھیں گے۔ اس معرکے میں فتحیاب ہوں گے اور نفس سرکش کو زیر کریں گے تو اپنا نمونہ اوروں
کے سامنے پیش کریں گے۔ کام کریں گے جس سے دوسروں کو راحت ملے بات کریں گے جو اُنکے
دل میں بیٹھے۔ جو موافقت کریں گے اُنکو اس کام میں مصروف ہونے کی ترغیب دیں گے۔ جو
مخالفت کریں گے اُنکی ہوا خواہی سے دست بردار نہ ہوں گے۔ اُنکی ایذاؤں کا جواب نہ دیں گے۔
متبعین پر حکومت نہ جتائیں گے۔ بھائیوں کے بھائی بن کر رہیں گے۔ سرکشی دیکھیں گے تو سلام
کہہ کر جدا ہو جائیں گے پھر موقع پائیں گے تو کوئی دل کو چھیدنے والا محبت کا تیر چلا دیں گے
ناکامیوں سے مایوس نہ ہوں گے۔ عداوتوں سے رنجیدہ نہ ہوں گے۔ آزادی کی خواہش ہی نہ
ہوگی کہ ناکامی مایوس کرے۔ حکومت کا مدعا نہ ہوگا کہ سرکشی پر غصہ آئے۔ مدعا ہوگا نیکی کا حصول
اور نیکی پھیلانے کی کوشش۔ اس غرض کو ادا کرتے رہیں گے تو سرکشی دیکھکر بھی اپنے تئیں کامیاب
سمجھیں گے۔ آزمائشیں ہوں گی۔ مصیبتیں آئیں گی۔ نصرتِ ربانی آنے میں دیر کرے گی۔

ہوا جس نفسانی دل میں وسوسے ڈالیں گے۔ یہ وقت بہت نازک ہوگا اور عزم و استقلال کا
سخت امتحان لیا جائے گا۔ لیکن اگر پائے ثبات کو لغزش نہ ہوئی اور کام میں سستی نہ کی۔ اور اگر
رضائے الٰہی کے سوا کوئی اور مدعا دل پر غالب نہ آیا۔ نہ کوشش کو ترک کرنے کی خواہش ہوئی نہ
مخلوق سے خراجِ تحسین وصول کرنے کی آرزو کی تو دیکھیں گے جن کے غلام ہیں وہ خود غلامی میں
آنے کے مشتاق ہیں۔ اور جو دور ہیں وہ پاس بلانے کے آرزو مند ہیں۔ دونوں میں سے سعادت
جس کی یاوری کرے گی سبقت لیجائے گا۔ یا اہلِ وطن غلام کو عزیزِ مصر کا منصب دیں گے یا اغیار
غار میں پناہ لینے والے کو اپنا سرتاج بنائیں گے۔

بیگانوں کی خویشی | جنگ آزادی میں مقاطعہ جوعی اور مقاومت مجہول کے ہتھیاروں سے
دشمن عاجز ہوتا ہے اور اُسکے ہاتھ تھکتے ہیں مگر دل میں دونوں طرف عداوت کی آگ بھڑکتی رہتی
ہے اور چونکہ آزادی کے پروگرام میں اصلاحِ نفس اور تربیتِ اخلاق کو کوئی اہتمام نہیں دیا جاتا اور
کام کی بنیاد ہی خویش و بیگانہ کی تفریق پر رکھی جاتی ہے اور ایک کا غلبہ مٹا کر دوسرے کو
فوقیت دینے سے غرض ہوتی ہے۔ اس لیئے اگر اسکے اکثر کارکن آیندہ جاہ و حشمت حاصل کرنے
کے خیال سے تکالیف برداشت کرنے کے لیئے تیار ہوتے ہیں تو اُسی قوم کے بعض افراد حکام
رسی کے فخر اور مال و منال کی ہوس میں غداری پر بھی آمادہ رہتے ہیں اور دشمن اُنکو آلۂ کار بنا کر کئی
قسم کی کامیابیاں حاصل کرتا اور کئی طرح کی سازشیں کرتا رہتا ہے۔ اور دیکھا جاتا ہے کہ تمام آزاد ممالک
میں قوم پرست اور شاہ پسند افراد ہمیشہ ایک دوسرے کے درپے آزار رہتے ہیں۔ اور آزادی حاصل
کرنے کے بعد بھی امن و اطمینان سے ہم آغوش نہیں ہوتے۔ مسلمان اگر ایسی رستے پر چلیں گے
تو اسی طرح اپنے دل میں نفرت اور دشمن کے دل میں عداوت کا تخم بونے کے مرتکب ہونگے لیکن
اگر اپنی عظمت و برتری کے خیال سے نا آشنا رہ کر محض صداقت و راستی کا علم بلند کرینگے تو انجام کار
دشمن کے دل پر فتح پائیں گے اور کشمکش کے جذبات کو مٹا کر ایک کو دوسرے سے متحد اور یکجان
بنادیں گے۔ اور کچھ عرصے کے بعد دیکھیں گے کہ جو لوگ نورِ حق کو ترد کرتے ہیں کوشش کا کوئی دقیقہ

فروگذاشت نہ کرتے تھے وہ خود باطل کی تاریکیوں کو مٹانے میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتے ہیں۔

لامتناہی کوشش اور انجام عفو پر

آزادی کو مدعا قرار دینے والے عروس تمنا سے ہم آغوش ہوتے ہیں تو بادۂ غرور کا نشہ سے مدہوش ہو کر اپنے قوت کی نمائش کرنے کے سوا اور کسی فرض کا احساس کرنے کے قابل نہیں رہتے اور اپنی قید و بند توڑنے کے بعد آگر ملامت روی اختیار کرتے ہیں تو بیرونی دنیا کے گرفتاران بلا سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ یا اپنی گذشتہ بیکسی کو بھول کر موجودہ اقتدار پر مغرور ہوتے ہیں تو دنیا کی بھیڑوں کو بھیڑیوں کے پنجے سے چھڑا کر خود بھیڑیا بنتے ہیں اور اُنکے گلے پر چھری رکھتے ہیں۔ مگر راستی کے علمبردار اپنی محنت کا لازمی نتیجہ دیکھیں گے اور بغیر طلب کوشش کے آزادی کی نعمت سے بہرہ اندوز ہوں گے تو بقدر محنت اپنے اوپر اور گوناگون فرائض کا بار محسوس کریں گے۔ وہ بے کسی اور مجبوری کے اندر راستی کی اشاعت سے باز نہیں رہے تو قوت حاصل کرنیکے بعد اپنے تمام وسائل کو حق کی آواز اور زیادہ بلند کرنے پر مبذول کر دینگے۔ اور اگر پہلے اپنے ہم وطن سرکشوں کا ظلم برداشت کرتے رہے ہیں تو اب اپنے سینے کو تمام سرکش دنیا کے تیروں کا نشانہ بنائیں گے۔ اور جس مصیبت کے پہاڑ کو وطن میں کاٹتے رہے ہیں اُس سے بہت بڑے بڑے پہاڑوں کو اکھیڑنے کے لیے جہان میں پھیل جائیں گے۔ اور جب تک دنیا قائم ہے اور جب تک دنیا کے اندر حق و باطل کا تصادم موجود ہے اُنکے فرائض ختم نہ ہوں گے۔ وہ صعوبتوں سے نجات نہ پائیں گے۔ مگر یاد رہے کہ اُن کا منتہائے نظر سرکشی کو مٹانا ہوگا سرکشوں کی ذات سے عناد نہ رکھیں گے۔ ظالموں کو بیکسوں پر ظلم کرنے سے روکیں گے۔ اور اگر اُن کو نابود کرنے کے بغیر چارہ نہ ہوگا تو اس مقدس غرض کے لئے تلوار بلند کرنے سے گریز نہ کریں گے۔ مگر تسلط جمانے اور ظلم کی طاقت سلب کرنے کے بعد اپنے ہادی و رہنما (صلوات اللہ علیہ) کے قول و فعل کے مطابق ظالموں کو معاف کرنیکے لیے محض بہانے کے منتظر رہیں گے اور جباروں کی گردن ذرا جھکی دیکھیں گے تو لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ

کھکر چھاتی سے لگالیں گے اور اپنے فعل سے نادم ہونے والوں کی طرف تیز نظر سے دیکھنا بھی جائز نہ سمجھیں گے۔ یہ ہوں گے وہ امن کے شہزادے جو تلوار سے ڈرائیں گے اور محبت کے تیر سے گھائل کرینگے۔ نبرد آزمائی کو اُٹھیں گے اور میدان ہائے کارزار میں مجالس احباب منعقد کریں گے۔

مساوات عام آزادی کی جدوجہد کرنے والے اپنی قوم پر غیر کا تسلط کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر رستی پر فدا ہونے والے صلاحیت دیکھیں گے تو اپنے غلاموں کی اطاعت کرنے میں تامل نہ کرینگے۔ انسانی مساوات کے مسئلے پر کاربند ہونے کے زمانے میں جناب فاروقؓ اعظم جیسے مقتدر خلیفہ کو حسرت کے ساتھ فرماتے ہوئے سنا گیا ہے کہ حذیفہ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو میں اُسکو اپنا جانشین بنانے کی وصیت کرتا۔ اس مقدس تعلیم کا اثر شاہی فرمانروائی پر مفتون ہونے کے بعد بھی تمام ممالک اسلامیہ میں دیر تک ایسا موجود رہا ہے کہ اکثر فاتحین اعظم کے بعد اُنکے غلام اور پھر غلاموں کے غلام تخت شاہی پر متمکن ہوتے رہے ہیں اور فاتح قوم نے بطیب خاطر اُن کی اطاعت کی ہے۔ مسلمان ان جذبات کو لیکر اُٹھیں گے تو اُن کی نظر صلاح وتقوے پر ہوگی۔ اہلیت وکارروائی پر ہوگی۔ خاندان اور نسل کی خویشی وبیگانگی اُنکے زاویہ نگاہ میں سما نہ سکے گی اور کسی انسان کو فلاں ابن فلاں ہونے کی وجہ سے اوروں سے برتر سمجھنے کی کور باطنی اُنکو مساوات عام کے روشن رستے سے بھٹکنے نہ دے گی۔

دنیوی کامیابی بھی ناکامی ہے اسلامیوں کو یہ سبیل کار بتایا گیا ہے اور یہ پالیٹکس سکھایا گیا ہے۔ اسکا پروگرام احکم الحاکمین کے دربار میں تجویز ہوا ہے اور برگزیدہ انسانوں کے ہاتھ سے عمل میں آیا ہے۔ کمال خوبی میں ثانی نہیں رکھتا۔ فوری اور اعلیٰ نتائج پیدا کرنے میں ناکام نہیں رہ سکتا اور جس عظمت وجلال تک پہنچاتا ہے وہ بعد میں کوتاہیاں کرنے کے باوجود بھی قرنہائے دراز تک قائم رہتا ہے اور ایک نسل کی سی سالہ جدوجہد اُسکے لیئے بقائے دوام اور آنے والوں کے لیئے ہزار سالہ عیش وآرام مہیا کرتا ہے۔ مسلمان عروج کی پوری میعاد ختم

کرنے کے بعد گر رہے ہیں معلوم نہیں اُن کے تنزل کی میعاد کس قدر ہے۔ یہ یقینی ہے کہ جب تک تنزل کا
دور ختم نہ ہوگا صحیح رستے پر گامزن نہ ہو سکیں گے یا یوں کہنا چاہیئے کہ جب تک صحیح رستے پر
گامزن نہ ہوں گے تنزل کے دور کو ختم نہ کر سکیں گے۔ اس اثنا میں اغیار کی ترقی پر رشک
کرتے رہیں گے۔ اُن کی ہمدوشی پر رہ سپار ہونے کے لیئے ساعی رہیں گے مگر کبھی کامیاب نہ ہونگے
کیونکہ اپنی حیثیت کو ترقی دینے اور اپنی حالت کو بہتر بنانے کے جس قدر اعلیٰ سے اعلیٰ طریقے
دنیا میں ایجاد ہوتے جاتے ہیں اُسی قدر حریف کو نقصان پہنچانے اور اُسکے مال و منال کو
غصب کرنے کے ڈھنگ بھی عجیب سے عجیب پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ دنیوی ذرائع سے جو سیاسی
ترقی میسر آسکتی ہے۔ اس میں مزاحمت کرنے اور ناکام رکھنے کے طریق بھی دنیا کو خوب معلوم
ہیں۔ کمزور اپنی حالت کو درست کرنا چاہتا ہے تو زبردست اُس کی ایسی رکاوٹیں ڈالتا ہے جو وہم و
گمان سے باہر ہوں۔ مسلمان اہل دنیا کی محفل میں دخل پانا چاہیں گے تو حریف جو تمام در و بام
پر قابض ہیں انھیں در آنے کی مہلت نہ دینگے۔ ہمراہی جو زبردست ہوں گے انھیں پیچھے
دھکیل کر خود آگے بڑھیں گے۔ اس کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد کوئی ایک نسل یا
ایک علاقہ کسی منزل کو پہنچ جائے گا تو شیرازہ منتشر ہونے کی وجہ سے دوسروں کو اُس کی
ذات سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اور نیز نسلی اور ملکی امتیازات کے ساتھ جو ترقی ہوگی اگر اپنی اپنی
جگہ سب کو میسر آئے جب بھی مسلمان وہ دریا ہوں گے جس کا پانی چھوٹی چھوٹی نہروں میں بٹ
گیا ہو یا وہ گلہ جسکی بھیڑیں مختلف ٹولیوں میں تقسیم ہو گئی ہوں یعنی فنا کے قریب اور دستبرد
اغیار کا نشانہ۔

شیطانی حکومت کے بعد ربانی خلافت

اس قسم کے ہر ایک تجربے میں سفر کو شروع
کرنے سے منزل مقصود پر پہنچنے تک جو وقت صرف ہوگا، جو صعوبتیں پیش آئیں گی، جو نتائج
ہوں گے اور جس عرصے تک قائم رہیں گے سب کا مقابلہ کرنیکے لیئے مسلمانوں کے سامنے اپنا
طریق عمل اور سبیل کار موجود ہے۔ اگرچہ اس وقت مسلمان اُس طریق سے برگشتہ ہیں اور اپنے

تمام اطوار کو کسی اور سانچے میں ڈھال کر دوسری شکل اختیار کر چکے ہیں اور دنیا بھی مادی ہوس پرستیوں میں مبتلا ہو کر طرح طرح کے عقائد و اعمال کی پابند ہو گئی ہے مگر راستی پھر بھی راستی ہے اور جو نمونہ زمانہ رسالت اور قرن اول میں دیکھا گیا ہے کسی طرح سے غور کیا جائے وہ اپنی ہر ادا میں صدق و دیانت سے سر مو متجاوز نہ پایا جائے گا۔ اور نیز اُس کا ریکارڈ (کارنامہ) بھی اوراقِ دہر سے مٹایا نہ جا سکے گا تو راستی تک رسائی پانے کے لئے جو اضطراب انسان کی فطرت میں ودیعت ہے وہ کب تک ناکام رہے گا۔ اور لوگ آنکھیں رکھتے ہوئے کب تک نہ دیکھیں گے اور عقل رکھتے ہوئے کب تک نہ سمجھیں گے کہ اسلامی طریق میں کوئی چال ہی نہیں جس کو چال بازیوں سے شکست ہو۔ اور اس کام میں ناکامی نہیں جس کو کامیابیوں پر رشک ہو۔ اِس وقت نہیں پھر کبھی، جلدی نہیں دیر میں اُس کا اور موجودہ پالیسی کا موازنہ کرینگے۔ اور موجودہ آلودگی اور گزشتہ پاک باطنی سے عبرت لیں گے تو قدیم مسلمانوں کی کوئی نسل ہو یا آغوشِ اسلام میں آنے والی کوئی قوم ہو اُسکے چند افراد بھی جس وقت راستی کا علم بلند کرنیکے لئے اٹھیں گے اور ظلم کو مٹانا اپنا مدّعا قرار دینگے وہی کامیابی حاصل کرینگے جو اُنکے اسلاف کا طرۂ افتخار ہے۔ اور اسی چرخ کو گھمائیں جو پہلے بھی ایک چکر میں ہزار سال تک گھومتا رہا ہے۔ سب کچھ کرنا ہو گا۔ نفس سرکش کو راہ پر لانا ہو گا، ظالموں کا ظلم اٹھانا ہو گا، اور وقت پر ظلم و جور کو مٹانا اور مظلوموں کو چھڑانا ہو گا۔ یہ احکام نہ منسوخ ہو سکتے ہیں نہ ان میں سے کسی کی میعاد ختم ہو سکتی ہے۔ اگر طلب حق میں کامیاب ہونے، شیطانی حکومت کے بعد ربانی خلافت قائم کرنے اور طاغوتی قوتوں کے بعد لاہوتی جلال کو برسر کار لانے سے دنیا خالی نہیں رہ سکتی تو ان تمام مراحل کو وہی قوم طے کرے گی جو اُسوۂ رسولِ عرب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا نصب العین قرار دے گی اور اتباع سنت سید المرسلین میں سلف صالحین کے نقش قدم پر چلے گی۔ یعنی وہ مسلمان ہوں گے جو صدق پر فریفتہ ہونے میں صدیقی کمال دکھا سکیں گے اور امتیاز حق و باطل میں

فاروقی عظمت وجلال کا ورثہ لیں گے۔ اگر بازارِ عالم میں یہ جنس موجود ہے اور اگر قرآنِ کریم میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ:

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۚ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ	سمندر کا جھاگ بیکار ضائع ہوجاتا ہے جو چیز مفید ہوتی ہے وہ قائم رہتی ہے۔
(رعد پ ۱۳ ع ۲)	(SURVIVAL OF THE FITTEST)

اور اگر عقلائے عالم نے اس قرآنی حکمت کے "بقائے اصلح" کا قانون دریافت کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے تو اس جنس کے خریدار اور اس بشارت کے مستحق اور اس قانونِ قدرت کو ثابت کرنے والے مسلمان ہوں گے اور بفضل ایزدی ضرور ہوں گے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک +

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

تمت بالخیر

حمایتِ اسلام پریس لاہور میں باہتمام
شیخ حسن الدین طابع وناشر طبع
ہو کر کتب خانہ انجمن حمایتِ
اسلام لاہور سے
شائع ہوئی

۱۳۵۰ھ